بسم اللہ الرحمن الرحیم
اشرف الہدایہ
شرح اردو
الہدایہ
معرّب ومعنون
کمپیوٹرایڈیشن
جلد 1
از کتاب الطہارۃ تا باب شروط الصلوٰۃ
تالیف: مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈھوی مدرس دارالعلوم دیوبند
اعراب وعنوانات: مولانا حافظ مسعود احمد صاحب
فاضل مدرسہ امدادالعلوم ملتان و وفاق المدارس العربیہ پاکستان
ناشر
مکتبہ حقانیہ
پی ہسپتال روڈ ملتان پاکستان
Tel: 061-4541093

اعراب، عنوانات وکمپوزنگ کے
جملہ حقوق بحق مکتبہ حقانیہ ملتان محفوظ ہیں

نام کتاب: **اشرف الہدایہ** (جلد اول)

تالیف: مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈھوی مدرس دارالعلوم دیوبند

اعراب وعنوانات: مولانا حافظ مسعود احمد صاحب
فاضل مدرسہ امداد العلوم ملتان و وفاق المدارس العربیہ پاکستان

کمپوزنگ: ملتان کمپیوٹر سسٹم۔ ملتان

مکتبہ حقانیہ پی بی ہسپتال روڈ ملتان پاکستان

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت وبساط کے مطابق کتاب ھٰذا کی تصحیح، طباعت وتجلید میں پوری احتیاط برتی گئی ہے۔ بشری تقاضا سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہِ کرم مطلع فرماکر ممنون فرمائیں۔ انشاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔

ادارہ

فہرست

تقاریظ

اگر چہ مے ہے تو صراف کی نظر چڑھ کر ہنر شناس کو دکھلا ہنر، کہ خوبی زر

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہٗ

استاذ حدیث وتفسیر دارالعلوم دیوبند

باسمہ تعالیٰ

عزیز مکرم مولانا جمیل احمد صاحب زادکم اللہ علماً وفضلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

"اشرف الہدایہ" ہدایہ کی اُردو شرح ہے اور "ہدایہ" آئین کی دنیا میں بین الاقوامی سطح پر "اسلامی آئین" کی صحیح ترین ترجمان قرار دی گئی ہے اس لئے آپ کی "خدمت شرح وترجمہ" بھی عالمیت کی حامل بن کر ان شاء اللہ دائمی اجر عظیم کا موجب ثابت ہوگی حق تعالیٰ سے قبولیت ومقبولیت کے لئے دعا گو ہوں اور دعا گو رہوں گا۔

والسلام مستدعی دعاء خیر

احقر محمد سالم القاسمی

خادم تدریس حدیث وتفسیر دارالعلوم دیوبند

۱۸/صفر ۱۴۰۲ھ یوم الخمیس

فقیہ امت حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب

ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

"ہدایہ" علم فقہ کی مشہور ومعروف اور اساسی وبنیادی کتاب ہے حق تعالیٰ نے اس کو انتہائی شرف قبول بخشا ہے۔ حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے متعلق تحریر فرمایا ہے هُوَ مَقْبُوْلٌ بَيْنَ الْاَنَامِ مِنَ الْخَوَاصِّ وَالْعَوَامِ بعض علماء نے اس کتاب کی تعریف میں لکھا ہے:

كِتَابُ الْهِدَايَةِ يَهْدِي الْهُدٰى اِلٰى حَافِظِيْهِ وَيَجْلُو الْعَمٰى

فَلَازِمْهُ وَاحْفَظْهُ یَا ذَا الْحِجٰی، فَمَنْ نَالَهٗ نَالَ اَقْصَی الْمُنٰی،

ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا:

اِنَّ الْهِدَایَةَ کَالْقُرْآنِ قَدْ نَسَخَتْ مَاصَنَّفُوْا قَبْلَهَا فِی الشَّرْعِ مِنْ کُتُبٍ

اس کتاب کی اہم اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ روایت ودرایت دونوں کو جامع ہے۔اس کتاب کی مقبولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک اہم سبب علماء نے یہ لکھا ہے کہ وَهَلْ هٰذَا الْقَبُوْلُ اِلَّا بِمَارُوِیَ اَنَّ صَاحِبَ الْهِدَایَةِ بَقِیَ فِیْ تَصْنِیْفِهٖ ثَلٰثَ عَشْرَةَ سَنَةً وَکَانَ صَائِمًا فِیْ تِلْکَ الْمُدَّةِ لَا یُفْطِرُ اَصْلًا وَکَانَ یَجْتَهِدُ اَنْ لَّا یَطَّلِعَ عَلٰی صَوْمِهٖ اَحَدٌ فَاِذَا اَتٰی خَادِمُهٗ بِطَعَامٍ یَوْمٍ کَانَ یَقُوْلُ لَهٗ اَخْلِهٗ وَ رُحْ فَاِذَا رَاحَ کَانَ یُطْعِمُهٗ اَحَدَ الطَّلَبَةِ اَوْ غَیْرَهُمْ فَاِذَا اَتَی الْخَادِمُ وَ وَجَدَ الْاِنَاءَ فَارِغًا یَظُنُّ اَنَّهٗ اَکَلَهٗ بِنَفْسِهٖ.

اس کتاب کی جامعیت ومقبولیت کا اندازہ اس سے بھی بخوبی ہوتا ہے کہ اس کی تالیف کے بعد سے ہر زمانے میں علماء نے اس کو پیش نظر رکھا ہے اور مستقل طور پر شروح وحواشی تحریر فرمائے ہیں وَقَدِ اعْتَنٰی جَمٌّ غَفِیْرٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ وَ جَمْعٌ کَثِیْرٌ مِّنَ الْفُضَلَاءِ بِتَحْرِیْرِ الْحَوَاشِیْ وَالشُّرُوْحِ عَلَی الْهِدَایَةِ یہ شروح وحواشی زیادہ تر عربی زبان میں ہیں جن کا سمجھنا علمی انحطاط وتنزل کے دور میں بہت مشکل تھا اس لئے اردو زبان میں بھی اس کتاب کی شروح لکھی گئیں۔

اس سلسلہ کی ایک عمدہ وبہترین شرح "اشرف الہدایہ" ہے جس کے مؤلف وشارح مولانا جمیل احمد قاسمی سکروڈھوی ہیں۔میں اگر چہ بالاستیعاب اس کا مطالعہ نہیں کر سکا ہوں مگر چند مقامات دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ موصوف نے کافی محنت وجانفشانی کے ساتھ تحقیق وتشریح کی ہے بالخصوص مشکل مقامات کا حل عمدہ اسلوب کے ساتھ کیا ہے۔میرے خیال میں یہ شرح صرف طلبہ ہی کے لئے نہیں بلکہ مدرسین کے لئے بھی ان شاء اللہ مفید ہوگی۔عزیز موصوف ماشاء اللہ جید الاستعداد، تدریس وتصنیف تحریر وتقریر کی صلاحیتوں کے حامل ہیں اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور مزید علمی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مظفر حسین المظاہری
ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور
۲۶/شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ بروز دوشنبہ

استاذ مکرم حضرت مولانا خورشید عالم صاحب دامت برکاتہم

استاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند

"ہدایہ" جو درس نظامی کی مشہور ومعروف کتاب اور فقہ اسلامی کا بہترین مجموعہ ہے اور جس کو شریعت اسلامیہ کے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صاحب ہدایہؒ نے قرآن پاک کی اقتداء اور حدیث پر عمل کی وجہ سے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ہدایہ کو بسم اللہ اور الحمد للہ سے شروع فرمایا ہے کُلُّ کَلَامٍ لَا یُبْدَأُ فِیْهِ بِالْحَمْدِ لِلّٰہِ فَهُوَ اَجْذَمُ اور ابن ماجہ کی روایت میں اَجْذَمُ کی جگہ اَقْطَعُ ہے اور بعض روایات میں ہے کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ فِیْهِ بِبِسْمِ اللّٰہِ فَهُوَ اَقْطَعُ حاصل یہ کہ جو کام اللہ کے نام اور اللہ کی حمد سے شروع نہ ہو وہ ناتمام رہتا ہے اسلاف کی عادت بھی یہی رہی ہے کہ وہ اپنی کتابوں کا آغاز بسملہ اور حمد باری سے فرماتے تھے۔

کتابُ الطَّھارَاتِ

ترجمہ: (یہ) کتاب پاکیوں کے (احکام کے بیان میں) ہے

تشریح: اس جملہ میں تین بحثیں ہیں (۱) ترکیب نحوی (۲) لفظ کتاب سے متعلق (۳) لفظ طہارات سے متعلق۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے تین احتمال ہیں۔ اول یہ کہ کِتَابُ الطَّھَارَاتِ خبر ہو مبتدا محذوف ھٰذا کی یعنی ھٰذَا کِتَابُ الطَّھَارَاتِ دوم یہ کہ یہ مبتدا ہو اور اس کی خبر محذوف ہو یعنی کِتَابُ الطَّھَارَاتِ ھٰذَا سوم یہ کہ مفعول ہو فعل محذوف کا یعنی خُذْ کِتَابَ الطَّھَارَاتِ یا اِقْرَأْ کِتَابَ الطَّھَارَاتِ.

دوسری بحث کا حاصل یہ ہے کہ کتاب اور کتابت کے لغوی معنی ہیں کسی شی کا جمع ہونا۔ اور کتابت کا نام کتابت اسی لئے رکھا گیا کہ اس میں حروف جمع ہوتے ہیں۔ اور کتاب مکتوب کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے جیسے خلق، مخلوق کے معنی میں بولا جاتا ہے اور اصطلاح میں کتاب مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو مستقلاً معتبر ہو اور مختلف انواع پر مشتمل ہو یا مختلف انواع پر مشتمل نہ ہو۔

تیسری بحث کا حاصل یہ ہے کہ لغت میں طہارت بضم الطاء اس پانی کا نام ہے جس سے پاکی حاصل کی جائے اور بکسر الطاء آلۂ نظافت کا نام ہے اور بفتح الطاء مصدر ہے نظافت کے معنی میں اور شریعت میں طہارت حدث یا خبث (جنابت) سے پاک ہونے کو کہتے ہیں اور بعض علماء نے کہا کہ طہارت اعضاء ثلاثہ کو دھونے اور سر کے مسح کرنے کا نام ہے۔

مولانا عبدالحیؒ نے علامہ حلبیؒ کے حوالہ سے السعایہ شرح عربی شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ شرائط طہارت دو قسم پر ہیں: (۱) شروط وجوب (۲) شروط صحت۔ شروط وجوب (یعنی جب یہ شرطیں ہوں تو طہارت واجب ہو جاتی ہے) نو ہیں (۱) اسلام (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) حدث کا لاحق ہونا، حدث اصغر ہو یا اکبر (۵) تمام اعضاء پر پاک ماء مطلق پہنچانا (۶) حیض نہ ہونا (۷) نفاس نہ ہونا (۸) پانی یا مٹی کے استعمال پر قادر ہونا (۹) وقت میں گنجائش نہ ہونا۔

اور شروط صحت یعنی طہارت صحیح ہونے کی چار شرطیں ہیں: (۱) تمام اعضاء پر پانی پہنچنا (۲) حیض نہ ہو (۳) نفاس نہ ہو

(۴) طہارت حاصل کرنے کی حالت میں غیر معذور میں کوئی ناقض طہارت نہ پایا جائے وجوب طہارت کا سبب حدث یا خبث کا پایا جانا۔ اور طہارت کا حکم اس چیز کا مباح ہونا ہے جو بغیر طہارت کے حلال نہیں تھی۔

سوال ہوگا کہ صاحب ہدایہؒ نے طہارات بصیغہ جمع ذکر کیا حالانکہ طہارت مصدر ہے اور مصادر کا تثنیہ اور جمع نہیں آتا ہے جواب یہ ہے کہ اگر مصادر کے آخر میں تاء تانیث ہو تو ان کا تثنیہ اور جمع لانا درست ہے۔ اور یہاں طہارات جمع کے ساتھ لا کر طہارت کی مختلف انواع کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ رفع نجاست بھی طہارت ہے اور رفع خبث بھی طہارت ہے حالانکہ دونوں مختلف نوع ہیں۔

رہی یہ بات کہ کتاب الطہارات کو مقدم کیوں کیا گیا ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ مشروعات چار ہیں (۱) خالص حقوق اللہ (۲) خالص حقوق العباد (۳) دونوں حق جمع ہو جائیں مگر حق اللہ غالب ہو (۴) حق العبد غالب ہو۔ مصنف ہدایہ نے ترتیب میں حقوق اللہ (عبادات) کو ان کی عظمت کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔ پھر عبادات میں نماز کو پہلے بیان کیا گیا کیونکہ نماز، ایمان کے بعد ارکان اسلام میں سب سے اقوی رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ اور حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ مَنْ اَقَامَهَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّيْنَ وَمَنْ هَدَمَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّيْنَ نیز ارکان اسلام میں سے توحید کے بعد سب سے پہلے نماز ہی فرض کی گئی ہے اور طہارت چونکہ نماز کی شرط ہے، ارشاد ہے مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ اور شرط شی ء سے مقدم ہوتی ہے اس لئے طہارت کو نماز پر مقدم کیا گیا۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ اَلْاٰيَة
ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا (ارادہ) کرو تو اپنے چہروں کو دھولیا کرو۔ الآیۃ

تشریح:۔ مصنف ہدایہ نے آیت وضو سے کتاب کا آغاز کیا ہے حالانکہ دعاوی میں قاعدہ یہ ہے کہ مدعی مقدم ہوتا ہے اور اس کی دلیل بعد میں ذکر کی جاتی ہے مگر یہاں اللہ تعالیٰ کے کلام کو تبرکاً و یمناً مقدم کر دیا ہے اگر چہ قاعدہ مروجہ کے خلاف ہے پوری آیت یہ ہے اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ یعنی مسلمانو! جب تم نماز کیلئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو دھولیا کرو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں کا اور (دھوؤ) اپنے پیروں کو ٹخنوں تک۔

اس آیت کے تحت چند چیزیں قابل ذکر ہیں۔ اول یہ کہ اذا جو امور یقینیہ میں استعمال ہوتا ہے اس کو لایا گیا ہے اور اِنْ جو امور متردد و مشکوکہ میں استعمال ہوتا ہے اس کو نہیں لایا گیا کیونکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ قِيَامُ اِلَى الصَّلٰوةِ امور یقینیہ میں سے ہو۔ دوسری چیز یہ ہے کہ یہ آیت بالاجماع مدنی ہے اس لئے کہ بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ہار گم ہونے کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ فَنَزَلَتْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اِلٰى قَوْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اور یہ واقعہ عقد بالاتفاق ہجرت سے ایک عرصہ بعد پیش آیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آیت مدنی ہے اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ فرضیت صلوٰۃ کے وقت مکہ ہی میں وضو فرض ہو چکا تھا۔ چنانچہ ابن

عبدالبر نے کہا کہ تمام اہل مغازی کو یہ بات معلوم ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے نماز فرض ہونے کے بعد کوئی نماز بغیر وضو نہیں پڑھی اور اس کا انکار جاہل یا معاند ہی کرسکتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ جب وضو پر پہلے سے عمل موجود تھا تو آیت وضو نازل کرنے میں کیا حکمت ہے۔ حضرت مولانا عبدالحیؒ نے سعایہ میں لکھا ہے کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ تا کہ وضو کی فرضیت مَتْلُوٌّ بِالْقُرْآنِ ہوجائے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اول آیت یعنی جس میں وضو کا ذکر ہے مکہ میں فرضیت وضو کے ساتھ نازل ہوئی ہو اور بقیہ آیت جس میں تیمم کا ذکر ہے مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہو (کذا فی الاتقان)۔

تیسری چیز یہ ہے کہ ظاہر آیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وضو ہر اس شخص پر فرض ہو جو قِیَامْ اِلَی الصَّلٰوۃِ کا ارادہ کرتا ہے مُحْدِث ہو یا غیر مُحْدِث، اصحاب ظاہر کا یہی مذہب ہے لیکن جمہور علماء کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ آیت تقدیر عبارت کیساتھ اس طرح ہے اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَاَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ اور یہ بھی دلیل ہے کہ حدث وجوب وضو کیلئے شرط ہے اور اس کا ثبوت دلالت النص سے ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے آیت وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا میں تیمم کو ذکر حدث کے ساتھ ملایا ہے پس معلوم ہوا کہ تیمم واجب ہونے کیلئے حدث شرط ہے اور تیمم وضو کا بدل اور خلیفہ ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز بدل میں نص ہوتی ہے وہ اصل میں بھی نص ہوگی، پس ثابت ہوا کہ حدث وضو واجب ہونے کی شرط ہے۔

فَفَرْضُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْاَعْضَاءِ الثَّلٰثَةِ وَمَسْحُ الرَّأْسِ بِهٰذَا النَّصِّ وَالْغَسْلُ هُوَ الْاِسَالَةُ

پس وضو کا فرض تینوں اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا ہے (جو) اس نص سے (ثابت) ہے اور غسل وہ پانی کا بہانا ہے

وَالْمَسْحُ هُوَ الْاِصَابَةُ وَحَدُّ الْوَجْهِ مِنْ قُصَاصِ الشَّعْرِ اِلٰی اَسْفَلِ الذَّقَنِ وَاِلٰی شَحْمَتَيِ الْاُذُنَيْنِ

اور مسح (پانی) پہنچانا ہے۔ اور چہرے کی حد (سر کے) بال جمنے کی انتہاء سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور دونوں کانوں کی دونوں لو تک ہے

لِاَنَّ الْمُوَاجَهَةَ تَقَعُ بِهٰذِهِ الْجُمْلَةِ وَهُوَ مُشْتَقٌّ مِنْهَا

اس لئے کہ مواجہت (روبرو ہونا) اس مجموعہ سے واقع ہوتی ہے اور وجہ اسی (مواجہت) سے ماخوذ ہے

فرائض وضو، غسل اور مسح کا معنی اور چہرے کی حد

تشریح۔ فرض بہت سے معانی میں مستعمل ہے (۱) قطع، کہا جاتا ہے فَرَضَ الْخَيَّاطُ الثَّوْبَ، درزی نے کپڑا کاٹا (۲) تقدیر، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ یعنی قَدَّرْتُمْ (۳) تفصیل، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا یعنی فَصَّلْنَاهَا (۴) بیان، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ یعنی بَيَّنَ لَكُمْ كَفَّارَةَ اَيْمَانِكُمْ (۵) حد، قال اللہ تعالیٰ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا، یعنی مَحْدُوْدًا (۶) عطیہ، کہا جاتا ہے فَرَضْتُ الرَّجُلَ یعنی میں نے مرد کو عطیہ دیا (۷) بڑھاپے کے معنی میں ہے، کہا جاتا ہے فَرِضَتِ الْبَقَرَةُ بیل بوڑھا ہو گیا، اسی سے ہے لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ (۸) عظمت کے معنی میں ہے، کہا جاتا ہے فُلَانٌ فَارِضٌ یعنی رئیس، ہمارے نزدیک فرض اس حکم کو کہتے ہیں جو ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں

شبہ نہ ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا کرنے والا مستحق ثواب اور اس کو ترک کرنے والا مستحق عقاب ہوگا۔ اور واجب وہ حکم ہے جس کا لزوم دلیل ظنی سے ثابت ہو اور اس کا ادا کرنے والا فرض ادا کرنے والے سے کم ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کو ترک کرنے والا فرض ترک کرنے والے سے کم عقاب کا مستحق ہوگا۔

واضح ہو کہ دلالت کی چار قسمیں ہیں (۱) قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت جیسے آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ صریحہ جو تاویل کا احتمال نہ رکھتی ہوں (۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالت، جیسے آیات واحادیث مؤولہ (۳) ظنی الثبوت قطعی الدلالت جیسے اخبار آحاد صریحہ (۴) ظنی الثبوت اور ظنی الدلالت جیسے اخبار آحاد جن میں بہت سے معانی کا احتمال ہو۔ اول مفید یقین ہے دوم مفید ظن ہے سوم مفید وجوب اور مفید کروہ تحریمی ہے اور چہارم مفید سنیت اور استحباب ہے (حاشیہ شرح نقایہ)

طہارت: وضو واؤ کے ضمہ کے ساتھ فعل مخصوص معلوم کا نام ہے اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ وہ پانی جو وضو کے لئے مہیا کیا گیا ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے احکام وضو کو مقدم کیا ہے کثرت حاجت کی وجہ سے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وضو کا محل غسل کے محل کا جز ہے اور جز کل پر مقدم ہوتا ہے اس لئے وضو کو غسل پر مقدم کیا گیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی وضو کو غسل پر مقدم کیا ہے چنانچہ اولاً فرمایا ہے فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ الآیۃ اور اس کے بعد وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا فرمایا ہے۔

غسل، غین کے ضمہ کے ساتھ وہ پانی جس سے غسل کیا جائے اور تمام بدن کے دھونے کا نام بھی غسل ہے غسل کسرہ کے ساتھ وہ چیز جس سے سر دھویا جائے یعنی خطمی، اور غسل فتحہ کے ساتھ مصدر ہے معنی دھونا۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ وضو میں چار فرض ہیں تین اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا۔ اور ان چاروں کی فرضیت کا ثبوت مذکورہ آیت سے ہے۔ نیز فرمایا کہ غسل کے معنی پانی بہانا ہے اس سے امام مالکؒ پر رد کرنا مقصود ہے کیونکہ ان کے نزدیک پانی بہانا کافی نہیں ہے بلکہ دلک یعنی ملنا بھی شرط ہے اور مسح کے معنی بغیر تقاطر ماء کے پانی پہنچانا ہے۔

مصنف ہدایہ نے طولاً اور عرضاً وجہ کی حد بندی اس طرح کی ہے کہ سر کے بالوں کے اُگنے کی جگہ سے تھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسری کان کی لو تک چہرہ کا دھونا فرض ہے دلیل یہ ہے کہ وجہ مشتق ہے مواجہت سے اور مواجہت اس پورے حصہ سے واقع ہوتی ہے۔ اس لئے اس پورے حصہ کا دھونا فرض ہے۔

وَالْمِرْفَقَانِ وَالْكَعْبَانِ يَدْخُلَانِ فِي الْغَسْلِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ وَهُوَ يَقُوْلُ اِنَّ الْغَايَةَ لَا تَدْخُلُ تَحْتَ الْمُغَيَّا

اور ہمارے نزدیک دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے دھونے میں داخل ہیں بخلاف امام زفرؒ کے وہ فرماتے ہیں کہ غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی

كَاللَّيْلِ فِيْ بَابِ الصَّوْمِ وَلَنَا اَنَّ هٰذِهِ الْغَايَةَ لِاِسْقَاطِ مَا وَرَاءَهَا اِذْ لَوْ لَاهَا لَاسْتَوْعَبَتِ

جیسے رات روزے کے باب میں (داخل نہیں) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ غایت ماوراء غایت کو ساقط کرنے کیلئے ہے کیونکہ اگر یہ غایت نہ ہوتی

الْوَظِيْفَةُ الْكُلَّ وَفِيْ بَابِ الصَّوْمِ لِمَدِّ الْحُكْمِ اِلَيْهَا اِذِ الْاِسْمُ يُطْلَقُ عَلَى الْاِمْسَاكِ سَاعَةً

تو دھونا پورے عضو کو محیط ہو جاتا۔ اور باب صوم میں (غایت) رات تک حکم کو کھینچنے کیلئے ہے اس لئے کہ لفظ صوم ایک ساعت امساک کرنے پر بھی بولا جاتا ہے

وَالْكَعْبُ هُوَ الْعَظْمُ النَّاتِئُ هُوَ الصَّحِيْحُ وَمِنْهُ الْكَاعِبُ
اور کعب وہ ابھری ہوئی ہڈی ہے یہی صحیح ہے اور اسی لفظ سے کاعب (مشتق) ہے

کہنیاں اور ٹخنے غسل میں داخل ہیں یا نہیں......اقوال فقہاء

تشریح ۔ مرفق ، میم کے کسرہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کا برعکس بھی جائز ہے یعنی میم کا فتحہ اور فاء کا کسرہ، بازو اور کلائی کے جوڑ کے مرفق کہتے ہیں، کعب امام محمدؒ کے نزدیک ،ظاہر قدم پر تسمہ باندھنے کی جگہ کے جوڑ کو کہتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ پنڈلی سے نیچے ابھری ہوئی ہڈی کا نام کعب ہے۔اسی سے کاعب مشتق ہے جس کی جمع کواعب آتی ہے۔کواعب وہ نوجوان لڑکیاں ہیں جن کی چھاتیاں ابھری ہوئی ہوں۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ مرفقین بغسل یدین اور کعبین غسل رجلین میں داخل ہیں یا خارج ہیں یعنی ہاتھوں کی طرح کہنیوں کا اور پیروں کی طرح ٹخنوں کا دھونا بھی شرط ہے یا نہیں۔ائمہ ثلاثہ یعنی امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھوں کے ساتھ کہنیوں کا اور پیروں کے ساتھ ٹخنوں کا دھونا بھی فرض ہے۔یہی قول ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا،اور یہی ایک روایت امام مالکؒ سے ہے۔

اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ مرفقین اور کعبین دھونے میں داخل نہیں ہے یعنی کہنیوں اور ٹخنوں کا دھونا فرض نہیں ہے۔یہی امام مالکؒ سے ایک روایت ہے۔امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں مرافق اور کعبین غایت ہیں اور غایت مطلقاً مغیا کے حکم میں داخل نہیں ہوتی ہے جیسے أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ میں لیل روزے کے حکم میں داخل نہیں ہے۔اسی طرح مرافق، یدین کے حکم میں اور کعبین رجلین کے حکم میں داخل نہیں ہوں گے۔...... ہماری دلیل یہ ہے کہ امام زفرؒ کا یہ کہنا کہ غایت مغیا کے حکم میں مطلقاً داخل نہیں ہوتی ہمیں تسلیم نہیں ہے بلکہ غایت کی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ غایت اپنے ماقبل یعنی مغیا کی جنس سے ہو یعنی اگر غایت کو الگ کر دیا جائے تو صدر کلام یعنی مغیا غایت اور ماوراء غایت سب کو شامل ہو۔دوم یہ کہ غایت اپنے ماقبل یعنی مغیا کی جنس سے نہ ہو یعنی غایت کو الگ کردینے کے بعد صدر کلام یعنی مغیا غایت اور ماوراء غایت کو شامل نہ ہو۔اگر غایت قسم اول سے ہے تو غایت مغیا میں داخل ہوتی ہے اور اگر قسم ثانی سے ہے تو غایت مغیا کے حکم میں داخل نہیں ہوتی۔پس چونکہ لیل روزے کی جنس سے نہیں ہے اس لئے لیل روزے کے حکم میں داخل نہیں ہوگی۔اور مرفقین یدین کی جنس سے اور کعبین رجلین کی جنس سے ہے اس لئے یہ دونوں غایتیں اپنے مغیا کے حکم میں داخل ہوں گی یعنی کہنیاں ہاتھوں کے دھونے میں اور ٹخنے پیروں کے دھونے میں داخل ہوں گے۔

صاحب ہدایہؒ کی پیش کردہ دلیل کا حاصل یہ ہے کہ غایت کبھی اس لئے ذکر کی جاتی ہے کہ حکم کھینچ کر غایت تک پہنچا دیا جائے اور کبھی ماوراء غایت کو ساقط کرنے کیلئے ذکر کی جاتی ہے۔حاصل یہ کہ غایت کی دو قسمیں ہیں غایت اثبات اور غایت اسقاط۔ اور ان دونوں میں مَابِهِ الْامْتِيَاز یہ ہے کہ اگر صدر کلام یعنی مغیا غایت کو شامل ہو تو یہ غایت اسقاط ہوگی اور اگر شامل نہ ہو تو غایت اثبات ہے اور غایت اثبات مغیا کے حکم میں داخل نہیں ہوتی جیسے أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ میں لیل صوم کے حکم میں داخل نہیں ہے۔اور غایت اسقاط میں ماوراء غایت کو ساقط کیا جاتا ہے پس غایت مغیا کے حکم میں داخل ہوگی جیسے وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ میں مرافق کو ذکر کیا

گیا ہے ماوراء مرفق کو نکالنے کیلئے۔ لہٰذا دھونے کا حکم مرفق میں باقی رہے گا۔

قَالَ وَالْمَفْرُوْضُ فِیْ مَسْحِ الرَّأْسِ مِقْدَارُ النَّاصِیَةِ وَهُوَ رُبْعُ الرَّأْسِ لِمَا رَوَی الْمُغِیْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ

کہا اور مسح راس میں فرض مقدار ناصیہ ہے۔ اور وہ چوتھائی سر ہے اس حدیث کی وجہ سے جو مغیرہ بن شعبہؓ نے روایت کی ہے

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَتٰی سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ وَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلٰی نَاصِیَتِهٖ وَخُفَّیْهِ وَالْکِتَابُ

کہ رسول اللہ ﷺ ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے پس آپ ﷺ نے پیشاب کیا اور وضو کیا اور اپنے ناصیہ اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔ اور قرآن (کی آیت)

مُجْمَلٌ فَالْتَحَقَ بَیَانًا بِهٖ وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَی الشَّافِعِیِّ فِی التَّقْدِیْرِ بِثَلٰثِ شَعَرَاتٍ

مجمل ہے پس یہ حدیث اس کے ساتھ بیان ہو کر لاحق ہوگی اور یہ حدیث تین بالوں کے ساتھ اندازہ کرنے میں امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے

وَعَلٰی مَالِکٍ فِی اشْتِرَاطِ الْاِسْتِیْعَابِ وَفِیْ بَعْضِ الرِّوَایَاتِ قَدَّرَهٗ بَعْضُ اَصْحَابِنَا بِثَلٰثِ اَصَابِعِ الْیَدِ

اور امام مالکؒ کے خلاف استیعاب کی شرط لگانے میں (حجت) ہے اور بعض روایات میں ہمارے بعض اصحاب نے مقدار ناصیہ کی تقدیر ہاتھ کی تین انگلیوں کے ساتھ فرمائی

لِاَنَّهَا اَکْثَرُ مَا هُوَ الْاَصْلُ فِیْ اٰلَةِ الْمَسْحِ

کیونکہ تین انگلیاں اس چیز کا اکثر ہیں جو آلۂ مسح میں اصل ہے

سر کے مسح کی مقدار ...... اقوال فقہاء

تشریح:۔ مسح کہتے ہیں بھیگے ہوئے ہاتھ کا پھیرنا خواہ پانی کی تری برتن سے لی ہو یا کسی عضو مغسول کو دھونے کے بعد باقی رہی ہو۔ سر کا مسح کرنا بالاتفاق فرض ہے اس لئے کہ اس کا ثبوت نص صریح سے ہے البتہ مقدار مفروض میں اختلاف ہے۔ چنانچہ علماء احناف کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے خواہ سر کے اگلے حصہ کا ہو یا پچھلے حصہ کا دائیں طرف کا چوتھائی ہو یا بائیں طرف کا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مطلق سر کا مسح فرض ہے پس اگر ان کے نزدیک تین بالوں کا یا ایک روایت میں ایک بال کا مسح کیا تو بھی فرض ادا ہو جائے گا اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

تمام کی دلیل باری تعالیٰ کا قول وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ ہے۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ باء زائدہ ہے یعنی وَامْسَحُوْا رُءُوْسَکُمْ یعنی اپنے سروں کا مسح کرو اور ظاہر ہے کہ راس (سر) کا اطلاق پورے سر پر ہوتا ہے نہ کہ بعض پر۔ پس معلوم ہوا کہ پورے سر کا مسح فرض ہے۔ صاحب شرح نقایہؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے احتیاط پر عمل کیا ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ آیت مقدار مسح کے سلسلہ میں مطلق ہے لہٰذا اَلْمُطْلَقُ یَجْرِیْ عَلٰی اِطْلَاقِهٖ کے قاعدہ کے مطابق مطلق سر کا مسح فرض ہوگا۔ پس امام شافعیؒ کے نزدیک ادنیٰ سر کا مسح کرنے سے فرض ادا ہو جائے گا اور ادنیٰ میں ایک بال معتبر ہے یا بقول صاحب ہدایہ تین بال معتبر ہیں۔

علمائے احناف فرماتے ہیں کہ مقدار مسح کے سلسلہ میں آیت مجمل ہے اور مجمل محتاج ہوتا ہے بیان کا۔ اور یہاں بیان حدیث مغیرہ ہے چنانچہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَتٰی سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ وَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلٰی نَاصِیَتِہٖ وَخُفَّیْہِ صاحب ہدایہ کی پیش کردہ یہ حدیث، حدیث مغیرہؓ اور حدیث حذیفہؓ سے مرکب ہے۔ چنانچہ حدیث مغیرہؓ جس کو مسلم نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِیَتِہٖ وَعَلَی الْعِمَامَةِ وَعَلٰی خُفَّیْہِ اور حدیث حذیفہؓ جس کو شیخین نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ ہیں۔ اَتَی النَّبِیُّ ﷺ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَجِئْتُہٗ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے پیشاب کرنے کے بعد وضو فرمایا اور مقدار ناصیہ پر مسح کیا۔ اور مقدار ناصیہ اور چوتھائی سر ایک ہی بات ہے اس لئے علماء احناف نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

اور اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَتَوَضَّأُ وَعَلَیْہِ عِمَامَةٌ قِطْرِیَّةٌ فَاَدْخَلَ یَدَیْہِ مِنْ تَحْتِ الْعِمَامَةِ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِہٖ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ وضو کرتے تھے اور آپ کے سر پر قطری عمامہ تھا سو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کئے پھر سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے پورے اگلے حصہ کا مسح کیا ہے اور تمام مقدم رأس ہی چوتھائی سر ہے جسکو ناصیہ کہتے ہیں۔

پس یہ احادیث امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہوں گی۔ امام مالکؒ کے خلاف تو اس لئے کہ اگر پورے سر کا مسح کرنا فرض ہوتا تو موجد شریعت ﷺ چوتھائی سر کے مسح پر اکتفاء کیوں فرماتے۔ اور امام شافعیؒ کے خلاف اس لئے حجت ہے کہ اگر چوتھائی سے کم پر مسح کرنا جائز ہوتا تو کبھی ایک بار بیان جواز کیلئے اس پر ضرور عمل کیا جاتا۔ حالانکہ چوتھائی سر سے کم پر آنحضرت ﷺ سے مسح کرنا ثابت نہیں ہے۔

بعض علماء احناف نے مقدار ناصیہ کی تقدیر تین انگلیوں کے ساتھ فرمائی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ مسح ہاتھ سے ہوتا ہے اور ہاتھ میں انگلیاں اصل ہیں اور تین انگلیاں اکثر ہیں اور قاعدہ ہے لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ اس وجہ سے تین انگلیوں کو کل کے قائم مقام بنا کر یہ حکم لگایا کہ اگر تین انگلیوں کی مقدار مسح کیا تو شرعاً کافی ہو جائے گا۔

قَالَ وَسُنَنُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْيَدَيْنِ قَبْلَ اِدْخَالِهِمَا الْاِنَاءَ اِذَا اسْتَيْقَظَ الْمُتَوَضِّئُ مِنْ نَوْمِهٖ
فرمایا، اور وضو کی سنتیں، دونوں ہاتھوں کو دھونا ہے ان دونوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے جبکہ متوضی اپنی نیند سے بیدار ہو
لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهٖ فَلَا يَغْمِسَنَّ يَدَهٗ فِي الْاِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلٰثًا
اس لئے کہ حضور ﷺ کا قول ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے، یہاں تک کہ اس کو تین بار دھو ڈالے

فَإِنَّهُ لَا يَدْرِيْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ وَلِأَنَّ الْيَدَ آلَةُ التَّطْهِيْرِ فَتُسَنُّ الْبِدَايَةُ بِتَنْظِيْفِهَا
اس لئے کہ اسے معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ رات کہاں رہا، اور اس لئے کہ ہاتھ آلۂ تطہیر ہے پس خود اس کو پاک کرنے کی بدایت مسنون ہوگی
وَهٰذَا الْغَسْلُ إِلَى الرُّسْغِ لِوُقُوْعِ الْكِفَايَةِ بِهٖ فِي التَّنْظِيْفِ
اور یہ دھونا پہونچے تک ہے کیونکہ اسی قدر کے ساتھ پاکیزگی کرنے میں کفایت حاصل ہو جاتی ہے

وضو کی سنتیں......پہلی سنت

تشریح:۔ سنن، سنت کی جمع ہے۔ سنت دین میں ایسے رائج طریقہ کو کہتے ہیں جو نہ فرض ہو اور نہ واجب ہو، اس کا ادا کرنے والا مستحق ثواب اور ترک کرنے والا ملامت اور عتاب کا مستحق ہو۔ علامہ ابن الہمام نے کہا کہ سنت وہ ہے جس پر حضور ﷺ نے کبھی کبھار ترک کے ساتھ ہیشگی فرمائی ہے۔

رہی یہ بات کہ صاحب ہدایہ نے فرض بصیغہ واحد اور سنن بصیغہ جمع کیوں ذکر فرمایا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرض اصل میں مصدر ہے اور مصادر تثنیہ اور جمع سے مستثنیٰ ہوتے ہیں، اس کے برخلاف سنت کہ یہ مصدر نہیں ہے اس لئے اس کو بصیغہ جمع ذکر کیا گیا۔

بہرحال وضو کی سنتوں میں سب سے پہلی سنت یہ ہے کہ جب متوضی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے دونوں ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ دھولے اور دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ پانی اگر کسی چھوٹے برتن میں رکھا ہے تو بائیں ہاتھ سے اٹھا کر دائیں ہاتھ پر پانی ڈالے، پھر دائیں سے بائیں پر پانی ڈالے۔ اور اگر برتن اتنا بڑا ہو کہ اس کا اٹھانا ممکن نہیں تو چھوٹا برتن لے کر اس میں سے پانی نکالے پھر اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں پر پانی بہائے اور دائیں ہاتھ سے بائیں پر بہائے اور اگر چھوٹا برتن نہ ہو تو بائیں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر بڑے برتن سے پانی لیکر دائیں ہاتھ پر ڈالے ہتھیلی پانی میں داخل نہ کرے پھر دائیں سے پانی لے کر بایاں ہاتھ دھو ڈالے۔

حدیث ابی ہریرہؓ ہے جس کو شیخینؒ نے روایت کیا ہے إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهٖ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِيْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ اور مسلمؒ کے الفاظ ہیں حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا اور بعض روایات میں فَلَا يَغْمِسَنَّ نون تاکید کے ساتھ ہے اور حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص سو کر اٹھے تو اپنا ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے اس کو تین مرتبہ دھولے کیونکہ اس کو معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ کہاں رہا۔

مبسوط میں ہے کہ وضو کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کا دھونا مطلقاً سنت ہے خواہ نیند سے بیدار ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ کیونکہ ہاتھ دھونے کی علت بیدار شخص میں بھی موجود ہے یعنی ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے ہاتھ سے اپنے بدن کی رگوں کو چھوا ہو۔ حاصل یہ کہ ہاتھوں کو دھونے کی علت توہم نجاست ہے اور یہ توہم دونوں صورتوں میں ہے خواہ نیند سے بیدار ہو یا پہلے سے جاگا ہوا

ہو۔ اور یہ اس وقت تک سنت ہے جبکہ نجاست ظاہر نہ ہو ورنہ نجاست زائل کرنا فرض ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ ہاتھ پاک کرنے کا آلہ ہے۔ لہٰذا پہلے خود اسی کا پاک کرنا مسنون ہوگا۔ اور دھونا گٹوں تک مسنون ہے کیونکہ پاکیزگی حاصل کرنے میں اتنی مقدار کافی ہو جاتی ہے۔

قَالَ وَتَسْمِيَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فِیْ اِبْتِدَاءِ الْوُضُوْءِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يُسَمِّ
فرمایا، اور ابتداء وضو میں اللہ کا نام لینا (مسنون) ہے اس لئے حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اس شخص کا وضو نہیں جس نے اللہ کا نام نہ لیا
وَالْمُرَادُ بِهٖ نَفْیُ الْفَضِيْلَةِ وَالْاَصَحُّ اَنَّهَا مُسْتَحَبَّةٌ وَاِنْ سَمَّاهَا فِی الْكِتَابِ سُنَّةً وَيُسَمِّیْ
اور اس سے مراد فضیلت کی نفی ہے اور اصح یہ ہے کہ تسمیہ مستحب ہے اگرچہ (صاحب قدوری) نے کتاب (قدوری) میں اس کو سنت کہا ہے اور تسمیہ
قَبْلَ الْاِسْتِنْجَاءِ وَبَعْدَهٗ هُوَ الصَّحِيْحُ
استنجاء سے پہلے بھی پڑھے اور اس کے بعد بھی یہی صحیح ہے

دوسری سنت ...... بسم اللہ سنت ہے یا مستحب

تشریح۔ صاحب قدوری نے فرمایا کہ دونوں ہاتھوں کا گٹوں تک دھونا تو وضو پر مقدم تھا مگر جب وضو شروع کرے تو اللہ کے نام سے شروع کرے اور تسمیہ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بسم اللہ کہہ کر شروع کرے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھے۔ اور علامہ ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ امام طحاوی نے کہا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی دِيْنِ الْاِسْلَامِ کہے یہی سلف سے منقول ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً منقول ہے۔ بہر حال ہمارے نزدیک ابتدا وضو میں تسمیہ مسنون ہے اور اصحاب ظواہر اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ تسمیہ وضو کی شرط ہے بغیر تسمیہ کے وضو نہیں ہوگا۔ دلیل وہ حدیث ہے جس کو حاکم اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَا وُضُوْءَ لَهٗ وَلَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نماز نہیں جس کیلئے وضو نہیں اور اس کا وضو نہیں جس نے اللہ کا نام ذکر نہیں کیا۔

اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ حدیث میں لا نفی جنس کے لئے ہے یعنی بغیر تسمیہ کے وضو نہیں ہوگا مگر ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ حدیث میں فضیلت وضو کی نفی کی گئی ہے یعنی بغیر تسمیہ کے وضو تو ہو جائے گا مگر افضل نہیں ہوگا۔ جیسے لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ میں كَمَالِ صَلٰوة اور فضیلت صلوٰۃ کی نفی کی گئی ہے نہ کہ صحت صلوٰۃ کی اور جیسے لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ میں کمال ایمان کی نفی کی گئی ہے نہ کہ نفس ایمان کی پس ایسے ہی حدیث تسمیہ میں فضیلت اور کمال وضو کی نفی کی گئی ہے نہ کہ جواز اور صحت وضو کی۔ ہماری تائید علی بن یحییٰ بن خلاد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے حدیث یہ ہے کہ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لِلْمُسِیْءِ

صَلوٰتَهٗ اِذَا قُمْتَ فَتَوَضَّأْ كَمَا اَمَرَكَ اللّٰهُ یعنی حضور ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جو ارکان صلوٰۃ صحیح طور پر ادا نہیں کرتا تھا کہ جب تو نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو اس طرح وضو کیا کر جس طرح اللہ نے تجھ کو حکم دیا ہے اور اللہ نے جس وضو کا حکم دیا ہے اس میں تسمیہ نہیں ہے۔

اور دارقطنی نے روایت کی مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يَطْهُرُ جَسَدُهٗ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ لَمْ يَطْهُرْ اِلَّا مَوْضِعُ الْوُضُوْءِ یعنی جس نے اول وضو میں اللہ کا نام ذکر کیا تو اس کا تمام بدن پاک ہو جاتا ہے اور جس نے اللہ کا نام ذکر نہ کیا تو اعضاء وضو کے علاوہ کچھ پاک نہیں ہوتا۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ تسمیہ وضو میں شرط نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ تسمیہ وضو میں مستحب ہے اگرچہ قدوری میں اس کو سنت کہا ہے۔ علامہ بدرالدین عینی شارح ہدایہ نے فرمایا کہ استحباب تسمیہ کا قول کیسے درست ہوگا درآنحالیکہ احادیث کثیرہ اس کی سنیت پر دلالت کرتی ہیں۔ صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ تسمیہ استنجاء سے پہلے بھی پڑھے اور بعد بھی یہی صحیح قول ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ صرف استنجاء سے پہلے تسمیہ پڑھے اور بعض کا خیال ہے کہ صرف استنجاء کے بعد پڑھے۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ قبل الاستنجاء بسم اللہ پڑھے ان کی دلیل یہ ہے کہ استنجاء وضو کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے لہٰذا اس سے پہلے ہی بسم اللہ پڑھے تاکہ تمام افعال وضو فرض ہوں یا سنت بسم اللہ سے واقع ہوں۔ اور جو استنجاء کے بعد کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ استنجاء سے پہلے کشف عورت کی حالت ہے اور کشف عورت کی حالت میں اللہ کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہے اس لئے استنجاء کے بعد بسم اللہ پڑھے۔ اور قول اصح کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کا قول كُلُّ اَمْرٍ ذِىْ بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ فِيْهِ بِذِكْرِ اللّٰهِ اس بات کا متقضی ہے کہ ابتداء وضو میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے۔ اور چونکہ استنجاء بھی وضو کے ملحقات میں سے ہے اس لئے استنجا کرنے سے پہلے بھی بسم اللہ پڑھنا مستحب ہوگا۔

وَالسِّوَاكُ لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُوَاظِبُ عَلَيْهِ وَعِنْدَ فَقْدِهٖ يُعَالِجُ بِالْاِصْبَعِ
اور مسواک کرنا (بھی مسنون ہے) کیونکہ حضور اقدس ﷺ اس پر مواظبت فرماتے تھے اور مسواک گم ہونے کی صورت میں انگلی سے کام چلائے
لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَ كَذٰلِكَ
اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس طرح کیا ہے

تیسری سنت

تشریح:۔ فرمایا کہ مسواک کرنا بھی سنت ہے دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مسواک استعمال کرنے پر مداومت فرمائی ہے الا یہ کہ کبھی کبھار ترک کر دیا ہو۔ اور اگر مسواک نہ ہو تو دائیں ہاتھ کی انگلی سے دانت مانجھے۔ اس لئے کہ یہ بھی آنحضرت ﷺ سے

ثابت ہے۔ مواظبت مع الترک سنت کی دلیل ہے اور بلا ترک مواظبت کرنا دلیل وجوب ہے۔ اور ترک مسواک پر دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب ایک گاؤں والے کو وضو اور نماز کی تعلیم دی تو اس میں تعلیم مسواک منقول نہیں ہے۔ اگر مسواک کرنا واجب ہوتا تو آپ ﷺ اس کو مسواک کرنے کی تعلیم ضرور فرماتے (عنایہ) اور مسواک نہ ہونے کی صورت میں انگلی مسواک کے قائم مقام ہوگی اس پر دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: يُجْزِئُ مِنَ السِّوَاكِ الْاَصَابِعُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ یعنی انگلیاں مسواک کی مکافات کردیتی ہیں۔

اور طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہے: قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلرَّجُلُ يَذْهَبُ فُوْهُ يَسْتَاكُ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ كَيْفَ يَصْنَعُ قَالَ يُدْخِلُ اِصْبَعَهُ فِيْ فِيْهِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول جس شخص کے منہ میں دانت نہ ہوں وہ بھی مسواک کریگا، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں نے پوچھا کیسے کریگا، آپ نے فرمایا کہ اپنی انگلی اپنے منہ میں داخل کرے۔ (فتح القدیر، شرح نقایہ)

واضح ہو کہ سنیت مسواک میں تین قول ہیں۔ اول یہ کہ مسواک سنت وضو ہے کیونکہ نسائی نے حدیث ابی ہریرہ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ روایت کی ہے یعنی اگر میری اُمت پر شاق نہ ہوتا تو میں ان کو ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔ اور ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ اِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ لَا يَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ اَوْ نَهَارٍ فَيَسْتَيْقِظُ اِلَّا تَسَوَّكَ قَبْلَ اَنْ يَتَوَضَّأَ یعنی حضور ﷺ دن یا رات میں جب سو کر جاگتے تو وضو کرنے سے پہلے ضرور مسواک کر لیتے۔

دوم یہ کہ مسواک سنت نماز ہے دلیل حدیث ابوہریرہ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ یا مَعَ كُلِّ صَلٰوةٍ ہے رَوَاهُ السِّتَّةُ۔

سوم یہ کہ مسواک سنت دین ہے یہ قول اقوی اور امام ابوحنیفہؒ سے بھی منقول ہے۔ دلیل ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس کو ترمذی نے ذکر کیا: اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ اَلْخِتَانُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَالنِّكَاحُ یعنی چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں ختنہ، تعطر، مسواک اور نکاح۔ اور حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے کہ دس چیزیں فطرت سے ہیں اور ان میں مسواک کو شمار کیا ہے۔

احادیث میں مسواک کے بہت سے فضائل مروی ہیں۔ مسند احمد میں مروی ہے اِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَالَ صَلٰوةٌ بِسِوَاكٍ اَفْضَلُ مِنْ سَبْعِيْنَ صَلٰوةً بِغَيْرِ سِوَاكٍ مسواک کے ساتھ ایک نماز بغیر مسواک کے نماز سے ستر گونہ ثواب میں زائد ہے۔ استقراء اور تتبع سے پانچ جگہ مسواک کا استحباب ثابت ہوا ہے۔

(۱) جب دانت زرد ہوں (۲) منہ سے بو متغیر ہو (۳) نیند سے اُٹھے (۴) جب نماز کو کھڑا ہو (۵) وضو کے وقت۔

فوائد:۔ مسواک نرم، انگلی کی مقدار موٹی اور ایک بالشت لمبی ہو، اور سیدھی ہونی چاہیے اس میں گرہیں کم ہوں، تلخ درخت کی ہو، تا کہ قاطع بلغم ہو، منقی صدر ہو اور کھانا جلد ہضم کرے۔

اور مسواک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسواک عرضاً بھی کرے اور طولاً بھی، اور اگر ایک پر اکتفاء کرنا چاہے تو صرف طولاً کرے اور بعض نے کہا کہ عرضاً کرنے نہ کہ طولاً واضح ہو کہ دانتوں کا عرض منہ کا طول ہوگا (شرح نقایہ)۔

وَالْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ لِاَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَهُمَا عَلَى الْمُوَاظَبَةِ وَكَيْفِيَّتُهُمَا
اور کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا (بھی مسنون ہے) اس لئے کہ حضور ﷺ نے ان دونوں کو مداومت کے ساتھ کیا ہے اور ان دونوں کی
اَنْ يُمَضْمِضَ ثَلٰثًا يَاْخُذُ لِكُلِّ مَرَّةٍ مَاءً جَدِيْدًا ثُمَّ يَسْتَنْشِقُ كَذٰلِكَ هُوَ الْمَحْكِيُّ مِنْ وُضُوْئِهِ ﷺ
کیفیت یہ ہے کہ تین بار کلی کرے ہر بار نیا پانی لے، پھر اسی طرح ناک میں پانی ڈالے۔ حضور ﷺ کے وضو سے یہی نقل کیا گیا ہے۔

کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا مسنون ہے

تشریح:۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی وضو میں مسنون ہے اور ان دونوں میں مبالغہ کرے۔ پس کلی کرنے میں مبالغہ یہ ہے کہ تمام منہ میں پانی پہنچ جائے اور شیخ الاسلام نے فرمایا کہ کلی کرنے میں مبالغہ یہ ہے کہ غرغرہ کرے یعنی انتہاء حلق تک پانی پہنچائے بشرطیکہ یہ شخص روزہ دار نہ ہو۔ اور شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ مبالغہ یہ ہے کہ پانی منہ کی ایک جانب سے دوسری جانب نکالے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ یہ ہے کہ پانی ناک کے بانسہ تک پہنچ جاوے۔ اور کہا گیا کہ ناک میں پانی ڈال کر اوپر کو سانس لے تا کہ پانی اوپر چڑھ جائے۔

کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے مسنون ہونے پر دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے دونوں پر ہیشگی فرمائی ہے چنانچہ ۲۲ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کا وضو حکایت کیا ہے اور تمام نے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بیان کیا ہے مگر عدد کے بارے میں بعض نے سکوت کیا اور بعض نے ذکر کیا کہ آپ نے ایک ایک مرتبہ کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور بعض نے تین تین مرتبہ کا ذکر کیا ہے۔ ۲۲ صحابہ یہ ہیں (۱) عبداللہ بن زید (۲) عثمان (۳) ابن عباس (۴) مغیرہ (۵) علی ابن ابی طالب (۶) مقدام بن معدیکرب (۷) ابو مالک اشعری (۸) ابو بکر (۹) ابو ہریرہ (۱۰) وائل بن حجر (۱۱) جبیر بن نفیر (۱۲) ابو امامہ (۱۳) انس (۱۴) ابو ایوب انصاری (۱۵) کعب بن عمرو الیمانی (۱۶) عبداللہ بن ابی اوفی (۱۷) براء بن عازب (۱۸) ابو کامل قیس بن عائذ (۱۹) ربیع بنت معوذ (۲۰) عائشہ (۲۱) عبداللہ بن انیس (۲۲) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم (فتح القدیر، حاشیہ شرح نقایہ)۔

صاحب ہدایہؒ نے مواظبت کے ساتھ مع الترک کا ذکر نہیں کیا ہے حالانکہ وضو میں مضمضہ اور استنشاق کا ترک ثابت ہے

دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک اعرابی کو وضو کی تعلیم دی مگر اس میں مضمضہ اور استنشاق کا ذکر نہیں کیا۔ نیز حضرت عائشہؓ نے حضور اقدس ﷺ کا وضو حکایت کیا مگر آپ نے مضمضہ اور استنشاق کا ذکر نہیں کیا۔ پس جب ان دونوں کا احیاناً ترک ثابت ہے تو یہ دونوں باتیں وضو میں مسنون ہوں گی نہ کہ واجب اور فرض جیسا کہ اہل حدیث نے مواظبت نبی ﷺ سے استدلال کر کے ان دونوں کو غسل جنابت اور وضو میں فرض قرار دیا ہے نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوفاً اور مرفوعاً حدیث مروی ہے کہ هُمَا سُنَّتَانِ فِي الْوُضُوْءِ وَاجِبَانِ فِي الْغُسْلِ یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا وضو میں سنت اور غسل میں واجب ہیں (عنایہ، کفایہ)۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی کیفیت یہ ہے کہ پہلے تین بار کلی کرے اور ہر بار نیا پانی استعمال کرے پھر اسی طرح تین بار ناک میں پانی ڈالے اور ہر بار نیا پانی استعمال کرے۔ کیونکہ حضور ﷺ سے وضو کرنا اسی طرح منقول ہے۔ لیکن امام شافعی نے فرمایا ہے کہ ایک بار پانی لے کر اس سے کلی کرے اور ناک میں ڈالے کیونکہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کا وضو بیان فرمایا اور ایک مرتبہ پانی لے کر کلی کی اور اسی سے استنشاق کیا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کے لئے ایک بار پانی لینا کافی ہوگا۔ (شرح نقایہ)

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی کبھی بیان جواز کیلئے ایسا کیا ہے ورنہ افضل وہی ہے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے۔

صاحب عنایہؒ نے جواب میں فرمایا ہے کہ منہ اور ناک الگ الگ دو عضو ہیں لہٰذا ایک پانی کے ساتھ ان دونوں کو جمع نہیں کیا جائے گا جیسے دوسرے اعضاء ہیں کہ ان میں سے دو کو ایک پانی کے ساتھ جمع نہیں کیا جاتا ایسے ہی منہ اور ناک کو بھی جمع نہیں کیا جائے گا۔

فوائد:۔ صاحب شرح نقایہ نے لکھا ہے کہ جس طرح مضمضہ اور استنشاق مسنون ہیں اسی طرح مضمضہ کو استنشاق پر مقدم کرنا بھی مسنون ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مضمضہ اور استنشاق میں سے ہر ایک کو دائیں ہاتھ سے کرے اور بعض نے کہا کہ استنشاق بائیں ہاتھ سے کرے مگر صحیح یہ ہے کہ ناک میں پانی تو دائیں ہاتھ سے داخل کرے مگر اس کو جھاڑے بائیں ہاتھ سے۔

وَمَسْحُ الْاُذُنَيْنِ وَهُوَ سُنَّةٌ بِمَاءِ الرَّأْسِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ
اور دونوں کانوں کا مسح کرنا (سنت ہے) اور یہ سر کے پانی سے مسنون ہے بخلاف امام شافعیؒ کے اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کا قول ہے
اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ وَالْمُرَادُ بَيَانُ الْحُكْمِ دُوْنَ الْخِلْقَةِ
اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ اور مقصد حکم کو بیان ہے نہ کہ پیدائش کا

پانچویں سنت

تشریح:۔ وضو کی سنتوں میں سے دونوں کانوں کا مسح کرنا بھی ہے۔ کانوں کے مسح کا طریقہ علامہ حلوانی اور شیخ الاسلام رحمہما اللہ

کے قول کے مطابق یہ ہے کہ اپنی خنصر (چھنگلی) کانوں میں داخل کر کے حرکت دے۔ اور فرمایا کہ حضور ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اور ابن ماجہ میں اسناد صحیح کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَسَحَ اُذُنَيْهِ فَاَدْخَلَهُمَا السَّبَابَتَيْنِ وَخَالَفَ اِبْهَامَيْهِ اِلٰى ظَاهِرِ اُذُنَيْهِ فَمَسَحَ ظَاهِرَهُمَا وَبَاطِنَهُمَا یعنی حضور ﷺ نے اپنے دونوں کانوں کا مسح کیا پس اپنی دونوں شہادت کی انگلیاں دونوں کانوں میں داخل کیں اور دونوں انگوٹھوں کو کانوں کے اوپر پھیرا۔ پس کانوں کے ظاہر و باطن کا مسح فرمایا یہی اولیٰ ہے۔ (فتح القدیر)۔

کانوں کا مسح ہمارے نزدیک سر کے پانی کے ساتھ مسنون ہے۔ اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ نیا پانی لے کر کانوں کا مسح کرنا سنت ہے ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو حاکم نے روایت کیا کہ حبان بن واسع رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے والد نے بیان کیا اِنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ زَيْدٍ يَذْكُرُ اَنَّهُ رَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ فَاَخَذَ لِاُذُنَيْهِ مَاءً خِلَافَ الْمَاءِ الَّذِيْ اَخَذَ لِرَأْسِهٖ یعنی عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ذکر کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے حضور ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا سو آپ ﷺ نے کانوں کا مسح کرنے کیلئے اس پانی کے علاوہ پانی لیا جو سر کا مسح کرنے کیلئے لیا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کانوں کا مسح کرنے کیلئے نیا پانی لینا مسنون ہے۔

ہماری دلیل حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے: اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ اور اس حدیث سے مراد حکم بیان کرنا ہے یعنی سر اور کان دونوں کا حکم ایک ہے پیدائش کو بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ آپ کی بعثت احکام بیان کرنے کے واسطے ہوئی ہے موجودات کے حقائق بیان کرنے کیلئے آپ کو مبعوث نہیں کیا گیا۔

لیکن اگر کوئی سوال کرے کہ جب سر اور کان دونوں کا حکم ایک ہے تو دونوں کانوں پر مسح کرنا سر کے مسح کے قائم مقام ہو جانا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ سر کے مسح کو وجوب دلیل قطعی سے ثابت ہے اور کانوں کا مسح خبر واحد سے ثابت ہے جو مسنون ہے اور مسنون سے فرض ادا نہیں ہو سکتا۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا اَلْحَطِيْمُ مِنَ الْبَيْتِ یعنی حطیم کعبہ، کعبہ میں داخل ہے حتیٰ کہ جس طرح بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے اسی طرح حطیم کعبہ کا طواف بھی کیا جائیگا لیکن صرف حطیم کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ وجوب صلوٰۃ الی الکعبہ دلیل قطعی سے ثابت ہے اور حطیم کا داخل کعبہ ہونا خبر واحد سے ثابت ہے اور خبر واحد پر عمل اس وقت واجب ہے ہوگا جبکہ دلیل قطعی پر عمل باطل نہ ہو اور اگر خبر واحد پر عمل کرنے سے دلیل قطعی پر عمل باطل ہو جاتا ہے تو خبر واحد پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس کو حاکم، ابن خزیمہ اور ابن حبان رحمہم اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اِنَّهُ

قَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِوُضُوْءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَفِیْہِ ثُمَّ غَرَفَ غُرْفَۃً فَمَسَحَ بِھَا رَأْسَہٗ وَاُذُنَیْہِ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو رسول اللہ ﷺ کے وضو سے آگاہ نہ کروں (پھر تمام وضو ذکر کیا) جس میں یہ ہے کہ پھر ایک چلو پانی لے کر اس سے اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہوا کہ کانوں کا مسح کرنے کیلئے ماء جدید کی ضرورت نہیں، واللہ اعلم۔

قَالَ وَتَخْلِیْلُ اللِّحْیَۃِ لِاَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَمَرَہٗ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِذٰلِکَ وَقِیْلَ ھُوَ
کہا اور داڑھی کا خلال کرنا (بھی سنت ہے) کیونکہ جبرئیلؑ نے حضور ﷺ کو اس (تخلیل لحیہ) کا حکم کیا تھا اور کہا گیا کہ یہ
سُنَّۃٌ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ رحمہ اللہ تعالی جَائِزٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَھُمَا اللّٰہُ لِاَنَّ السُّنَّۃَ اِکْمَالُ الْفَرْضِ فِیْ مَحَلِّہٖ
ابو یوسفؒ کے نزدیک سنت ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ سنت تو فرض کا اس کے محل میں پورا کرنا ہے
وَالدَّاخِلُ لَیْسَ بِمَحَلِّ الْفَرْضِ
اور (داڑھی کا) اندرون محل فرض نہیں ہے۔

چھٹی سنت، داڑھی کا خلال سنت ہے یا نہیں؟

تشریح:۔ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ داڑھی کا خلال کرنا بھی سنت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو داڑھی کے خلال کرنے کا حکم کیا تھا۔ صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ نَزَلَ عَلَیَّ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اُخَلِّلَ لِحْیَتِیْ اِذَا تَوَضَّأْتُ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل نے آکر کہا کہ جب میں وضو کروں تو اپنی داڑھی کا خلال کر لیا کروں۔

اور ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یُخَلِّلُ لِحْیَتَہٗ یعنی حضور ﷺ اپنی داڑھی کا خلال فرماتے تھے۔ اور حدیث انسؓ ہے۔ قَالَ کَانَ عَلَیْہِ وَالسَّلَامُ اِذَا تَوَضَّأَ خَلَّلَ لِحْیَتَہٗ یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب وضو کرتے تو اپنی داڑھی کا خلال کرتے۔ (رواہ البزار)

اور بعض حضرات نے کہا کہ داڑھی کا خلال کرنا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سنت ہے اور طرفین رحمہا اللہ کے نزدیک جائز ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ سنت وضو میں یہ ہے کہ اس کے محل میں فرض کو مکمل کیا جائے اور داڑھی کا اندرونی حصہ فرض کا محل نہیں ہے کیونکہ بالاتفاق اندرون حصہ میں پانی پہنچانا واجب نہیں ہے۔ پس جب داڑھی کا اندرون حصہ محل فرض نہیں تو اس کا پورا کرنا سنت بھی نہیں ہوگا اور چونکہ حضور ﷺ سے خلال کرنا ثابت ہے اس لئے بدعت بھی نہیں ہوگا۔ حاصل یہ کہ جب نہ سنت ہے اور نہ بدعت تو جائز ہوگا۔

وَتَخْلِیْلُ الْاَصَابِعِ لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ خَلِّلُوْا اَصَابِعَکُمْ کَیْ لَا تَتَخَلَّلَھَا نَارُ جَھَنَّمَ
اور انگلیوں کا خلال کرنا (مسنون) ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنی انگلیوں کا خلال کرو تا کہ ان کے درمیان جہنم کی آگ نہ داخل ہووے

وَلِاَنَّهٗ اِكْمَالُ الْفَرْضِ فِيْ مَحَلِّهٖ
اور اس لئے کہ یہ فرض کا اپنے محل میں پورا کرنا ہے

ساتویں سنت

تشریح:۔ وضو کی سنتوں میں، ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کا خلال کرنا بھی ہے ہاتھوں کی انگلیوں میں خلال کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پنجہ کرنے کے مانند ڈالے۔ اور شرح نقایہ میں لکھا ہے کہ اولی یہ ہے کہ دائیں ہتھیلی کا باطن بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھے اور پھر بائیں ہتھیلی کا باطن دائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھے۔ اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرنے کی کیفیت یہ ہے کہ اپنا بایاں ہاتھ اپنے دائیں پاؤں کے نیچے رکھ کر چھنگلی انگلی، انگلیوں کے درمیان میں داخل کرے دائیں پاؤں کی چھنگلی سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کردے (شرح نقایہ)۔

دلیل ایک تو یہی حدیث ہے جس کو صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ دوم ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ اَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو وضو کرے تو اپنے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کا خلال کرلیا کر۔

اور طبرانی میں ہے:۔ مَنْ لَّمْ يُخَلِّلْ اَصَابِعَهٗ بِالْمَاءِ خَلَّلَهَا اللّٰهُ بِالنَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی جو شخص اپنی انگلیوں کے درمیان پانی داخل نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان آگ داخل کریگا۔

علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ صاحب فتح القدیر نے کہا کہ احادیث تخلیل میں سب سے زیادہ مناسب وہ حدیث ہے جس کو لَقِيْطِ بْنِ صَبِرَةَ ؓ نے سنن اربعہ میں روایت کیا ہے۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْاَصَابِعِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو وضو کرے تو اسباغ کر اور انگلیوں کے درمیان خلال کر۔

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ ان تمام احادیث میں خلال کرنے کا حکم امر کے صیغہ سے کیا گیا ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے پس انگلیوں کا خلال واجب ہونا چاہیے تھا نہ کہ سنت۔

جواب:۔ اگر انگلیوں کے درمیان پانی نہ پہنچے تو انگلیوں کے درمیان خلال کرنا اور پانی پہنچانا واجب ہے اور اگر انگلیوں کے درمیان پانی پہنچ گیا تو خلال کرنا سنت ہے۔ حضرت مولانا عبدالحئی ؒ نے جواب دیا ہے کہ صیغہ امر کی وجہ سے انگلیوں کا خلال واجب ہونا چاہیے تھا مگر چونکہ وضو میں کوئی واجب نہیں ہے اس لئے خلال واجب نہیں ہوگا۔ اور وضو میں واجب اس لئے نہیں کہ وضو نماز کی شرط ہے لہٰذا وضو نماز کے تابع ہوگا پس اگر وضو میں واجب مان لیا جائے تو تابع اصل کے برابر ہو جائے گا۔ اور یہ کسی طرح بھی

مناسب نہیں ہے۔ دوسری دلیل عقلی یہ ہے کہ ہاتھوں اور پیروں کا دھونا فرض ہے اور خلال کرنے سے محل فرض میں اکمال ہوتا ہے اور وضو میں جس چیز سے فرض کا اکمال اس کے محل میں ہو وہ چیز سنت ہوتی ہے اس وجہ سے تخلیل اصابع سنت ہوگا۔

وَتَكْرَارُ الْغَسْلِ إِلَى الثَّلٰثِ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً وَقَالَ هٰذَا وُضُوْءٌ لَا يَقْبَلُ
اور دھونے کو تین تک تکرار کرنا (مسنون) ہے اس لئے کہ نبی علیہ السلام نے ایک ایک بار وضو کیا اور فرمایا کہ یہ ایسا وضو ہے کہ اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ تَعَالَى الصَّلٰوةَ إِلَّا بِهِ وَتَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ وَقَالَ هٰذَا وُضُوْءُ مَنْ يُضَاعِفُ اللّٰهُ لَهُ الْأَجْرَ مَرَّتَيْنِ
نماز کو اسکے بغیر قبول نہیں کرتے، اور دو دو بار وضو کیا، اور فرمایا کہ یہ اس شخص کا وضو ہے کہ جس کیلئے اللہ تعالیٰ ثواب کو دوگنا کر دیتا ہے
وَتَوَضَّأَ ثَلٰثًا وَقَالَ هٰذَا وُضُوْئِيْ وَوُضُوْءُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِيْ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا أَوْ نَقَصَ فَقَدْ
اور تین تین بار وضو کیا اور فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا وضو ہے۔ پس جس نے اس پر زیادتی کی یا کمی کی تو
تَعَدّٰى وَظَلَمَ وَالْوَعِيْدُ لِعَدَمِ رُؤْيَتِهِ سُنَّةً.
اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا اور وعید تین مرتبہ کو سنت نہ جاننے کی وجہ سے ہے

تکرار غسل بھی مسنون ہے

تشریح:۔ وضو کی سنتوں میں سے اعضاء مغسولہ کو تین تین بار دھونا بھی ہے۔ دھونے کی قید لگا کر اس طرف اشارہ کیا کہ تکرار مسح مسنون نہیں ہے۔ واضح ہو کہ بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ پہلی مرتبہ دھونا فرض ہے اور دوسری بار دھونا سنت ہے اور تیسری بار دھونا سنت کا اکمال (پورا کرنا) ہے اور بعض نے کہا کہ دوسری اور تیسری بار دھونا سنت ہے اور بعض نے کہا کہ دوم سنت اور سوم نفل ہے۔ اور بعض نے کہا کہ دوسری بار دھونا نفل اور تیسری بار دھونا سنت ہے اور ابو بکر اسکاف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ تین کے مجموعہ سے فرض واقع ہوگا۔ جیسے قیام یا رکوع کو اگر طویل کر دیا جائے تو وہ کل کا کل فرض ہی شمار ہوگا۔

تکرار غسل الی الثلث کے مسنون ہونے پر ایک حدیث تو صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک ایک بار اعضاء کو دھونے کے بعد فرمایا کہ اس کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی، اور دو دو بار دھو کر فرمایا کہ یہ وضو ایسا ہے جس پر دوگنا اجر ملے گا۔ اور تین تین بار دھو کر فرمایا کہ یہ میرا اور انبیاء سابقین علیہم السلام کا وضو ہے۔ اور یہ وعید بھی فرمائی کہ جس نے اس پر اضافہ کیا اس نے حد سے تجاوز کیا اور جس نے کمی کی اس نے ظلم کیا۔ حدیث میں تعدی کا لفظ زاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ظلم کا تعلق نقص کا ساتھ ہے اور ظلم کے معنی بھی کم کرنے کے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا یعنی لَمْ تَنْقُصْ۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وعید اس وقت ہے جبکہ یہ اعتقاد کیا کہ کامل سنت تین مرتبہ سے حاصل نہیں ہوتی

تو اس نے تعدی اور ظلم کیا۔ اور اگر شک کی صورت میں اطمینان قلب کیلئے تین مرتبہ اضافہ کیا یا ضرورت کی وجہ سے تین بار سے کم دھویا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بذات خود کبھی تین تین مرتبہ دھویا اور کبھی دو دو بار اور کبھی ایک ایک بار۔

تکرار غسل الی الثلث کا مسنون ہونا اس حدیث سے بھی ثابت ہے جس کو ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحہم اللہ نے روایت کیا حدیث یہ ہے۔ **عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَجُلاً اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ الطُّهُوْرُ فَدَعَا بِمَاءٍ فِیْ اِنَاءٍ فَغَسَلَ کَفَّیْهِ ثَلاثًا فَذَکَرَ صِفَةَ الْوُضُوْءِ ثَلاثًا ثَلاثًا اِلاَّ الرَّاْسَ ثُمَّ قَالَ هٰکَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰی هٰذَا اَوْنَقَصَ فَقَدْ اَسَاءَ وَظَلَمَ اَوْظَلَمَ وَاَسَاءَ** اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے **فَقَدْ تَعَدّٰی وَظَلَمَ** اور نسائی کی روایت میں ہے **فَقَدْ اَسَاءَ وَتَعَدّٰی وَظَلَمَ**۔

قَالَ وَیُسْتَحَبُّ لِلْمُتَوَضِّیِٔ اَنْ یَّنْوِیَ الطَّهَارَةَ فَالنِّیَّةُ فِی الْوُضُوْءِ سُنَّةٌ عِنْدَنَا وَعِنْدَالشَّافِعِیِّ
فرمایا اور متوضی کیلئے مستحب ہے کہ طہارت کی نیت کرے پس ہمارے نزدیک نیت وضو میں سنت ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک
فَرْضٌ لِاَنَّهٗ عِبَادَةٌ فَلَا یَصِحُّ بِدُوْنِ النِّیَّةِ کَالتَّیَمُّمِ وَلَنَا اَنَّهٗ لَا یَقَعُ قُرْبَةً اِلَّا بِالنِّیَّةِ وَلٰکِنَّهٗ یَقَعُ مِفْتَاحًا
فرض ہے کیونکہ وضو عبادت ہے پس یہ عبادت بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوگی جیسے تیمم اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وضو کا ثواب نہ ہوگا مگر نیت کے ساتھ لیکن یہ وضو نماز کے لئے مفتاح (آلہ ذریعہ)
لِلصَّلٰوةِ لِوُقُوْعِهٖ طَهَارَةً بِاسْتِعْمَالِ الْمُطَهِّرِ بِخِلَافِ التَّیَمُّمِ لِاَنَّ التُّرَابَ غَیْرُ مُطَهِّرٍ اِلَّا
ہو جاتا ہے کیونکہ وہ پاک کرنے والے پانی کے استعمال سے طہارت ہو گیا بخلاف تیمم کے اس لئے کہ مٹی پاک کرنے والی نہیں مگر
فِیْ حَالِ اِرَادَةِ الصَّلٰوةِ اَوْ هُوَ یُنْبِئُ عَنِ الْقَصْدِ
ارادہ نماز کی حالت میں یا تیمم قصد کی خبر دیتا ہے

مستحبات وضو، نیت کا حکم...... اقوال فقہاء

تشریح:۔ نیت یہ ہے کہ دل سے وضو کا ارادہ کرے یا حدث دور کرنے کا ارادہ کرے یا ایسی عبادت کا قصد کرے جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہو۔ وضو کی نیت کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ علماء احناف رحہم اللہ کے نزدیک وضو میں نیت کرنا مسنون ہے اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحہم اللہ کے نزدیک فرض ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ** ہے یعنی اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور وضو بھی ایک عمل ہے لہٰذا یہ بھی نیت پر موقوف ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ وضو ایک عبادت ہے اور عبادت بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ** اور اخلاص

بغیر نیت کے ممکن نہیں ہوتا اس لئے ہم نے کہا کہ کوئی عبادت بغیر نیت کے معتبر نہ ہوگی جیسے تیمم میں بالاتفاق نیت فرض ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے وضو کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے اس کو نیت کی تعلیم نہیں دی (شرح نقایہ) اس سے معلوم ہوا کہ نیت وضو میں فرض نہیں ہے ورنہ آپ ﷺ اس کو نیت کی تعلیم ضرور فرماتے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ وضو نماز کی شرط ہے اور نماز کی باقی شرطیں نیت کی محتاج نہیں ہیں لہٰذا وضو بھی محتاج نیت نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ کی پیش کردہ دلیل درحقیقت امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ہے۔ حاصل دلیل یہ ہے کہ بلاشبہ وضو کا عبادت ہونا بغیر نیت کے نہیں ہو سکتا۔ لیکن وضو بغیر نیت کے مفتاح صلوٰۃ ہو سکتا ہے کیونکہ نماز کی مفتاح طہارت ہے اور طہارت نیت اور بغیر نیت دونوں طرح متحقق ہو جاتی ہے اس لئے کہ پانی اپنی ذات سے پاک کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لہٰذا پاک کرنے والے پانی کے استعمال سے وضو کا طہارت ہونا واقع ہو گیا خواہ طہارت کی نیت کرے یا نیت نہ کرے۔

بِخِلَافِ التَّيَمُّمِ اِلَخ سے امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ وضو کو تیمم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ وضو پانی سے ہوتا ہے اور پانی بذاتہ پاک کرنے والا ہے اور تیمم مٹی سے ہوتا ہے مٹی بذاتہ پاک کرنے والی نہیں ہے مگر ارادہ صلوٰۃ کی حالت میں پس مٹی سے پاک کرنا امر تعبدی (خلاف قیاس) ہے اور امور تعبدیہ نیت کے محتاج ہوتے ہیں اس وجہ سے تیمم پر قیاس کرنا درست نہیں ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ تیمم کے لغوی معنی قصد اور ارادے کے ہیں اور امور شرعیہ میں معنی لغوی ملحوظ ہوتے ہیں اس لئے تیمم میں نیت اور قصد کی شرط لگائی گئی ہے۔

اور حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اعمال سے مراد عبادات ہیں کیونکہ بہت سے مباحات شرعاً بغیر نیت کے معتبر ہوتے ہیں مثلاً نکاح، طلاق بلکہ طاعات مستقلہ مراد ہیں۔ اور وضو طاعت مستقلہ نہیں ہے بلکہ نماز کیلئے وسیلہ ہے۔

اور صاحب شرح وقایہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اعمال سے پہلے لفظ ثواب مقدر ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے اور نفس عمل نیت پر موقوف نہیں ہے۔

وَيَسْتَوْعِبُ رَأْسَهُ بِالْمَسْحِ وَهُوَ السُّنَّةُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ اَلسُّنَّةُ هُوَ التَّثْلِيْثُ بِمِيَاهٍ مُخْتَلِفَةٍ
اور اپنے تمام سر کو مسح کے ساتھ گھیرے۔ اور یہی سنت ہے اور امام شافعیؒ نے عضو مغسول پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا کہ سنت تو مختلف پانیوں کے ساتھ
اِعْتِبَارًا بِالْمَغْسُوْلِ وَلَنَا اَنَّ اَنَسًا تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَاْسِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَقَالَ هٰذَا وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ
تین مرتبہ (مسح کرنا ہے) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ انسؓ نے تین تین مرتبہ وضو کیا (لیکن) اپنے سر کا مسح ایک مرتبہ کیا اور فرمایا کہ یہ
عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالَّذِيْ يُرْوٰى مِنَ التَّثْلِيْثِ مَحْمُوْلٌ عَلَيْهِ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَهُوَ مَشْرُوْعٌ عَلٰى
رسول اللہ ﷺ کا وضو ہے اور وہ جو تین مرتبہ (مسح کرنا) روایت کیا جاتا ہے تو وہ ایک پانی کے ساتھ تین مرتبہ پر محمول ہے۔ اور یہ اس بنا پر مشروع ہے

مَارُوِیَ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَلِاَنَّ الْمَفْرُوْضَ هُوَ الْمَسْحُ وَبِالتَّکْرَارِ یَصِیْرُ غَسْلًا فَلَا یَکُوْنُ مَسْنُوْنًا فَصَارَ
جو ابوحنیفہؒ سے مروی ہے اور اس لئے کہ فرض تو مسح ہے اور تکرار کے ساتھ وہ غسل ہو جائے گا تو ایسا مسح مسنون نہ ہوگا۔ پس سر کا
کَمَسْحِ الْخُفِّ بِخِلَافِ الْغَسْلِ لِاَنَّهٗ لَا یَضُرُّهُ التَّکْرَارُ
مسح موزے کے مسح کے مانند ہو گیا بخلاف غسل کے اس لئے کہ تکرار غسل کو مضر نہیں ہے

استیعاب راُس کا حکم......اقوال فقہاء

تشریح۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پورے سر کا مسح کرنا بھی مسنون ہے۔ پورے سر کا مسح کرنے کی کیفیت یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیاں اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اول تر کرے پھر دونوں ہاتھوں کی تین تین انگلیاں سر کے اگلے حصہ پر رکھے اور دونوں انگوٹھوں اور شہادت کی انگلیوں اور ہتھیلی کو جدا رکھے، پھر ان کو کھینچ کر پیچھے کی طرف لے جائے پھر دونوں ہتھیلیوں کو سر کے دونوں طرف سے کھینچتا ہوا آگے کی طرف لے آئے پھر دونوں انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے ظاہر کا اور دونوں شہادت کی انگلیوں سے دونوں کانوں کے باطن کا مسح کرے (فتح القدیر) اور نہایہ میں اتنی زیادتی ہے کہ دونوں ہاتھوں کے ظاہر سے اپنی گردن (گدی) کا مسح کرے۔

بہر حال ہمارے نزدیک ایک مرتبہ پورے سر کا مسح کرنا مسنون ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مختلف تین پانیوں سے تین مرتبہ پورے سر کا مسح کرنا مسنون ہے۔ امام شافعیؒ سر کے مسح کو عضو مغسول پر قیاس کرتے ہیں یعنی جس طرح منہ اور ناک کے اندر کا تین مرتبہ دھونا مسنون ہے اسی طرح پورے سر کا تین مرتبہ مسح کرنا بھی مسنون ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کیا تین تین مرتبہ اور مسح کیا ایک مرتبہ، اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا وضو ہے۔ اور رہی وہ حدیث کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کا وضو حکایت کیا اس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تین تین مرتبہ اعضا کو دھویا اور تین مرتبہ مسح کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک پانی سے تین مرتبہ مسح کیا اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی مشروع ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ فرض تو مسح کرنا ہے اور تکرار کی وجہ سے مسح غسل ہو جائے گا اور یہ کتاب، سنت اور اجماع سب کے خلاف ہے اس لئے مسح میں تکرار مسنون نہیں ہوگا۔ پس سر کا مسح موزے کے مسح کے مانند ہو گیا یعنی جس طرح موزے کے مسح میں تثلیث مسنون نہیں اسی طرح سر کے مسح میں بھی تثلیث مسنون نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف غسل کہ وہ تکرار کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتا یعنی تکرار کے باوجود غسل، غسل ہی رہے گا اس لئے غسل میں تکرار الی الثلث مسنون ہے۔

وَیُرَتِّبُ الْوُضُوْءَ فَیَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِذِکْرِهٖ وَبِالْمَیَامِنِ وَالتَّرْتِیْبُ فِی الْوُضُوْءِ سُنَّةٌ
اور وضو مرتب کرے، پس اس عضو سے شروع کرے جس کے ذکر سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا اور (شروع کرے) داہنے سے اور ہمارے نزدیک وضو میں ترتیب

عِنْدَنَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ فَرْضٌ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ اَلْآيَةَ وَالْفَاءُ لِلتَّعْقِيْبِ وَلَنَا
سنت ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ الآیۃ اور فاء تعقیب کے لئے ہے اور ہماری دلیل یہ ہے
اَنَّ الْمَذْكُوْرَ فِيْهَا حَرْفُ الْوَاوِ وَهِيَ لِمُطْلَقِ الْجَمْعِ بِاِجْمَاعِ اَهْلِ اللُّغَةِ فَتَقْتَضِيْ اِعْقَابَ غَسْلِ جُمْلَةِ الْاَعْضَاءِ
کہ مذکورہ آیت میں حرف واؤ ہے وہ باتفاق اہل لغت مطلق جمع کے لئے ہے۔ پس تقاضا کرے گا تمام اعضاء دھونے کے بعد میں ہونے کا
وَالْبِدَايَةُ بِالْمَيَامِنِ فَضِيْلَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُحِبُّ التَّيَامُنَ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ
اور دائیں سے ابتداء کرنا افضل ہے اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں تیامن کو پسند فرماتے ہیں
حَتّٰى التَّنَعُّلِ وَالتَّرَجُّلِ
حتیٰ کہ جوتا پہننے اور کنگھا کرنے میں

ترتیب اور دائیں طرف سے وضو شروع کرنے کا حکم

تشریح:۔ اس عبارت میں دو مسئلے زیر بحث ہیں (۱) مسئلہ ترتیب (۲) ابتداء بالتیامن۔ وضو کے اعضاء مفروضہ کے درمیان ترتیب کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ چنانچہ علماء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک وضو کے اعضاء مفروضہ کے درمیان ترتیب مسنون ہے اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک فرض ہے۔ ان حضرات کی دلیل باری تعالیٰ کا قول اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ الآیۃ ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ فاء تعقیب کے لئے آتا ہے اور تعقیب ترتیب کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ تعقیب کے معنی ہیں فاء کے مابعد کا ماقبل پر مرتب ہونا پس آیت سے قیام الی الصلوٰۃ اور غسل وجہ کے درمیان ترتیب ثابت ہوئی اور جب غسل وجہ میں ترتیب ثابت ہوگئی تو باقی دوسرے اعضاء میں بھی ترتیب ثابت ہوگی کیونکہ باقی دوسرے اعضاء غسل وجہ پر معطوف ہیں اور معطوف علی المرتب مرتب ہوتا ہے۔ اس لئے باقی اعضاء میں بھی ترتیب ثابت ہوگی نیز اگر باقی اعضاء میں ترتیب نہ ہوتو وضو کے اعضاء مفروضہ کے درمیان فصل کا قائل ہونا پڑے گا۔ حالانکہ فصل کا کوئی قائل نہیں ہے بلکہ یا تو تمام اعضاء میں ترتیب کا قول ہے یا عدم ترتیب کا۔ اس کا کوئی قائل نہیں کہ بعض اعضاء میں ترتیب ہو اور بعض میں ترتیب نہ ہو۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وضو کے اعضاء مفروضہ کے درمیان واؤ مذکور ہے اور اہل لغت کا اس پر اجماع ہے کہ واؤ مطلق جمع کیلئے آتی ہے۔ پس اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ فاء تعقیب کیلئے ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اعضاء اربعہ کے مجموعہ کا غسل قیام الی الصلوٰۃ پر مرتب ہے۔ پس قیام الی الصلوٰۃ اور اعضاء اربعہ کے مجموعہ کے غسل میں ترتیب ثابت ہوگی نہ کہ اعضاء اربعہ میں۔ حالانکہ کلام اعضاء اربعہ کی ترتیب میں ہے اور اعضاء اربعہ میں واؤ داخل ہے۔ اور وہ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی اس لئے ہم نے کہا کہ وضو کے

اعضاء مغروضہ کے درمیان ترتیب فرض نہیں ہے۔ مگر چونکہ حضور ﷺ نے قرآن کی ذکر کردہ ترتیب کے ساتھ وضو فرمایا ہے۔ اس لئے وضو میں ترتیب مسنون ہوگی نہ کہ فرض۔

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ واؤ کے مطلق جمع کے واسطے ہونے پر صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کا اجماع کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ بعض حضرات واؤ کو مفید ترتیب مانتے ہیں اور بعض مفید قران۔

جواب: ابوعلی فارسی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ نحاۃ کا اس پر اجماع ہے کہ واؤ مطلق جمع کیلئے ہے اور امام النحو سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ۱۷ جگہ ذکر کیا ہے کہ واؤ مطلق جمع کیلئے آتی ہے۔ پس مصنف ہدایہ نے اسی پر اعتماد کر کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور چند لوگوں کا اختلاف مانع اجماع نہیں ہوتا۔

دوسرا مسئلہ ابتداء بالیمین کا ہے۔ سو ہاتھوں اور پیروں کے دھونے میں دائیں سے شروع کرنا افضل اور مستحب ہے۔

صاحب شرح نقایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ مسنون ہے جیسا کہ تحفہ میں ہے۔ کیونکہ ابتداء بالیمین پر حضور ﷺ نے ہمیشگی فرمائی ہے۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا اِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَءُوْا بِمَيَامِنِكُمْ رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ وابن خزیمۃ وابن حبان. یعنی جب تم وضو کرو تو اپنے دائیں سے شروع کرو۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يُحِبُّ التَّيَامُنَ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى التَّنَعُّلِ وَالتَّرَجُّلِ.

اور ایک حدیث میں ہے حَتّٰى فِيْ طُهُوْرِهٖ وَتَنَعُّلِهٖ وَتَرَجُّلِهٖ وَشَانِهٖ كُلِّهٖ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز میں ابتداء بالیمین کو پسند کرتے ہیں حتیٰ کہ وضو میں جوتا پہنے، کنگھی کرنے اور ہر شے میں۔

فَصْلٌ فِي نَوَاقِضِ الْوُضُوْءِ

(یہ) فصل وضو کے نواقض کے بیان میں ہے

اَلْمَعَانِيْ النَّاقِضَةُ لِلْوُضُوْءِ كُلُّ مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيْلَيْنِ لِقَوْلِهٖ

وضو کو توڑنے والی چیزیں ہر وہ چیز ہے جو سبیلین سے نکلتی ہے باری تعالیٰ کے قول

تَعَالٰى اَوْجَاءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ اَلْاٰيَةَ. وَقِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَمَا الْحَدَثُ قَالَ مَا يَخْرُجُ مِنَ

اَوْجَاءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ الآیۃ کی وجہ سے اور رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا حدث کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو سبیلین

السَّبِيْلَيْنِ وَكَلِمَةُ مَا عَامَّةٌ فَتَتَنَاوَلُ الْمُعْتَادَ وَغَيْرَهٗ وَالدَّمُ وَالْقَيْحُ اِذَا خَرَجَا مِنَ الْبَدَنِ فَتَجَاوَزَا اِلٰى

سے نکلے۔ اور کلمہ ما عام ہے لہٰذا معتاد اور غیر معتاد (دونوں) کو شامل ہوگا اور خون اور پیپ (بھی ناقض وضو ہیں) جب دونوں بدن سے نکلیں۔ پھر اس مقام کی

مَوْضِعٍ يَلْحَقُهٗ حُكْمُ التَّطْهِيْرِ وَالْقَيْءُ مِلْأَ الْفَمِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ اَلْخَارِجُ مِنْ غَيْرِ السَّبِيْلَيْنِ لَا يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ

طرف تجاوز کر جائیں جس کو حکم تطہیر لاحق ہے اور قے اس حال میں کہ منہ بھر کر ہو (بھی ناقض ہے) اور امام شافعی نے فرمایا کہ غیر سبیلین سے نکلنے والی

لِمَا رُوِيَ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَاءَ فَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَلِاَنَّ غَسْلَ غَيْرِ مَوْضِعِ الْاِصَابَةِ اَمْرٌ تَعَبُّدِيٌّ فَيَقْتَصِرُ

چیز ناقض وضو نہیں ہے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے قے کی مگر وضو نہیں کیا اور اس لئے کہ موضع نجاست کے علاوہ کا دھونا امر تعبدی ہے پس مورد

عَلٰى مَوْرِدِ الشَّرْعِ وَهُوَ الْمَخْرَجُ الْمُعْتَادُ وَلَنَا قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْوُضُوْءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ

شرع پر منحصر رہے گا اور وہ مخرج معتاد ہے۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر بہنے والے خون سے وضو (واجب) ہے

وَقَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ قَاءَ اَوْ رَعَفَ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلٰى صَلَاتِهٖ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ

اور حضور ﷺ کا قول ہے کہ جس نے قے کی یا نکسیر چھوٹی نماز میں تو چاہیے کہ وہ پھر جاوے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے جب تک کہ کلام نہ کیا ہو

وَلِاَنَّ خُرُوْجَ النَّجَاسَةِ مُؤَثِّرٌ فِيْ زَوَالِ الطَّهَارَةِ وَهٰذَا الْقَدْرُ فِي الْاَصْلِ مَعْقُوْلٌ وَالْاِقْتِصَارُ عَلَى الْاَعْضَاءِ

اور اس لئے کہ نجاست کا نکلنا طہارت کے زائل ہونے میں موثر ہے اور یہ مقدار اصل میں قیاس کے مطابق ہے۔ اور اعضاء اربعہ پر اکتفاء کرنا

الْاَرْبَعَةِ غَيْرُ مَعْقُوْلٍ لٰكِنَّهٗ يَتَعَدّٰى ضَرُوْرَةَ تَعَدِّي الْاَوَّلِ غَيْرَ اَنَّ الْخُرُوْجَ اِنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِالسَّيَلَانِ اِلٰى مَوْضِعٍ يَلْحَقُهٗ

غیر معقول ہے لیکن اول کے متعدی ہونے کی وجہ سے یہ متعدی ہوگا مگر یہ کہ خروج ایسے موضع کی طرف سیلان سے متحقق ہوگا جس کو تطہیر کا

حُكْمُ التَّطْهِيْرِ وَبِمِلْءِ الْفَمِ فِي الْقَيْءِ لِاَنَّ بِزَوَالِ الْقِشْرَةِ تَظْهَرُ النَّجَاسَةُ فِيْ مَحَلِّهَا فَتَكُوْنُ بَادِيَةً

حکم لاحق ہو اور منہ بھر قے سے کیونکہ چھلکا اترنے سے نجاست اپنے محل میں ظاہر ہوگی تو یہ نجاست ظاہر ہونے والی کہلائے گی

لَا خَارِجَةٌ بِخِلَافِ السَّبِيلَيْنِ لِأَنَّ ذَاكَ الْمَوْضِعَ لَيْسَ بِمَوْضِعِ النَّجَاسَةِ فَيُسْتَدَلُّ بِالظُّهُورِ عَلَى الْإِنْتِقَالِ وَالْخُرُوجِ

نہ کہ خارج ہونے والی۔ بخلاف سبیلین کے کیونکہ یہ موضع، موضع نجاست نہیں ہے کہ ظہور سے انتقال پر استدلال کیا جائے

وَمِلْأُ الْفَمِ أَنْ يَكُونَ بِحَالٍ لَا يُمْكِنُ ضَبْطُهُ إِلَّا بِتَكَلُّفٍ لِأَنَّهُ يَخْرُجُ ظَاهِرًا فَاعْتُبِرَ خَارِجًا وَقَالَ زُفَرُ

اور منہ بھر نا یہ ہے کہ وہ اس طرح ہو کہ بغیر تکلف کے اس کا ضبط کرنا ممکن نہ ہو کیونکہ وہ ظاہر ہو کر نکلے گا پس اس کو خارج سمجھا جائے گا۔ اور امام زفرؒ نے فرمایا

قَلِيلُ الْقَيْءِ وَكَثِيرُهُ سَوَاءٌ وَكَذَا لَا يُشْتَرَطُ السَّيَلَانُ اِعْتِبَارًا بِالْمَخْرَجِ الْمُعْتَادِ وَلِإِطْلَاقِ قَوْلِهِ

قے کا قلیل اور کثیر سب برابر ہے اور اسی طرح وہ مخرج معتاد پر قیاس کرتے ہوئے سیلان کی شرط نہیں ہے اور حضور ﷺ کے قول اَلْقَلْسُ حَدَثٌ

عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْقَلْسُ حَدَثٌ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْسَ فِي الْقَطْرَةِ وَالْقَطْرَتَيْنِ مِنَ الدَّمِ وُضُوْءٌ

کے مطلق ہونے کی وجہ سے سیلان کی شرط نہیں لگاتے۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ خون کے ایک قطرے اور دو قطروں میں وضو نہیں ہے

إِلَّا أَنْ يَكُونَ سَائِلًا وَقَوْلُ عَلِيٍّ حِينَ عَدَّ الْأَحْدَاثَ جُمْلَةً أَوْ دَسْعَةٌ تَمْلَأُ الْفَمَ وَإِذَا تَعَارَضَتِ الْأَخْبَارُ

مگر یہ کہ سائل ہو۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول جس وقت آپ نے تمام احداث کو شمار کرایا (تو فرمایا) یا قے جو منہ بھر دے۔ اور جب روایات

يُحْمَلُ مَا رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ عَلَى الْقَلِيلِ وَمَا رَوَاهُ زُفَرُ عَلَى الْكَثِيرِ وَالْفَرْقُ بَيْنَ الْمَسْلَكَيْنِ مَا قَدَّمْنَاهُ

متعارض ہو گئیں تو امام شافعیؒ کی روایت کردہ حدیث کو قلیل پر محمول کیا جائے گا اور امام زفرؒ کی روایت کردہ حدیث کو کثیر پر محمول
کیا جائے گا اور دونوں مسلکوں کے درمیان فرق وہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے۔

نواقض وضو کا بیان

تشریح:- یہ فصل نواقض وضو کے بیان میں ہے۔ نواقض، ناقضۃ کی جمع ہے اور نقض اگر اجسام کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی اس کی تالیف و ترکیب کو باطل کرنا ہے۔ اور اگر معانی کی طرف منسوب کی جائے تو معنی ہوں گے مفید مطلوب ہونے سے نکال دینا اور یہاں مطلوب وضو نماز کا مباح ہونا ہے۔ معانی سے مراد وضو کو توڑنے والی علتیں اور اسباب ہیں۔ حدیث میں ہے: لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ یعنی کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہوگا مگر تین علتوں میں سے ایک کی وجہ سے۔

بہر حال نواقض وضو میں سے ایک ہر وہ چیز ہے جو پیشاب یا پاخانہ کے راستہ سے نکلتی ہو۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ اور غائط اس نشیبی زمین کو کہتے ہیں جہاں انسان قضاء حاجت کیلئے جاتا ہو۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی قضاء حاجت کیلئے ہو کر آئے اور پانی نہ ہو تو تیمم کرے پس ثابت ہو گیا کہ خروج من السبیلین سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس لئے کہ اگر وضو نہ ٹوٹتا تو پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم کیوں دیا جاتا دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے

دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! حدث کیا چیز ہے آپ ﷺ نے فرمایا: مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيْلَيْنِ جو چیز بھی پیشاب یا پاخانہ کے راستہ سے نکلے اس حدیث میں کلمہ ما عام ہے جو معتاد اور غیر معتاد سب کو عام ہے یعنی شئے معتاد جیسے بول و براز اور غیر معتاد جیسے کیڑا، کنکر اور استحاضہ کا خون، یہ سب ناقض وضو ہیں۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ غیر معتاد چیزیں مثلاً کیڑا، کنکر، استحاضہ کا خون، سلسل بول اور انطلاق بطن وغیرہ ناقض وضو نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غائط سے کنایۃً قضاء حاجت کا ذکر کیا ہے اور قضاء حاجت معتاد ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَوَضَّأُ لِوَقْتِ كُلِّ صَلوٰةٍ. یعنی مستحاضہ عورت وضو کرے گی ہر نماز کے وقت میں۔ اور استحاضہ غیر معتاد ہے پس معلوم ہوا کہ غیر معتاد چیزیں جو سبیلین سے نکلتی ہوں وہ بھی ناقض وضو ہیں۔

اور نواقض وضو میں یہ بھی ہے کہ زندہ آدمی کے بدن سے خون یا پیپ نکلے پھر ظاہر ہو کر ایسے مقام کی طرف تجاوز کر جائے جسکو غسل یا وضو میں پاک کرنے کا حکم ہے یعنی سبیلین کے علاوہ دوسرے مقام سے خروج میں فقط نجاست کا ظاہر ہونا کافی نہیں بلکہ سیلان شرط ہے۔ چنانچہ اگر خون زخم کے سر پر چڑھا مگر بہا نہیں تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا اور نواقض وضو میں سے منہ بھر قے ہے اور منہ بھر قے یہ ہے جسکو بغیر مشقت اور کلفت کے روکا نہ جا سکے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ غیر سبیلین سے نکلنے والی چیز وضو نہیں توڑتی۔ حضرت امام زفرؒ کے نزدیک غیر سبیلین سے نکلنی والی چیز مطلقاً ناقض وضو ہے اس میں سیلان ہو یا سیلان نہ ہو، قے منہ بھر ہو یا منہ بھر نہ ہو۔ حاصل اقوال یہ کہ خارج من غیر السبیلین امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً غیر ناقض ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک مطلقاً ناقض ہے۔ اور علماء احناف میں سے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک شرط مذکور کے ساتھ ناقض ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے قے کی مگر وضو نہیں کیا پس ثابت ہوا کہ قے ناقض وضو نہیں ہے۔

دوسری دلیل عقلی یہ ہے کہ خروج نجاست من السبیلین کی صورت میں اعضاء اربعہ کو دھونے کا حکم امر تعبدی (خلاف قیاس) ہے کیونکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں نجاست لگے وہ دھویا جائے مگر اس کے علاوہ دوسرے اعضاء کے دھونے کا حکم خلاف قیاس صرف بندگی ظاہر کرنے کیلئے ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ امر تعبدی یعنی خلاف قیاس پر کسی دوسری چیز کو قیاس نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اعضاء اربعہ کو دھونے کا حکم مورد شرع پر منحصر ہوگا اور مورد شرع مخرج معتاد ہے یعنی مخرج معتاد (سبیلین) سے اگر نجاست خارج ہوگی تو اعضاء اربعہ کو دھونے یعنی وضو کا حکم ہوگا اور اگر مخرج معتاد کے علاوہ یعنی غیر سبیلین سے نجاست نکلی ہے تو اعضاء اربعہ کو دھونے کا حکم نہیں ہوگا پس معلوم ہوا کہ خارج من غیر السبیلین ناقض وضو نہیں ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وضو (واجب ہے) ہر اس خون کی وجہ سے جو بدن سے نکل کر بہنے والا ہو۔ اس حدیث سے بایں طور استدلال ہوگا کہ اس جیسی ترکیب سے وجوب ہی مفہوم ہوتا ہے جیسے حضور ﷺ کے قول فِيْ خَمْسٍ مِنَ

اَلْاِبِلِ شَاةٌ میں بالاتفاق فرضیت ثابت ہے۔ اور اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ خروج منی کی وجہ سے بالاتفاق وجوب غسل پر دلالت کرتا ہے پس اس حدیث کی معنی ہوں گے تَوَضَّئُوْا مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ مِنَ الْبَدَنِ یعنی ہر اس خون کی وجہ سے وضو کرو جو بدن سے نکل کر بہہ گیا۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے قے کی یا نماز میں نکسیر پھوٹی تو یہ شخص پھر جائے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے جب تک کلام نہ کرے۔ حاصل استدلال یہ ہے کہ حدیث میں وضو کا امر کیا گیا ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے پس معلوم ہوا کہ قے کرنے اور نکسیر پھوٹنے کے بعد وضو واجب ہو جاتا ہے۔

دلیل عقلی جو در حقیقت امام شافعیؒ کی عقلی دلیل کا جواب ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ سبیلین سے نجاست کا نکلنا زوال طہارت میں مؤثر ہے یعنی سبیلین سے نجاست نکلنے کی وجہ سے طہارت زائل ہو جاتی ہے اور اتنی مقدار اصل یعنی مقیس علیہ میں معقول یعنی قیاس کے مطابق ہے اور اعضاء اربعہ کے دھونے پر اکتفاء کرنا غیر معقول یعنی خلاف قیاس ہے پس خروج نجاست من غیر سبیلین کو خروج نجاست من السبیلین پر قیاس کیا اور زوال طہارت کا حکم لگایا۔ اور زوال طہارت کے لئے چونکہ طہارت لازم ہے اس لئے خروج نجاست من غیر سبیلین کی وجہ سے جب طہارت زائل ہو گئی تو اس کے لئے اعضاء اربعہ کی طہارت کا حکم خود بخود ثابت ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ جب مقیس علیہ اول یعنی خروج نجاست من غیر سبیلین سے زوال طہارت کی طرف متعدی ہوا تو اعضاء اربعہ کو دھونے پر اکتفاء کرنا بھی متعدی ہوگا کیونکہ یہ اس کو لوازم میں سے ہے۔

یہاں ایک سوال ہوگا وہ یہ کہ جب غیر سبیلین سے نجاست نکلنا سبیلین سے نجاست نکلنے کے مانند ہے تو جس طرح سبیلین میں صرف خروج معتبر ہے یعنی خروج نجاست ہوتے ہی وضو ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح غیر سبیلین میں بھی صرف خروج معتبر ہونا چاہیے تھا حالانکہ آپ نے خروج کے ساتھ سیلان کی بھی شرط لگائی ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ معتبر تو اصل اور فرع دونوں میں صرف خروج ہے مگر بات یہ ہے کہ خون اور پیپ میں خروج جب ہی متحقق ہوگا جب کہ سیلان ایسے موضع کی طرف ہو جس کے واسطے وضو یا غسل میں پاک کرنے کا حکم لاحق ہے اور قے میں خروج اس وقت متحقق ہوگا جبکہ وہ منہ بھر ہو۔ دلیل یہ ہے کہ کھال کا چھلکا اتر جانے سے نجاست کا خروج نہیں ہوا بلکہ اپنے محل میں ظہور ہوگا۔ تو یہ نجاست بادیہ یعنی ظاہر ہونے والی کہلائے گی نہ کہ خارج ہونے والی۔ برخلاف سبیلین کے اس لئے کہ یہ جگہ نجاست رہنے کا ٹھکانہ نہیں ہے تو وہاں نجاست ظاہر ہونے سے سمجھا جائے گا کہ وہ اپنی جگہ سے منتقل ہو کر خارج ہوئی ہے۔ حاصل یہ کہ در حقیقت معتبر خروج ہے اور خروج کا تحقق سبیلین میں اس طرح ہوگا کہ نجاست اپنے ٹھکانے سے منتقل ہو کر پیشاب پاخانے کے منہ پر آ جائے۔

اور سبیلین کے علاوہ میں خالی ظہور نجاست سے یہ متحقق نہیں ہو سکتا کہ اپنی جگہ سے منتقل ہوئی کیونکہ ہر کھال کے نیچے خون ہے تو کھال کی آڑ ہٹ جانے سے صرف نظر آیا مگر جگہ سے منتقل ہونا تو جب ہی متحقق ہوگا جبکہ وہ بہہ جائے۔

اور قے میں خروج اس وقت متحقق ہوگا جبکہ منہ بھر ہو۔ اور منہ بھر یہ ہے کہ بغیر مشقت کے اس کا روکنا ممکن نہ ہو۔ اور بعض نے کہا کہ منہ بھر اتنی قے ہو کہ بات کرنے میں تکلف ہو۔ اور بعض نے کہا کہ نصف منہ سے زیادہ ہو (نہایہ) دلیل اس کی یہ ہے کہ اندرون منہ کی دو حیثیتیں ہیں ظاہر اور باطن کیونکہ اگر منہ کھولے تو ظاہر کے مشابہ ہوگا اور اگر منہ بند کرے تو باطن کے مشابہ ہوگا پس ہم نے دونوں مشابہتوں کا اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ کہا کہ اگر منہ میں قے منہ بھر نہ ہو تو باطن کی مشابہت کا اعتبار کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ خروج نہیں پایا گیا کیونکہ اس صورت میں عدم خروج غالب ہے لہٰذا اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر قے منہ بھر ہے تو ظاہر کی مشابہت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں خروج غالب ہے لہٰذا اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا۔

حضرت امام زفرؒ کا مذہب بیان ہو چکا کہ ان کے نزدیک خارج من غیر سبیلین مطلقاً ناقض وضو ہے یعنی قے قلیل اور کثیر نقض وضو میں دونوں برابر ہیں اسی طرح ان کے نزدیک سیلان بھی شرط نہیں ہے سیلان کی شرط نہ ہونے پر امام زفرؒ نے مخرج معتاد پر قیاس کو دلیل بنایا ہے یعنی جس طرح مخرج معتاد یعنی سبیلین سے نکلنے والی چیز کے ناقض وضو ہونے پر سیلان شرط نہیں ہوگا۔ اور نقض وضو میں قے قلیل اور کثیر کے برابر ہونے پر دلیل حضور ﷺ کا ارشاد اَلْقَلْسُ حَدَثٌ ہے قلس کے معنی قے ہیں وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے مطلقاً قے کو حدث یعنی ناقض وضو قرار دیا ہے۔

اور ہماری دلیل اس پر کہ خارج من غیر سبیلین کے ناقض وضو ہونے کیلئے سیلان شرط ہے حضور ﷺ کا قول ہے کہ خون کے ایک قطرے اور دو قطروں میں وضو واجب نہیں ہوتا مگر یہ کہ خون بہنے والا ہو (دار قطنی از شرح نقایہ)۔

اور قے قلیل کے ناقض نہ ہونے پر حضور ﷺ کا قول شاہد عدل ہے، آپ نے فرمایا یُعَادُ الْوُضُوْءُ مِنْ سَبْعٍ مِنْ اِقْطَارِ الْبَوْلِ وَالدَّمِ السَّائِلِ وَالْقَيْحِ وَمِنْ دَسْعَةٍ تَمْلَأُ الْفَمَ وَنَوْمِ الْمُضْطَجِعِ وَقَهْقَهَةِ الرَّجُلِ فِي الصَّلٰوةِ وَخُرُوْجِ الدَّمِ یعنی وضو سات چیزوں سے لوٹایا جائے گا پیشاب ٹپکنے سے اور بہنے والے خون سے اور پیپ سے اور قے سے جو منہ بھر ہو، اور کروٹ پر لیٹے ہوئے کی نیند سے اور مرد کے نماز میں قہقہہ سے اور خون نکلنے سے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منہ بھر قے ناقض وضو ہے۔ یہی صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام نواقض وضو کو شمار کرایا اور اس میں ہے اَوْ دَسْعَةٌ تَمْلَأُ الْفَمَ یعنی قے جو منہ بھر دے۔ رہی یہ بات کہ قے کے ناقض وضو ہونے میں روایات متعارض ہو گئیں کیونکہ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث قَاءَ فَلَمْ يَتَوَضَّأْ سے معلوم ہوتا ہے کہ قے ناقض وضو نہیں ہے۔ اور امام زفرؒ کی پیش کردہ حدیث اَلْقَلْسُ حَدَثٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ قے مطلقاً ناقض وضو ہے۔ ان کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ امام شافعیؒ کی روایت کردہ حدیث قَاءَ فَلَمْ يَتَوَضَّأْ کو قے قلیل پر محمول کیا جائے گا اور امام زفرؒ کی روایت کردہ حدیث اَلْقَلْسُ حَدَثٌ کو قے کثیر پر محمول کیا جائے گا۔ اب کوئی تعارض باقی نہیں رہا اور جو فرق مسلک معتاد اور غیر

متقادودنوں میں ہے وہ ہم سابق میں بیان کر چکے۔

وَلَوْ قَاءَ مُتَفَرِّقًا بِحَيْثُ لَوْ جُمِعَ يَمْلَأُ الْفَمَ فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يُعْتَبَرُ اِتِّحَادُ الْمَجْلِسِ
اور اگر متوضی نے کئی بار ایسے طریقہ پر قے کی کہ اگر اسے جمع کیا جائے تو منہ بھر دے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مجلس کا متحد ہونا معتبر ہے
وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يُعْتَبَرُ اِتِّحَادُ السَّبَبِ وَهُوَ الْغَثَيَانُ ثُمَّ مَا لَا يَكُونُ حَدَثًا لَا يَكُونُ نَجَسًا يُرْوٰى ذٰلِكَ عَنْ
اور امام محمدؒ کے نزدیک سبب کا متحد ہونا معتبر ہے اور سبب متلی ہے۔ پھر جو چیز حدث نہ ہو تو وہ چیز نجس نہ ہوگی۔ یہ حکم امام ابو یوسفؒ سے
أَبِي يُوسُفَ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَجَسٍ حُكْمًا حَيْثُ لَمْ يَنْتَقِضْ بِهِ الطَّهَارَةُ
روایت کیا جاتا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ وہ حکماً نجس نہیں ہے اس لئے کہ اس سے طہارت نہیں ٹوٹتی

متفرق مقامات میں کی ہوئی قے کے بارے میں صاحبینؒ کا اختلاف

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر متوضی نے کئی بار قے کی، اور ہر بار منہ بھر سے کم کی جو اسی حالت پر ہے کہ اگر جمع کر دی جائے تو منہ بھر دے پس اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مجلس کا متحد ہونا معتبر ہے۔ چنانچہ اگر ایک مجلس میں متعدد بار قے کی ہو خواہ سبب ایک ہو یا نہ ہو تو جمع کی جائے گی اس لئے کہ متفرقات کو اکٹھا کرنے میں مجلس کو بہت بڑا دخل ہے۔ مثلاً اگر ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ بار بار پڑھی تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک سبب کا متحد ہونا معتبر ہے اور قے کا سبب متلی ہے۔ پس اگر ہر بار کی قے کا سبب ایک ہو چاہے ایک مجلس میں ہو یا کئی مجلسوں میں ہو تو اس کو جمع کیا جائے گا۔ اگر منہ بھر ہو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ حکم ثبوت سبب کے مطابق ہوتا ہے اس وجہ سے سبب کے متحد ہونے سے حکم متحد ہو جائے گا۔

صاحب ہدایہؒ نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے اور یہ ضابطہ امام ابو یوسفؒ سے روایت کیا جاتا ہے ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز حدث یعنی ناقض وضو نہ ہو وہ ناپاک بھی نہیں ہوگی چنانچہ قے قلیل اور دم غیر سائل نجس نہیں ہوگا کیونکہ یہ ناقض نہیں ہے اور یہ قول زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ حکم شرع کی رو سے یہ نجس نہیں ہے کیونکہ اس سے طہارت نہیں ٹوٹتی۔ وَهُوَ الْأَصَحُّ کہنے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے احتراز ہے اس لئے کہ امام محمدؒ قے قلیل اور دم غیر سائل کو نجس کہتے ہیں۔

وَهٰذَا إِذَا قَاءَ مِرَّةً أَوْ طَعَامًا أَوْ مَاءً فَإِنْ قَاءَ بَلْغَمًا فَغَيْرُ نَاقِضٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ
اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اس نے پت کی قے کی یا کھانا یا پانی کی اور اگر بلغم کی قے کرے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک غیر ناقض ہے
وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ نَاقِضٌ إِذَا قَاءَ مِلْأَ الْفَمِ وَالْخِلَافُ فِي الْمُرْتَقِي مِنَ الْجَوْفِ أَمَّا النَّازِلُ مِنَ الرَّأْسِ
اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ ناقض ہے جبکہ منہ بھر کے قے کی ہو۔ اور اختلاف اس بلغم میں ہے جو جوف (معدہ) سے چڑھ کر (قے ہوا ہو) لیکن جو بلغم سر سے اتر کر (قے ہوا)

فَغَيْرُ نَاقِضٍ بِالْاِتِّفَاقِ لِاَنَّ الرَّأْسَ لَيْسَ بِمَوْضِعِ النَّجَاسَةِ لِاَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهُ نَجَسٌ بِالْمُجَاوَرَةِ
تو وہ بالاتفاق غیر ناقض ہے۔اس لئے کہ سر موضع نجاست نہیں ہے۔ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ (معدہ سے) چڑھنے والا بلغم اتصال کی وجہ سے نجس ہے
وَلَهُمَا اَنَّهُ لَزِجٌ لَا تَتَخَلَّلُهُ النَّجَاسَةُ وَمَا يَتَّصِلُ بِهِ قَلِيْلٌ وَالْقَلِيْلُ فِي الْقَيْءِ غَيْرُ نَاقِضٍ
اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بلغم ایک ایسی چکنی چیز ہے کہ اس کے اندر نجاست داخل نہیں ہوگی اور جو نجاست اس کے ساتھ متصل ہے وہ قلیل ہے اور قے میں قلیل غیر ناقض ہے

قے کی اقسام اور ان کے احکام

تشریح۔۔اس عبارت میں مصنفؒ نے فرمایا کہ منہ بھر قے سے وضو کا ٹوٹنا اس وقت ہے جبکہ بہت کی قے کی ہو یا کھانے کی یا پانی کی کی ہو۔لیکن اگر اس نے خالص بلغم قے کیا جس میں کھانے وغیرہ کی کوئی آمیزش نہیں ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔یا تو دماغ سے اتریگا یا جوف معدہ سے چڑھے گا۔اول تو بالاتفاق ناقض وضو نہیں ہے کیونکہ سر اور دماغ نجاست کی جگہ نہیں ہے۔اور دوسری صورت طرفین رحمہا اللہ کے نزدیک ناقض نہیں ہے البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناقض ہے بشرطیکہ منہ بھر ہو۔امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ بلغم اگرچہ خود نجس نہیں ہے مگر معدہ کی نجاست کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے نجس ہو گیا اور اس مقام کی طرف نکلا جس کو غسل میں پاک کرنے کا حکم لاحق ہے یعنی غسل میں کلی کرنا فرض ہے۔پس جب خروج نجاست پایا گیا تو ناقض وضو ہوگا جیسے کھانے اور بہت کی قے۔اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بلغم چکنا ہوتا ہے اس میں نجاست پیوست نہیں ہوتی ہے اور جو نجاست اس کے ساتھ لگی ہوتی ہے وہ قلیل ہے اور قے میں قلیل مقدار ناقض وضو نہیں ہوتی اس لئے بلغم کی قے ناقض وضو نہیں ہوگی۔

وَلَوْ قَاءَ دَمًا وَهُوَ عَلَقٌ يُعْتَبَرُ فِيْهِ مِلْأُ الْفَمِ لِاَنَّهُ سَوْدَاءُ مُحْتَرِقَةٌ وَاِنْ كَانَ مَائِعًا فَكَذٰلِكَ عِنْدَ
اور اگر خون کی قے کی اور وہ بستہ ہے تو اس میں منہ بھر معتبر ہوگا کیونکہ وہ جلا ہوا سوداء ہے۔اور اگر وہ خون بہنے والا ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک
مُحَمَّدٍ اِعْتِبَارًا بِسَائِرِ اَنْوَاعِهِ وَعِنْدَهُمَا اِنْ سَالَ بِقُوَّةِ نَفْسِهِ يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ وَاِنْ كَانَ قَلِيْلًا لِاَنَّ
ایسا ہی ہے قے کی تمام انواع پر قیاس کرتے ہوئے۔اور شیخینؒ کے نزدیک اگر خون اپنی قوت سے بہا تو وضو کو توڑ دے گا اگرچہ قلیل ہو۔اس لئے کہ
الْمِعْدَةَ لَيْسَتْ بِمَحَلِّ الدَّمِ فَيَكُوْنُ مِنْ قُرْحَةٍ فِي الْجَوْفِ
معدہ خون کی جگہ نہیں ہے پس وہ جوف میں (موجود) کسی زخم سے ہوگا

خون کی قے کا حکم

تشریح۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر خون قے کیا تو اس خون کی دو قسمیں ہیں یا تو وہ خون منجمد ہوگا یا بہنے والا۔اگر منجمد ہے تو اس میں منہ بھر نا معتبر ہوگا کیونکہ وہ جلا ہوا سوداء ہے اور یہ معدہ سے نکلتا ہے اور معدہ سے نکلنے والی چیز ناقض وضو ہے بشرطیکہ وہ

منہ بھر ہو۔ اور اگر خون بہنے والا ہے تو امام محمدؒ اس میں بھی منہ بھرنے کا اعتبار کرتے ہیں یعنی اگر اتنا خون ہے جو منہ بھر دے تو ناقض ہوگا ورنہ نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے خون کی قے کو دوسری قسموں پر قیاس کیا ہے اور دوسری پانچ قے یہ ہیں (۱) کھانے کی (۲) پانی کی (۳) پت کی (۴) صفراء کی (۵) سوداء کی یعنی جس طرح ان پانچوں میں نقض وضو کیلئے منہ بھرنا شرط ہے اسی طرح اس میں بھی منہ بھرنا معتبر ہوگا۔

اور شیخینؒ نے فرمایا کہ اگر خون نکل کر اپنی قوت سے بہہ پڑا تو وضو ٹوٹ جائے گا اگرچہ وہ قلیل ہو دلیل یہ ہے کہ معدہ خون کی جگہ نہیں ہے لہذا یہی کہا جائے گا کہ یہ خون، پیٹ کے کسی زخم سے نکلا ہوگا پس اس کو اس خون پر قیاس کیا جائے گا جو ظاہر زخم سے نکلا ہو اور جو خون ظاہر زخم سے نکلا ہو چونکہ اس میں نقض وضو کیلئے سیلان معتبر ہے اس وجہ سے یہاں بھی سیلان معتبر ہوگا خواہ منہ بھر نہ ہو۔

وَلَوْ نَزَلَ مِنَ الرَّأْسِ إِلَى مَا لَانَ مِنَ الْأَنْفِ نَقَضَ الْوُضُوْءَ بِالْاِتِّفَاقِ لِوُصُوْلِهِ إِلَى مَوْضِعٍ
اور اگر خون سر سے ناک کے نرم حصہ تک اتر آیا تو اس نے بالاتفاق وضو توڑ دیا کیونکہ یہ خون ایسی جگہ تک پہنچ گیا
يَلْحَقُهُ حُكْمُ التَّطْهِيْرِ فَيَتَحَقَّقُ الْخُرُوْجُ
کہ اس کو پاک کرنے کا حکم لاحق ہے پس خروج (سیلان) متحقق ہو گیا ہے۔

خون کی قے کی تفصیل

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ خون سر سے اتر اور بہہ کر ناک کے نرم حصہ تک پہنچ گیا تو اس سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ یہ خون ایسی جگہ تک پہنچ گیا کہ اس کو پاک کرنے کا حکم لاحق ہے یعنی غسل میں پس سیلان متحقق ہو گیا۔

وَالنَّوْمُ مُضْطَجِعًا أَوْ مُتَّكِئًا أَوْ مُسْتَنِدًا إِلَى شَيْءٍ لَوْ أُزِيْلَ لَسَقَطَ لِأَنَّ الْاِضْطِجَاعَ سَبَبٌ
اور نیند درآنحالیکہ کروٹ پر ہو یا تکیہ لگا کر ہو یا کسی ایسی چیز سے ٹیک لگا کر ہو کہ اگر وہ چیز ہٹا دی جائے تو یہ شخص گر پڑے۔ کیونکہ کسی پہلو پر لیٹنا
لِاسْتِرْخَاءِ الْمَفَاصِلِ فَلَا يَعْرٰى عَنْ خُرُوْجِ شَيْءٍ عَادَةً وَالثَّابِتُ عَادَةً كَالْمُتَيَقَّنِ بِهِ وَالْاِتِّكَاءُ
جوڑ بند کے ڈھیلے ہو جانے کا سبب ہے۔ پس عادۃً کسی چیز کے نکلنے سے خالی نہ ہوگا اور جو چیز عادۃً ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسے اس کا یقین ہو۔ اور تکیہ لگانا
يُزِيْلُ مُسْكَةَ الْيَقْظَةِ لِزَوَالِ الْمَقْعَدِ عَنِ الْأَرْضِ وَيَبْلُغُ الْاِسْتِرْخَاءُ فِي النَّوْمِ غَايَتَهُ بِهٰذَا النَّوْعِ مِنَ الْاِسْتِنَادِ
زمین سے مقعد زائل ہونے کی وجہ سے بیداری کی رکاوٹ زائل کرتا ہے۔ اور ڈھیلا پن نیند میں اس قسم کے استناد سے اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا
غَيْرَ أَنَّ السَّنَدَ يَمْنَعُهُ مِنَ السُّقُوْطِ بِخِلَافِ حَالَةِ الْقِيَامِ وَالْقُعُوْدِ وَالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ فِي الصَّلٰوةِ وَغَيْرِهَا هُوَ الصَّحِيْحُ لِأَنَّ
مگر ٹیک اس کو گرنے سے روکتی ہے برخلاف قیام، قعود، رکوع اور سجدہ کی حالت کے نماز میں یا غیر نماز میں یہی صحیح ہے اس لئے کہ کچھ استمساک

بَعْضُ الْاِسْتِمْسَاکِ بَاقٍ اِذْ لَوْ زَالَ لَسَقَطَ فَلَمْ یَتِمَّ الْاِسْتِرْخَاءُ وَالْاَصْلُ فِیْهِ قَوْلُهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَا وُضُوْءَ عَلٰی
باقی ہے کیونکہ اگر استمساک بالکل زائل ہو جاتا تو گر پڑتا پس استرخاء پورا نہ ہوا اور اصل اس میں حضور ﷺ کا قول ہے کہ نہیں وضو اس پر جو سویا
مَنْ نَامَ قَائِمًا اَوْ قَاعِدًا اَوْ رَاکِعًا اَوْ سَاجِدًا اِنَّمَا الْوُضُوْءُ عَلٰی مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا فَاِنَّهٗ اِذَا نَامَ مُضْطَجِعًا اِسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهٗ
کھڑے یا بیٹھے یا حالت رکوع یا حالت سجدہ میں، وضو تو اسی پر ہے جو کروٹ پر سویا کیونکہ جب وہ کروٹ پر سویا تو اس کے جوڑ بند ڈھیلے پڑ گئے

کون سی نیند ناقض وضو ہے

تشریح:۔ نواقض وضو میں یہ بھی ہے کہ متوضی کروٹ پر سویا یا تکیہ لگا کر سویا یا کسی ایسی چیز سے ٹیک لگا کر سویا کہ اگر وہ چیز ہٹا دی جائے تو یہ شخص گر پڑے۔ صاحب شرح نقایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کروٹ لے کر سویا یا ایک سرین پر تکیہ لگا کر سویا تو بالاتفاق وضو ٹوٹ گیا۔ اور اگر کسی چیز سے ٹیک لگا کر سویا کہ اس کو ہٹا دیا جائے تو گر پڑے تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر مقعد زمین سے ہٹ گئی تو بالاتفاق وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر نہیں ہٹی تو امام طحاوی اور امام قدوری رحمہما اللہ نے ذکر کیا کہ وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ استرخاء مفاصل حاصل ہو گیا۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ زمین پر مقعد کا برقرار رہنا خروج ریح کے لئے مانع ہے۔

اضطجاعاً سونے سے وضو ٹوٹنے کی دلیل یہ ہے کہ اضطجاع یعنی کروٹ پر سونا جوڑ بند ڈھیلے ہونے کا سبب ہے پس کروٹ پر سونا عادۃً کسی چیز کے نکلنے سے خالی نہیں ہوتا اور قاعدہ ہے کہ جو چیز عادۃً ثابت ہو وہ یقین کا درجہ رکھتی ہے پس ثابت ہوا کہ کروٹ پر سونے سے خروج ریح وغیرہ ہوا ہے اور خروج ریح سے بالیقین وضو ٹوٹ جاتا ہے اس لئے اس سے وضو ٹوٹ گیا۔ اس دلیل کا مقتضی یہ ہے کہ عین نوم حدث نہیں ہے اور بعض کی رائے ہے کہ نیند بنفسہ حدث ہے۔ اور رہا تکیہ لگا کر سونا تو وہ ایسی چیز ہے جو بیداری کا رکاؤ دور کر دیتی ہے کیونکہ اس صورت میں مقعد زمین سے اٹھ جاتی ہے پس سونے کی حالت میں اعضاء کا رکاؤ بدرجہ اولیٰ دور ہو جائے گا۔

اور کسی چیز سے ٹیک لگا کر سونا تو اس میں استرخاء کامل ہو جاتا ہے اور اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے صرف اتنی بات ہے کہ ٹیک نے اس کو گرنے سے روک رکھا ہے اگر ٹیک ہٹالی جائے تو وہ گر پڑے گا، پس چونکہ نقض وضو کا مدار استرخاء پر ہے اور وہ یہاں پایا گیا اس لئے اس صورت میں بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر قیام کی حالت میں سو گیا یا قعود کی حالت میں یا رکوع اور سجود کی حالت میں سویا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ خواہ یہ کیفیت نماز میں ہو یا غیر نماز میں یہی صحیح ہے یعنی ظاہر الروایہ یہی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ان حالتوں میں کچھ نہ کچھ استمساک (رکاؤ) باقی رہتا ہے کیونکہ بالکلیہ استمساک دور ہو جاتا تو یہ شخص یقیناً گر جاتا پس معلوم ہوا کہ ان حالتوں میں کامل استرخاء نہیں پایا گیا اور جب کامل استرخاء نہیں پایا گیا تو وضو بھی نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ نقض وضو کمال استرخاء پر مبنی ہے اور اس باب میں یہ حدیث اصل ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قیام کی حالت میں سویا یا قعود کی حالت میں یا رکوع کی

حالت میں یا سجدہ کی حالت میں تو اس پر وضو واجب نہیں ہوگا بلکہ وضو اس شخص پر واجب ہے جو کروٹ لیکر سویا کیونکہ جب کوئی شخص کروٹ پر سوتا ہے تو تمام جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔

ابوداؤد اور ترمذی رحمہا اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا رَاَی النَّبِیُّ عَلَیْهِ السَّلَامُ نَامَ وَهُوَ سَاجِدٌ حَتّٰی غَطَّ اَوْ نَفَخَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّکَ نِمْتَ فَقَالَ اِنَّ الْوُضُوْءَ لَا یَجِبُ اِلَّا عَلٰی مَنْ نَامَ مُضْطَجِعاً فَاِنَّهٗ اِذَا اضْطَجَعَ اِسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهٗ. یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور ﷺ کو سجدہ کی حالت میں سوتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ آپ ﷺ خراٹے لینے لگے یا پھونکے مارنے لگے پھر آپ ﷺ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ آپ تو سو گئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وضو اسی شخص پر واجب ہوتا ہے جو کروٹ لے کر سویا ہو اس لئے کہ جب کوئی کروٹ لیکر سوتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔

وَالْغَلَبَةُ عَلَی الْعَقْلِ بِالْاِغْمَاءِ وَالْجُنُوْنُ لِاَنَّهٗ فَوْقَ النَّوْمِ مُضْطَجِعاً فِی الْاِسْتِرْخَاءِ
اور بے ہوشی کی وجہ سے عقل پر غلبہ ہو جانا اور جنون، کیونکہ وہ (یعنی جنون اور اغماء میں سے ہر ایک) استرخاء میں کروٹ پر سونے سے بڑھ کر ہے
وَالْاِغْمَاءُ حَدَثٌ فِی الْاَحْوَالِ کُلِّهَا وَهُوَ الْقِیَاسُ فِی النَّوْمِ اِلَّا اَنَّا عَرَفْنَاهُ بِالْاَثَرِ وَالْاِغْمَاءُ فَوْقَهٗ فَلَا یُقَاسُ عَلَیْهِ.
اور اغماء تمام حالتوں میں حدث ہے اور یہی نیند میں قیاس ہے مگر ہم نے اس کو اثر سے پہچانا۔ اور اغماء اس سے بڑھ کر ہے تو اغماء کو نیند پر قیاس نہ کیا جائے گا

اغماء سے عقل پر غلبہ اور جنون ناقض وضو ہے

تشریح:۔ اغماء ایک قسم کا مرض ہے جو قوی کو کمزور کر دیتا ہے اور مراد اس کی یہ ہے کہ عقل مغلوب ہو جائے سب کچھ بھی ہو۔ اور جنون ایسا مرض ہے جو عقل کو زائل اور سلب کر دے۔ حاصل یہ کہ اغماء کی حالت میں عقل مغلوب ہوتی ہے اور جنون کی حالت میں عقل مسلوب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں اغماء تو جائز ہے مگر جنون جائز نہیں ہے۔ بہر حال اغماء کی حالت اور جنون کی حالت ناقض وضو ہے دلیل یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک استرخاء مفاصل میں کروٹ سے سونے سے بڑھ کر ہے اور اغماء تمام حالتوں میں ناقض وضو ہے یعنی قیام، قعود وغیرہ کی حالت میں بھی۔ قیاس کا تقاضا تو نیند میں بھی یہی تھا کہ نیند تمام حالتوں میں ناقض ہو۔ مگر حدیث رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے ہم نے قیاس کو ترک کر دیا اور چونکہ اغماء نیند سے قوی ہے اس لئے اغماء کو نیند پر قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور اغماء کے قوی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس پر اغماء طاری ہوا ہے وہ متنبہ کرنے سے متنبہ نہیں ہوتا ہے اس کے برخلاف سونے والا کہ وہ متنبہ کرنے سے متنبہ ہو جاتا ہے اور جنون چونکہ اغماء سے بھی اقوی ہے اس لئے جنون بدرجہ اولیٰ ناقض وضو ہوگا۔

وَالْقَهْقَهَةُ فِيْ صَلٰوةٍ ذَاتِ رُكُوْعٍ وَسُجُوْدٍ وَالْقِيَاسُ اَنَّهَا لَا تَنْقُضُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِاَنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ نَجِسٍ
اور رکوع سجدہ والی نماز میں قہقہہ (بھی ناقض ہے) اور قیاس یہ ہے کہ قہقہہ ناقض نہ ہو اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے کیونکہ یہ نجس نکلنے والی چیز نہیں ہے
وَلِهٰذَا لَمْ يَكُنْ حَدَثًا فِيْ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ وَسَجْدَةِ التِّلَاوَةِ وَخَارِجِ الصَّلٰوةِ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
اور اسی وجہ سے قہقہہ نماز جنازہ میں اور سجدہ تلاوت میں اور نماز سے باہر میں حدث نہیں۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے
اَلَا مَنْ ضَحِكَ مِنْكُمْ قَهْقَهَةً فَلْيُعِدِ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ جَمِيْعًا وَبِمِثْلِهِ يُتْرَكُ الْقِيَاسُ وَالْاَثَرُ وَرَدَ
خبردار جو شخص تم میں سے قہقہہ سے ہنسا تو وہ وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کرے اور اس جیسی نص سے قیاس ترک کر دیا جائیگا، اور نص
فِيْ صَلٰوةٍ مُطْلَقَةٍ فَيُقْتَصَرُ عَلَيْهَا وَالْقَهْقَهَةُ مَا يَكُوْنُ مَسْمُوْعًا لَهُ وَلِجِيْرَانِهِ وَالضِّحْكُ مَا يَكُوْنُ
صلوٰۃ مطلقہ میں وارد ہوئی ہے۔ پس اسی پر بند ہوگی۔ اور قہقہہ وہ ہے جو خود آدمی کو اور پاس والوں کو سنائی دے اور ضحک وہ ہے
مَسْمُوْعًا لَهُ دُوْنَ جِيْرَانِهِ وَهُوَ عَلٰى مَا قِيْلَ يُفْسِدُ الصَّلٰوةَ دُوْنَ الْوُضُوْءِ
جو خود آدمی کو سنائی دے نہ کہ پاس والوں کو۔ اور ضحک اس قول کی بناء پر جو کہا گیا نماز کو فاسد کر دیتا ہے نہ کہ وضو کو

قہقہہ ناقض وضو ہے

تشریح:۔ قہقہہ یہ ہے کہ جو آدمی کو خود سنائی دے اور اس کے پاس والوں کو بھی سنائی دے۔ دانت خواہ ظاہر ہوں یا ظاہر نہ ہوں۔ اور ضحک یہ ہے کہ جو آدمی کو خود سنائی دے لیکن پاس والوں کو سنائی نہ دے۔ اور تبسم یہ ہے کہ کسی کو سنائی نہ دے۔ تبسم نہ مبطل صلوٰۃ ہے اور نہ ناقض وضو اور ضحک مبطل صلوٰۃ تو ہے مگر ناقض وضو نہیں ہے اور عاقل بالغ کے قہقہہ کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ رکوع، سجدے والی نماز میں پایا گیا۔ یا رکوع سجدے والی نماز کو اشارہ سے پڑھتا ہو اس میں قہقہہ پایا گیا تو یہ مبطل صلوٰۃ بھی ہے اور ناقض وضو بھی اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ قہقہہ ناقض نہیں ہے اور یہی قیاس ہے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قہقہہ میں خروج نجاست نہیں پایا گیا حالانکہ خروج نجاست ہی ناقض ہے یہی وجہ ہے کہ قہقہہ نماز جنازہ سجدہ تلاوت اور خارج نماز میں ناقض نہیں ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نماز پڑھا رہے تھے ایک اعرابی جس کی بینائی کمزور تھی آیا اور گر پڑا اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو شریک نماز تھے ہنس پڑے تو آپ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا کہ سنو تم میں سے جو شخص قہقہہ لگا کر ہنسا وہ اپنی نماز اور وضو کا اعادہ کرے۔ اور یہ حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے چونکہ یہ حدیث صلوٰۃ کاملہ یعنی رکوع سجدہ والی نماز میں وارد ہوئی اس لئے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا اور اس سے متجاوز ہو کر نماز جنازہ سجدہ تلاوت اور خارج نماز میں قہقہہ ناقض نہیں ہوگا کیونکہ خلاف قیاس حکم اپنے مورد سے متجاوز نہیں ہوتا ہے۔

وَالدَّابَّةُ تَخْرُجُ مِنَ الدُّبُرِ نَاقِضَةٌ فَإِنْ خَرَجَتْ مِنْ رَأْسِ الْجُرْحِ اَوْسَقَطَ اللَّحْمُ مِنْهُ لا يَنْقُضُ

اور وہ کیڑا جو پاخانے کے راستہ سے نکلتا ہے ناقض وضو ہے اور اگر (کیڑا) زخم کے سر سے نکلے یا زخم سے گوشت گر پڑے تو یہ ناقض نہیں ہوگا

وَالْمُرَادُ بِالدَّابَّةِ الدُّوْدَةُ وَهٰذَا لِاَنَّ النَّجِسَ مَا عَلَيْهَا وَذٰلِکَ قَلِيْلٌ وَهُوَ حَدَثٌ فِي السَّبِيْلَيْنِ دُوْنَ

اور دابہ سے مراد کیڑا ہے اور یہ اس لئے کہ نجاست تو اسی قدر ہے جو کیڑے پر ہے اور یہ نجاست بہت کم ہے اور وہ (یعنی کم نجاست) سبیلین میں حدث ہے نہ کہ

غَيْرِهِمَا فَاَشْبَهَ الْجُشَاءَ وَالْفُسَاءَ بِخِلَافِ الرِّيْحِ الْخَارِجَةِ مِنَ الْقُبُلِ وَالذَّكَرِ

ان دونوں کے علاوہ میں پس یہ ڈکار اور بے آواز خروج ریح (پھسکار) کے مشابہ ہوا بخلاف اس ریح کے جو عورت کے فرج اور مرد کے ذکر سے نکلے

لِاَنَّهَا لا تَنْبَعِثُ عَنْ مَحَلِّ النَّجَاسَةِ حَتّٰى لَوْ كَانَتِ الْمَرْاَةُ مُفْضَاةً يُسْتَحَبُّ لَهَا الْوُضُوْءُ لِاحْتِمَالِ خُرُوْجِهَا مِنَ الدُّبُرِ

کیونکہ وہ محل نجاست سے نہیں اٹھتی ہے حتیٰ کہ اگر عورت مفضاۃ ہو تو اس کے لئے وضو کرنا مستحب ہے دبر سے ریح کے نکلنے کے احتمال کی وجہ سے

مقعد، ذکر، فرج سے کیڑا اور ریح کے نکلنے سے وضو کا حکم، زخم کے سر سے کیڑا نکلنے اور گوشت گرنے سے وضو کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ کیڑا جو مقعد کے اندر سے نکلتا ہے وہ وضو توڑتا ہے جیسے ریح اور کنکریوں کا نکلنا ناقض وضو ہے اور اگر کیڑا دبر کے علاوہ کسی اور جگہ کے زخم سے نکلا یا زخم سے گوشت گر پڑا تو یہ ناقض وضو نہیں ہے۔ متن میں دابہ سے مراد کیڑا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ کیڑا فی نفسہ نجس نہیں ہے بلکہ جو اس پر لگا ہے وہ نجس ہے اور یہ نجاست قلیل ہے اور قلیل نجاست سبیلین میں تو سبب حدث یعنی ناقض وضو ہے لیکن غیر سبیلین میں مقدار قلیل ناقض نہیں ہے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ کیڑا اگر پاخانہ کے راستہ سے نکلا تو ناقض ہے اور اگر کسی اور جگہ کے زخم سے نکلا تو ناقض نہیں ہے پس یہ ڈکار اور پھسکی کے مانند ہو گیا یعنی ڈکار چونکہ غیر سبیلین سے ہے اس لئے وہ ناقض نہیں ہے اور پھسکی چونکہ دبر سے نکلتی ہے اس لئے وہ ناقض وضو ہے۔ اس کے برخلاف وہ ریح جو عورت کے فرج یا مرد کے ذکر سے نکلی ہے ناقض نہیں ہے کیونکہ وہ نجاست کی جگہ سے نہیں اٹھتی ہے لیکن اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ حضور ﷺ نے کُلُّ مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيْلَيْنِ کو ناقض فرمایا ہے خواہ ریح ہو یا غیر ریح تو فرج اور ذکر سے نکلنے والی ریح ناقض ہونی چاہیے۔ جواب تمام مجتہدین کا اتفاق ہے کہ حدیث کُلُّ مَا يَخْرُجُ سے کُلُّ نَجِسٍ يَخْرُجُ مراد ہے اور فرج اور ذکر سے نکلنے والی ریح چونکہ نجس نہیں اس لئے وہ ناقض بھی نہیں ہوگی۔

اور اگر کوئی عورت مفضاۃ ہو یعنی پیشاب اور حیض دونوں کے راستے مل گئے ہوں اور اس مفضاۃ کے فرج سے ریح خارج ہوئی تو اس کے لئے وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ریح اس کے دبر سے نکلی ہو اور واجب اس لئے نہیں کہ یقین نہیں ہے اور وضو کا

ہونا متیقن ہے تو ٹوٹ جانے کا حکم بھی یقینی دلیل سے ہوسکتا ہے نہ کہ خالی احتمال سے۔

فَإِنْ قُشِرَتْ نَفْطَةٌ فَسَالَ مِنْهَا مَاءٌ أَوْ صَدِيدٌ أَوْ غَيْرُهُ إِنْ سَالَ عَنْ رَأْسِ الْجُرْحِ نَقَضَ وَإِنْ لَمْ يَسِلْ

پس اگر چھالے کا چھلکا الگ کیا جائے پھر اس سے پانی یا پیپ یا اس کے علاوہ کوئی چیز بہہ پڑے اگر وہ سر زخم سے بہہ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر نہ بہے تو

لَا يَنْقُضُ وَقَالَ زُفَرُ يَنْقُضُ فِي الْوَجْهَيْنِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَنْقُضُ فِي الْوَجْهَيْنِ

نہیں ٹوٹے گا اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں ناقض ہوگا۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں ناقض نہ ہوگا

وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْخَارِجِ مِنْ غَيْرِ السَّبِيلَيْنِ وَهَذِهِ الْجُمْلَةُ نَجِسَةٌ لِأَنَّ الدَّمَ يَنْضَجُ فَيَصِيرُ قَيْحًا ثُمَّ يَزْدَادُ نَضْجًا فَيَصِيرُ صَدِيدًا

اور یہ خارج من غیر سبیلین کا مسئلہ ہے اور یہ تمام نجس ہیں کیونکہ خون پکتا ہے تو وہ کچا لہو ہو جاتا ہے پھر اور پکتا ہے تو پیپ ہو جاتا ہے

ثُمَّ يَصِيرُ مَاءً هَذَا إِذَا قَشَرَهَا فَخَرَجَ بِنَفْسِهِ

پھر (رقیق ہو کر) پانی ہو جاتا ہے۔ مذکورہ حکم اس وقت ہے جبکہ اس کو چھیلا ہو پھر وہ خود بخود نکلا ہو

وَأَمَّا إِذَا عَصَرَهَا فَخَرَجَ بِعَصْرِهِ فَلَا يَنْقُضُ لِأَنَّهُ مُخْرَجٌ وَلَيْسَ بِخَارِجٍ والله اعلم.

لیکن جب اسے نچوڑے پس وہ اس کے نچوڑنے سے نکلے تو ناقض نہ ہوگا کیونکہ وہ نکالا گیا ہے نکلا ہوا نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

چھالے کا چھلکا اترنے سے وضو کا حکم اور دبا کر خون یا پیپ نکالنے سے وضو کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر چھالے کا چھلکا اتر گیا، پھر پانی یا زرد پانی یا اس کے علاوہ نکلا تو اس کی دو صورتیں ہیں سیلان پایا گیا ہے یا نہیں۔ اگر خروج کے ساتھ سیلان بھی پایا گیا تو نقض وضو ہو جائے گا اور اگر سیلان نہیں پایا گیا تو نقض وضو نہیں ہوگا۔ یہ مذہب تو امام زفرؒ کے علاوہ فقہائے احناف کا ہے۔

اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں وضو ٹوٹ جائے گا خواہ سیلان پایا جائے یا نہ پایا جائے۔

اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ درحقیقت یہ مسئلہ خارج من غیر سبیلین کا ہے یعنی خارج من غیر سبیلین، امام زفرؒ کے نزدیک مطلقاً ناقض وضو ہے سیلان ہو یا نہ ہو اور امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً غیر ناقض ہے۔ اور ہمارے نزدیک اگر سیلان پایا جائے تو ناقض ہے ورنہ نہیں۔

صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ یہ سب یعنی زخم کا نکلا ہوا پانی اور زرد پانی اور کچا لہو سب نجس ہیں کیونکہ جب فاسد خون پکتا ہے تو کچا لہو ہو جاتا ہے پھر زیادہ پکتا ہے تو پیپ ہو جاتا ہے پھر رقیق ہو کر پانی ہو جاتا ہے پس جب یہ سب ناپاک ہیں تو خروج نجاست پایا گیا اور خروج نجاست بشرط سیلان ناقض ہے اس لئے ان صورتوں میں بھی نقض وضو ہوگا۔ فرمایا کہ یہ نقض وضو کا حکم اس وقت ہے جبکہ چھالے کا چھلکا اتارا تو نجس مواد خود بخود نکلا، اور اگر خود نہ نکلا بلکہ جب اس چھالے کو دبا کر نچوڑا تو اس کے نچوڑنے سے مواد نکلا تو اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ یہ خارج نہیں ہے بلکہ خارج کیا گیا ہے، واللہ اعلم جمیل احمد عفی عنہ۔

فَصْلٌ فِی الْغُسْلِ

(یہ) فصل احکام غسل کے بیان میں ہے۔

وَفَرْضُ الْغُسْلِ اَلْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ وَغَسْلُ سَائِرِ الْبَدَنِ وَعِنْدَ الشَّافِعِیِّ هُمَا سُنَّتَانِ فِیْهِ لِقَوْلِهٖ
غسل کا فرض کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور تمام بدن کا دھونا ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ دونوں غسل میں مسنون ہیں اس لئے کہ حضور ﷺ
عَلَیْهِ السَّلَامُ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ اَیْ مِنَ السُّنَّةِ وَذَکَرَ مِنْهَا اَلْمَضْمَضَةَ وَالْاِسْتِنْشَاقَ وَلِهٰذَا کَانَا سُنَّتَیْنِ فِی الْوُضُوْءِ
کا فرمان ہے کہ دس چیزیں فطرت یعنی سنت سے ہیں اور ان میں مضمضہ اور استنشاق کا ذکر کیا اسی وجہ سے یہ دونوں وضو میں سنت ہیں
وَلَنَا قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا اَمْرٌ بِالْاِطِّهَارِ وَهُوَ تَطْهِیْرُ جَمِیْعِ الْبَدَنِ اِلَّا اَنَّ مَا تَعَذَّرَ اِیْصَالُ الْمَاءِ
اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ہے (کہ اس میں) اطہار کا حکم ہے اور یہ تمام بدن کا دھونا ہے مگر وہ جگہ کہ جہاں پانی پہنچانا
اِلَیْهِ خَارِجٌ بِخِلَافِ الْوُضُوْءِ لِاَنَّ الْوَاجِبَ فِیْهِ غَسْلُ الْوَجْهِ وَالْمُوَاجَهَةُ فِیْهِمَا مُنْعَدِمَةٌ وَالْمُرَادُ
متعذر ہو وہ خارج ہے بخلاف وضو کے کیونکہ اس میں واجب چہرے کا دھونا ہے اور ان دونوں میں مواجہت معدوم ہے اور جو امام شافعیؒ نے روایت کیا
بِمَا رَوٰی حَالَةُ الْحَدَثِ بِدَلِیْلِ قَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِنَّهُمَا فَرْضَانِ فِی الْجَنَابَةِ سُنَّتَانِ فِی الْوُضُوْءِ
اس سے مراد حدث کی حالت ہے۔ حضور ﷺ کے فرمان کی دلیل کی وجہ سے کہ یہ دونوں جنابت میں فرض ہیں وضو میں سنت ہیں

فرائضِ غسل

تشریح: مصنفؒ نے غسل کے احکام وضو کے احکام کے بعد بیان فرمائے ہیں کیونکہ وضو کی حاجت زائد ہے بہ نسبت غسل کی حاجت کے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ محل وضو جزو بدن ہے اور محل غسل کل بدن ہے اور جزو مقدم ہوتا ہے کل پر۔ اس لئے وضو کے احکام پہلے اور غسل کے احکام بعد میں بیان فرمائے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ کتاب اللہ کی اقتداء مقصود ہے کیونکہ قرآن پاک میں وضو اور غسل کو اسی ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ غسل غین کے ضمہ کے ساتھ بمعنی اغتسال یعنی تمام بدن دھونا۔

فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک غسل میں تین فرض ہیں کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، تمام بدن دھونا۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اسی طرح مسنون ہیں جس طرح وضو میں مسنون ہیں۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دس چیزیں فطرت یعنی سنت سے ہیں۔

بعض نے کہا کہ ان میں سے پانچ چیزوں کا تعلق سر سے ہے اور پانچ کا بدن سے ...... چنانچہ جن چیزوں کا تعلق سر سے ہے وہ یہ ہیں (۱) مانگ نکالنا (۲) مسواک کرنا (۳) کلی کرنا (۴) ناک میں پانی ڈالنا (۵) مونچھ کاٹنا۔

اور جن چیزوں کا تعلق بدن سے ہے وہ یہ ہیں (۱) ختنہ کرانا (۲) زیر ناف بال مونڈنا (۳) بغل کے بال اکھاڑنا (۴) ناخن کٹوانا (۵) پانی سے استنجاء کرنا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا مسنون ہیں۔

دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات غسل میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو قیاس کرتے ہیں وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے پر یعنی جس طرح وضو میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہیں اسی طرح غسل میں بھی سنت ہیں۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب پاکی حاصل کرو۔

یعنی اللہ رب العزت نے مکلفین کو علی سبیل المبالغہ تمام بدن دھونے کا حکم دیا ہے کیونکہ فرمایا فاطہروا، اور تطہیر مبالغہ کے ساتھ پورے بدن کو دھونے کو کہتے ہیں۔ ہاں یہ کہ کسی جگہ پانی پہنچانا، ناممکن ہو تو وہ اس حکم سے خارج ہے جیسے آنکھوں کے اندر کا حصہ۔

اور جہاں پانی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں وہ اس حکم کے تحت باقی ہے پس چونکہ منہ اور ناک کے اندر پانی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں اس لئے ان دونوں کا دھونا بحکم کتاب اللہ فرض ہوگا۔

اس کے برخلاف وضو کہ وضو میں مامور بہ غسل وجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ اور کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا جو محل ہے اس میں مواجہت معدوم ہے۔

اور امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث کو وضو پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ابن عباس اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل جنابت میں فرض ہیں اور وضو میں سنت ہیں۔

وَسُنَّتُهٗ اَنْ يَّبْدَأَ الْمُغْتَسِلُ فَيَغْسِلَ يَدَيْهِ وَفَرْجَهٗ وَيُزِيْلَ النَّجَاسَةَ اِنْ كَانَتْ عَلٰى بَدَنِهٖ
اور غسل کی سنت یہ ہے کہ مغتسل ابتداء کرے پس اپنے دونوں ہاتھ اور اپنی شرمگاہ دھوئے اور نجاست زائل کرے اگر اس کے بدن پر ہو
ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ اِلَّا رِجْلَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى رَأْسِهٖ وَسَائِرِ جَسَدِهٖ ثَلٰثًا ثُمَّ يَتَنَحّٰى عَنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ
پھر (اپنی) نماز کیلئے وضو کی طرح وضو کرے سوائے دونوں پاؤں کے پھر اپنے سر پر اور اپنے تمام بدن پر تین بار پانی بہائے پھر اس جگہ سے ہٹ جائے
فَيَغْسِلَ رِجْلَيْهِ هٰكَذَا حَكَتْ مَيْمُوْنَةُ اِغْتِسَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاِنَّمَا يُؤَخِّرُ غَسْلَ رِجْلَيْهِ لِاَنَّهُمَا
اور اپنے دونوں پیر دھوئے۔ یوں ہی حضرت میمونہؓ نے رسول اللہ ﷺ کا غسل فرمانا نقل کیا ہے اور اپنے دونوں پاؤں کے دھونے کو اس لئے مؤخر کرے کہ
فِيْ مُسْتَنْقَعِ الْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ فَلَا يُفِيْدُ الْغَسْلُ حَتّٰى لَوْ كَانَ عَلٰى لَوْحٍ لَا يُؤَخِّرُ
وہ دونوں مستعمل پانی جمع ہونے کی جگہ میں ہیں پس (ان کا) دھونا مفید نہ ہوگا حتی کہ اگر کسی تختہ پر ہو تو مؤخر نہ کرے
وَاِنَّمَا يَبْدَأُ بِاِزَالَةِ النَّجَاسَةِ الْحَقِيْقِيَّةِ كَيْلَا تَزْدَادَ بِاِصَابَةِ الْمَاءِ
اور نجاست حقیقیہ زائل کرنے کے ساتھ ابتداء کرے تاکہ پانی کے پہنچنے سے بڑھ نہ جائے

سنن غسل

تشریح: غسل میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے کیونکہ یہ دونوں پاک کرنے کا آلہ ہیں اور اپنی شرمگاہ کو دھوئے چونکہ وہ محل نجاست ہے اس لئے احتمال ہے کہ نجاست لگی ہو اور بدن پر اگر نجاست حقیقیہ لگی ہو تو اس کو بھی دور کردے تا کہ پانی بہانے سے اس میں اضافہ نہ ہو۔ پھر وضو کرے جیسے نماز کیلئے وضو کرتا ہے مگر اپنے پاؤں نہ دھوئے پھر سر پر تین مرتبہ پانی بہائے اور تین مرتبہ تمام بدن پر پانی بہائے۔ شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ پہلے دائیں مونڈھے پر تین بار پانی بہائے پھر بائیں مونڈھے پر تین بار پھر تمام بدن پر اور بعض نے کہا دائیں مونڈھے سے ابتداء کرے پھر سر پر پھر بائیں مونڈھے پر پانی ڈالے۔ اور بعض نے کہا کہ سر سے ابتداء کرے۔ قدوری کی عبارت سے یہی ظاہر ہے پھر اس جگہ سے ہٹ کر اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کا غسل فرمانا اسی طرح بیان کیا ہے۔ شیخ ابن الہمام مصنف فتح القدیر رحمۃ اللہ علیہ نے پوری حدیث ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے۔ رَوَی الْجَمَاعَةُ عَنْهَا قَالَتْ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَاءً يَغْتَسِلُ بِهِ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ أَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَغَسَلَ مَذَاكِيرَهُ ثُمَّ دَلَكَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ثُمَّ غَسَلَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحَّى عَنْ مَقَامِهِ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک جماعت نے روایت کی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں حضور ﷺ کے غسل کیلئے پانی رکھا پس آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر انڈیلا، آپ ﷺ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو دھویا پھر آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر انڈیلا پس آپ ﷺ نے اپنی شرمگاہ کو دھویا پھر اپنا ہاتھ زمین پر رگڑا پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر اپنا چہرہ اور اپنے ہاتھوں کو دھویا پھر تین بار اپنا سر دھویا پھر اپنے جسم پر پانی بہایا پھر اس جگہ سے ہٹ کر اپنے قدموں کو دھویا۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ پاؤں دھونا اس لئے مؤخر کیا گیا کہ وہ ماء مستعمل جمع ہونے کی جگہ میں رہتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی اونچی جگہ تختہ یا پتھر وغیرہ پر کھڑے ہو کر غسل کیا تو غسل رجلین کو مؤخر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

وَلَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ أَنْ تَنْقُضَ ضَفَائِرَهَا فِي الْغُسْلِ إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ أُصُولَ الشَّعْرِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِأُمِّ سَلَمَةَ
اور غسل میں عورت پر اپنے گندھے ہوئے بالوں کو کھولنا واجب نہیں جبکہ پانی بالوں کی جڑوں میں پہنچ جائے کیونکہ حضور ﷺ نے ام سلمہؓ
رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا يَكْفِيكِ إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ أُصُولَ شَعْرِكِ وَلَيْسَ عَلَيْهَا بَلُّ ذَوَائِبِهَا
سے فرمایا کہ تجھ کو کفایت کریگا جبکہ پانی تیرے بالوں کی جڑوں میں پہنچ جائے۔ اور عورت پر اپنے گیسوؤں کا تر کرنا (بھی) واجب نہیں ہے
هُوَ الصَّحِيحُ لِمَا فِيهِ مِنَ الْحَرَجِ بِخِلَافِ اللِّحْيَةِ لِأَنَّهُ لَا حَرَجَ فِي إِيصَالِ الْمَاءِ إِلَى أَثْنَائِهَا
یہی قول صحیح ہے کیونکہ اس میں حرج ہے بخلاف داڑھی کے کہ داڑھی کے اندر پانی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں ہے

غسل میں مینڈیاں کھولنا ضروری نہیں

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت کے سر کے بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچ جائے تو اس کو اپنے ضفار یعنی گندھے ہوئے بالوں کا کھولنا واجب نہیں ہے دلیل صحیح مسلم وغیرہ میں ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اِمْرَأَةٌ اَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِيْ اَفَاَنْقُضُهُ فِيْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ فَقَالَ لَا اِنَّمَا يَكْفِيْكِ اَنْ تَحْثِيْ عَلٰى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيْضِيْنَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِيْنَ (فتح القدیر)

یعنی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ایسی عورت ہوں کہ اپنے سر کے موئے بافتہ کو سخت باندھتی ہوں، سو کیا غسل جنابت میں اس کو کھول ڈالوں، تو فرمایا کہ نہیں بلکہ تجھے تو یہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین چلو ڈال پھر اپنے اوپر پانی بہالے سو تو پاک ہو جائیگی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس عورت پر بالوں کا بھگونا واجب نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس عورت پر بٹے ہوئے گیسوؤں کا تر کرنا بھی واجب نہیں ہے یہی صحیح ہے۔ دلیل یہ ہے کہ گیسو تر کرنے میں عورت کے حق میں حرج ہے۔ اس کے برخلاف داڑھی کہ اس کے اندر پانی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں ہے لہٰذا داڑھی کے اندر پانی پہنچانا واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر عورت کے بال کھلے ہوں تو ان کے درمیان بھی پانی پہنچانا واجب ہے کیونکہ اب اس میں کوئی حرج اور مشقت نہیں ہے۔

قَالَ وَالْمَعَانِي الْمُوْجِبَةُ لِلْغُسْلِ اِنْزَالُ الْمَنِيِّ عَلٰى وَجْهِ الدَّفْقِ وَالشَّهْوَةِ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ حَالَةَ النَّوْمِ وَالْيَقْظَةِ
فرمایا اور غسل کو واجب کرنے والے اسباب شہوت اور کودنے کے طور پر نزول منی ہے خواہ مرد سے ہو یا عورت سے۔ نیند کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں
وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ خُرُوْجُ الْمَنِيِّ كَيْفَ مَا كَانَ يُوْجِبُ الْغُسْلَ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ
اور امام شافعیؒ کے نزدیک منی کا نکلنا جس طرح بھی ہو غسل واجب کرتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ پانی پانی سے (واجب) ہوتا ہے
اَيِ الْغُسْلُ مِنَ الْمَنِيِّ وَلَنَا اَنَّ الْاَمْرَ بِالتَّطْهِيْرِ يَتَنَاوَلُ الْجُنُبَ وَالْجَنَابَةُ فِي اللُّغَةِ خُرُوْجُ الْمَنِيِّ عَلٰى وَجْهِ الشَّهْوَةِ
یعنی غسل منی سے واجب ہوتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تطہیر کا حکم جنب کو شامل ہے اور جنابت لغت میں شہوت کے طریق پر منی کے نکلنے کو کہتے ہیں
يُقَالُ اَجْنَبَ الرَّجُلُ اِذَا قَضٰى شَهْوَتَهٗ مِنَ الْمَرْأَةِ وَالْحَدِيْثُ مَحْمُوْلٌ عَلَى الْخُرُوْجِ عَنْ شَهْوَةٍ
کہا جاتا ہے اَجْنَبَ الرَّجُلُ جب مرد کسی عورت سے اپنی شہوت پوری کرے اور حدیث شہوت کے ساتھ نکلنے پر محمول ہے
ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ اِنْفِصَالُهٗ عَنْ مَكَانِهٖ عَلٰى وَجْهِ الشَّهْوَةِ وَعِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ ظُهُوْرُهٗ اَيْضًا
پھر طرفین کے نزدیک شہوت کے ساتھ منی کا اپنے مکان سے جدا ہونا ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا ظہور بھی (معتبر) ہے

اِعْتِبَارًا لِلْخُرُوْجِ بِالْمُزَايَلَةِ اِذِ الْغُسْلُ يَتَعَلَّقُ بِهِمَا وَلَهُمَا اَنَّهُ مَتٰى وَجَبَ مِنْ وَّجْهٍ فَالْاِحْتِيَاطُ فِي الْاِيْجَابِ

خروج کو جدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے کیونکہ غسل دونوں کے ساتھ متعلق ہے اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب من وجہ واجب ہو جائے تو احتیاط واجب کرنے میں ہی ہے

موجبات غسل

تشریح: مصنف ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں موجبات غسل کو بیان فرمایا ہے پہلا سبب شہوت کے ساتھ کود کر منی کا نکلنا ہے خواہ انزال منی مرد سے ہوا ہو یا عورت سے نیند کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں، ہر صورت میں غسل واجب ہوگا امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ مطلقاً خروج منی سے غسل واجب ہوگا خواہ منی شہوت کے ساتھ نکلی ہو یا بغیر شہوت کے چنانچہ اگر وزن اٹھانے کی وجہ سے منی نکل گئی ہو یا بلند جگہ سے گرنے کی وجہ سے نکل گئی ہو یا پشت پر ڈنڈا وغیرہ مارنے سے نکل گئی ہو تو ان صورتوں میں ہمارے نزدیک غسل واجب نہیں ہوگا۔ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہوگا۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ ہے یعنی غسل منی سے واجب ہوتا ہے۔ یہ حدیث شہوت کی قید سے مطلق ہے لہٰذا اَلْمُطْلَقُ يَجْرِيْ عَلٰى اِطْلَاقِهٖ کے مطابق اپنے اطلاق پر باقی رہے گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا آیت میں تطہیر کا حکم جنبی کو شامل ہے اور لغت میں جنابت کہتے ہیں شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے کو چنانچہ جب کوئی مرد کسی عورت سے اپنی شہوت پوری کر لے تو عرب والے کہتے ہیں اَجْنَبَ الرَّجُلُ پس معلوم ہوا کہ منی کا شہوت کے ساتھ نکلنا جنابت ہے لہٰذا انزال منی بشہوت سے غسل واجب ہوگا۔ اور رہی وہ حدیث جس کو امام شافعیؒ نے پیش کیا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث خروج منی بشہوت پر محمول ہے۔ کیونکہ حدیث اپنے الفاظ کے اعتبار سے عام ہے اس لئے کہ یہ پیشاب، مذی، ودی، منی بشہوت اور بغیر شہوت سب کو شامل ہے اور بالاتفاق حدیث میں تمام چیزیں مراد نہیں ہیں پس چونکہ منی بشہوت سے بالاتفاق غسل واجب ہو جاتا ہے اس لئے اس حدیث کو اسی پر محمول کیا جائیگا۔ ہمارے مسلک کی تائید حضرت عائشہؓ کی بیان کردہ منی کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے آپ نے کہا کہ اَلْمَنِيُّ بِاَنَّهٗ اَبْيَضُ ثَخِيْنٌ يَنْكَسِرُ مِنْهُ الذَّكَرُ یعنی منی سفید گاڑھی ہوتی ہے جس سے عضو تناسل منکسر ہو جاتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ انکسار شہوت کے بعد ہی ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بغیر شہوت کے جو منی نکلے وہ منی ہی نہیں کہ اس سے غسل واجب ہو۔

علمائے احناف رحمہم اللہ اس پر تو متفق ہیں کہ وجوب غسل کے لئے ضروری ہے کہ جب منی اپنی جگہ یعنی صلب سے جدا ہو تو شہوت پائی جائے مگر جب عضو تناسل سے باہر نکلے گی تو اس وقت شہوت کا ہونا شرط ہے یا نہیں۔ تو اس بارے میں اختلاف ہے چنانچہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ظہور منی کے وقت شہوت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس وقت بھی شہوت کا ہونا ضروری ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل قیاس ہے یعنی جس طرح اپنے مکان یعنی صلب سے جدا ہونے کے وقت شہوت ضروری ہے

اسی طرح عضو تناسل سے نکلتے وقت بھی شہوت کا ہونا ضروری ہے اور علت جامعہ یہ ہے کہ غسل کا تعلق دونوں کے ساتھ ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ انفصال منی کے وقت چونکہ شہوت پائی گئی۔ اس لئے اس کا تقاضا ہے کہ غسل واجب ہو اور خروج کے وقت چونکہ شہوت نہیں پائی گئی اس لئے اس کا مقتضی ہے کہ غسل واجب نہ ہو۔ پس اس صورت میں غسل واجب ہونے اور واجب نہ ہونے دونوں کا احتمال ہے مگر ہم نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے غسل واجب کیا ہے۔

ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ ایک شخص نے استمناء بالید کیا اور اپنے عضو تناسل کو پکڑ لیا پس جب شہوت ختم ہوگئی تو منی بلا شہوت کے نکلی تو اس صورت میں طرفین کے نزدیک غسل واجب ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہوگا۔

فوائد: انزال باب افعال کا مصدر ہے نزالہ (نون کے ساتھ) سے ماخوذ ہے معنی ہیں مرد کا پانی۔ یہاں تین لفظ قابل ذکر ہیں، منی، مذی، ودی اول موجب غسل ہے اور ثانی اور ثالث موجب وضو ہیں۔ ان تینوں میں فرق عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مصنف میں قتادہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا کہ منی کو وہ کودنے والا پانی ہے جس میں شہوت ہو اور اس سے بچہ پیدا ہو سکتا ہو۔ اور مذی وہ پانی ہے جو ملاعبت کے وقت نکلتا ہے اور ودی وہ پانی ہے جو پیشاب کے ساتھ اور پیشاب کے بعد نکلتا ہے (عینی)۔

شیخ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مذی کے بارے میں دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ ہر مرد کو مذی آتی ہے اور دراصل یہ تین چیزیں ہیں (۱) مذی (۲) ودی (۳) منی۔ پس مذی تو یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کے ساتھ ملاعبت کرتا ہے تو اس کے عضو تناسل پر ایک چیز ظاہر ہوتی ہے لہٰذا وہ اپنے ذکر اور خصیتین کو دھو ڈالے اور وضو کرے نہ کہ غسل۔ اور ودی وہ ہے جو پیشاب کے بعد ہوتی ہے یہاں بھی اپنے ذکر اور خصیتین کو دھو کر وضو کرنا واجب ہوگا نہ کہ غسل۔ اور منی وہ عظیم پانی ہے جو شہوت کے ساتھ نکلتا ہے اس میں غسل واجب ہوگا۔

علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ مذی سفید پتلا چکنا پانی ہوتا ہے جو ملاعبت کی وجہ سے شہوت کے وقت نکلتا ہے مگر اس کے بعد طبیعت میں فتور پیدا نہیں ہوتا۔

اور صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مذی وہ پانی ہے جو رقیق ہو اور سفیدی کی طرف مائل ہو ملاعبت کے وقت نکلا ہو۔

وَالْتِقَاءُ الْخِتَانَيْنِ مِنْ غَيْرِ اِنْزَالٍ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ وَغَابَتِ الْحَشَفَةُ وَجَبَ
اور بغیر انزال کے باہم دونوں ختان کا ملنا (بھی موجب غسل ہے) بغیر انزال کے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جب دونوں ختان ملیں اور حشفہ چھپ جائے تو غسل
الْغُسْلُ اَنْزَلَ اَوْلَمْ يُنْزِلْ وَلِاَنَّهٗ سَبَبٌ لِلْاِنْزَالِ وَنَفْسُهٗ يَتَغَيَّبُ عَنْ بَصَرِهٖ وَقَدْ يَخْفٰى عَلَيْهِ
واجب ہو جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ اور اس لئے کہ التقاء سبب انزال ہے اور حشفہ (آلہ) اس کی نظر سے غائب ہوتا ہے اور (انزال) کبھی اس شخص پر خود مخفی ہوتا ہے

لِقِلَّتِهٖ فَيُقَامُ مَقَامَهٗ وَكَذَا الْإِيْلَاجُ فِي الدُّبُرِ لِكَمَالِ السَّبَبِيَّةِ وَيَجِبُ عَلَى الْمَفْعُوْلِ بِهٖ اِحْتِيَاطاً
قلت منی کی وجہ سے پس التقاء ختانین انزال کے قائم مقام ہوگا اور یہی حال ادخال فی الدبر کا ہے سببیت کے پورا ہونے کی وجہ سے اور احتیاطاً مفعول بہ پر بھی واجب ہوگا
بِخِلَافِ الْبَهِيْمَةِ وَمَادُوْنَ الْفَرْجِ لِاَنَّ السَّبَبِيَّةَ نَاقِصَةٌ
بخلاف چوپایہ اور فرج کے علاوہ کے اس لئے کہ سببیت ناقص ہے

التقاءِ ختانین موجب غسل ہے

تشریح: ختان عورت اور مرد کے ختنہ (قطع) کرنے کی جگہ۔ عرب کی عادت تھی کہ وہ مردوں کی طرح عورتوں کی ختنہ بھی کیا کرتے تھے۔ ابن الہمام نے لکھا ہے کہ ختنہ مرد کے لئے سنت ہے اور عورت کے لئے مکرمت ہے اس لئے کہ مختونہ عورت کے ساتھ جماع کرنے میں زیادہ لذت ہے۔ مرد اگر ختنہ کرانا چھوڑ دے تو اس کو مجبور کیا جائے گا ہاں اگر ختنہ سے ہلاک ہونے کا غالب گمان ہو تو مجبور نہیں کیا جائے گا اور اگر عورت ختنہ نہ کرائے تو اس کو مجبور نہیں کیا جائیگا۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر ختانین باہم مل جائیں اور حشفہ (سپاری) عورت کی شرمگاہ میں چھپ جائے تو دونوں پر غسل واجب ہوگا انزال ہو یا نہ ہو۔ دلیل یہ حدیث ہے اِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ وَ غَابَتِ الْحَشَفَةُ وَجَبَ الْغُسْلُ اَنْزَلَ اَوْ لَمْ يُنْزِلْ یعنی دونوں ختان جب باہم مل جائیں اور حشفہ غائب ہو جائے تو غسل واجب ہوگا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جس چیز پر حکم مرتب ہو اگر وہ مخفی ہے اور اس کا کوئی سبب ظاہر ہے تو یہ سبب ظاہر اس امر مخفی کے قائم مقام ہوگا اور حکم اس سبب پر مرتب ہوگا پس یہاں التقاء ختانین انزال کا سبب ہے اور نفس انزال جس پر غسل مرتب ہوتا ہے وہ ایک مخفی چیز ہے کیونکہ نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے اور کبھی قلت منی کی وجہ سے محسوس بھی نہیں ہوتا کہ انزال ہوا یا نہیں۔ اس لئے التقاء، انزال کے قائم مقام ہوگا اور غسل کا ترتب التقاء پر ہوگا نہ کہ انزال پر۔

اور اگر فرج کے علاوہ مقعد میں ادخال کیا تو بھی غسل واجب ہوگا کیونکہ اس صورت میں بھی کمال سببیت موجود ہے حتی کہ بہت سے فساق اس راہ سے قضاء شہوت کو ترجیح دیتے ہیں قبل کی طرف سے قضاء شہوت کے مقابلہ میں اسی وجہ سے بعض فقہاء نے کہا کہ نماز میں امرد لڑکوں کی محاذات اسی طرح مفسد صلوٰۃ ہے جس طرح عورتوں کی محاذات مفسد صلوٰۃ ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ احتیاطاً مفعول بہ پر بھی غسل واجب ہوگا کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ مفعول بہ بھی لذت محسوس کرے اور خروج منی ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ لذت محسوس نہ کرے اور خروج منی نہ ہو اور طہارت میں چونکہ احتیاط مطلوب ہے اس لئے مفعول بہ پر غسل واجب ہوگا اس کے برخلاف اگر چوپایہ کے ساتھ ادخال کا معاملہ کیا یا سبیلین کے علاوہ ران وغیرہ میں یہ حرکت کی تو بغیر انزال کے محض ادخال کی وجہ سے غسل واجب نہیں ہوگا کیونکہ ان صورتوں میں سببیت ناقص ہے اس

لئے کہ طبیعت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

وَالْحَيْضُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى حَتَّى يَطَّهَّرْنَ بِالتَّشْدِيْدِ وَكَذَا النِّفَاسُ بِالْإِجْمَاعِ

اور حیض (موجب غسل ہے) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یہاں تک کہ عورتیں خوب پاک ہو جائیں۔ (یہ صیغہ) تشدید کے ساتھ ہے اور (یہی حکم) بالاجماع نفاس کا ہے

حیض ونفاس موجب غسل ہیں

تشریح:۔ موجبات غسل میں سے تیسری حیض ہے اور بعض نے کہا کہ انقطاع حیض موجب غسل ہے دلیل باری تعالیٰ کا قول حَتّٰى يَطَّهَّرْنَ (تشدید کے ساتھ) ہے یعنی حائضہ عورتوں کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ وہ خوب پاک ہو جائیں اور یہ خوب پاک ہونا اسی وقت ہوگا جب کہ خون منقطع ہونے کے بعد غسل بھی کر لے۔ لیکن اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ يَطْهُرْنَ بغیر تشدید يَطْهُرْنَ کے بھی قراءت متواترہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دو قراءتیں بمنزلہ دو آیت کے ہوتی ہیں۔ پس امام صاحبؒ نے دونوں پر عمل کیا اس طرح کہ دس ایام حیض جب پورے گذر کے خون بند ہوا تو شوہر کو اس سے وطی کرنا جائز ہے اگرچہ غسل نہ کرے۔ اس صورت میں بغیر تشدید يَطْهُرْنَ کی قراءت دلیل ہوگی کیونکہ خون بند ہو کر پاک ہوگئی اور جب دس دن سے کم میں خون بند ہوا تو وطی جائز ہونے کے لئے اس پر غسل واجب ہوگا۔ تشدید کے ساتھ يَطَّهَّرْنَ پر عمل کرنے کی وجہ سے یہی حکم نفاس کا ہے یعنی بالاجماع نفاس بھی موجب غسل ہے۔

وَسَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْغُسْلَ لِلْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ وَعَرَفَةَ وَالْإِحْرَامِ صَاحِبُ الْكِتَابِ نَصَّ

اور رسول اللہ ﷺ نے جمعہ، عیدین، عرفہ اور احرام کے لئے غسل کو مسنون کیا۔ صاحب کتاب نے ان غسلوں کے مسنون ہونے کی

عَلَى السُّنِّيَّةِ وَقِيْلَ هٰذِهِ الْاَرْبَعَةُ مُسْتَحَبَّةٌ وَسَمّٰى مُحَمَّدٌ اَلْغُسْلَ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ حَسَنًا فِي الْاَصْلِ وَقَالَ مَالِكٌ

تصریح کردی ہے اور کہا گیا کہ یہ چاروں مستحب ہیں۔ اور امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں جمعہ کے دن غسل کو حسن کہا ہے۔ اور امام مالکؒ نے فرمایا

وَاجِبٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ اَتَى الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

کہ واجب ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص جمعہ میں آئے وہ غسل کرے۔ ہماری دلیل آپ علیہ السلام کا قول ہے کہ

مَنْ تَوَضَّاَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَهُوَ اَفْضَلُ وَبِهٰذَا يُحْمَلُ مَا رَوَاهُ عَلَى الْاِسْتِحْبَابِ

جس نے جمعہ کے دن وضو کیا تو بہتر ہے اور جس نے غسل کیا تو یہ افضل ہے اور اسی حدیث کی وجہ سے امام مالک کی روایت کردہ حدیث کو استحباب پر یا منسوخ ہو جانے پر محمول کیا جائے گا

اَوْ عَلَى النَّسْخِ ثُمَّ هٰذَا الْغُسْلُ لِلصَّلٰوةِ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ وَهُوَ الصَّحِيْحُ لِزِيَادَةِ فَضِيْلَتِهَا عَلَى الْوَقْتِ

پھر یہ غسل ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز کیلئے ہے اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ نماز کو وقت پر فضیلت ہے

وَاخْتِصَاصِ الطَّهَارَةِ بِهَا وَفِيْهِ خِلَافُ الْحَسَنِ وَالْعِيْدَانِ بِمَنْزِلَةِ الْجُمُعَةِ لِاَنَّ فِيْهِمَا
اور طہارت کو نماز کے ساتھ اختصاص ہے اور اس میں حسنؒ کا اختلاف ہے۔ اور دونوں عیدیں جمعہ کے مرتبہ میں ہیں کیونکہ ان دونوں میں اجتماع
الْاِجْتِمَاعَ فَيُسْتَحَبُّ الْاِغْتِسَالُ دَفْعًا لِلتَّاَذِّيْ بِالرَّائِحَةِ وَاَمَّا فِيْ عَرَفَةَ وَالْاِحْرَامِ فَسَنُبَيِّنُهُ فِي الْمَنَاسِكِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى
ہوتا ہے پس بدبو کی وجہ سے ہونے والی تکلیف کو دور کرنے کیلئے غسل کرنا مستحب ہوگا اور بہر حال عرفہ اور احرام میں سو ہم اس کو ان شاء اللہ مناسک میں بیان کریں گے۔

مسنون غسل

تشریح:۔ اس عبارت میں غسل مسنون کا بیان ہے۔ قدوری نے چار صورتوں میں غسل کے مسنون ہونے کی تصریح کردی ہے۔ (۱) جمعہ (۲) عیدین (۳) عرفہ (احرام)۔ اور بعض نے کہا کہ یہ چاروں مستحب ہیں۔ اور امام محمدؒ نے مبسوط میں جمعہ کے دن کے غسل کو حسن کہا ہے۔ اور امام مالکؒ وجوب کے قائل ہیں امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مَنْ اَتَى الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ دوسری مسلم کی حدیث ہے جس کو ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ یعنی جمعہ کے روز ہر بالغ پر غسل کرنا واجب ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن وضو کیا تو فبہا اور جس نے غسل کیا تو یہ افضل ہے۔ اس حدیث سے سنیت کا اثبات تو نہیں ہوگا البتہ استحباب ثابت ہو جائے گا۔ پس چونکہ حدیث وجوب اور اس حدیث میں بظاہر تعارض پیدا ہو گیا ہے اس لئے ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دی جائے یا ناسخ منسوخ مانا جائے۔

صاحبؒ ہدایہ نے فرمایا کہ امام مالکؒ کی پیش کردہ حدیث مَنْ اَتَى الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ کو استحباب پر محمول کیا جائے تا کہ دونوں حدیثوں میں توفیق ہو سکے اور تعارض باقی نہ رہے۔ اور ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں واجب کے متعارف معنی مراد نہیں بلکہ واجب کے معنی متاکد لازم کے ہیں۔ پس اب اس حدیث سے جمعہ کے دن غسل کرنا سنت مؤکدہ ہوا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث وجوب کو نسخ پر محمول کیا جائے یعنی ابتدائے اسلام میں جمعہ کے دن غسل کرنا واجب تھا مگر اس کے بعد منسوخ ہو گیا۔ اور نسخ پر دلیل وہ ہے جس کو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اِنَّ اُنَاسًا مِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ جَاءُوْا فَقَالُوْا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ اَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبًا فَقَالَ لَا وَلٰكِنَّهُ طُهُوْرٌ وَخَيْرٌ لِمَنِ اغْتَسَلَ وَمَنْ لَمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِبٍ وَسَاُخْبِرُكُمْ كَيْفَ بَدَاَ الْغُسْلُ كَانَ النَّاسُ مَجْهُوْدِيْنَ يَلْبَسُوْنَ الصُّوْفَ وَيَعْمَلُوْنَ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ وَكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيِّقًا مُقَارِبَ السَّقْفِ اِنَّمَا هُوَ عَرِيْشٌ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ يَوْمٍ حَارٍّ وَعَرِقَ النَّاسُ فِيْ ذٰلِكَ الصُّوْفِ حَتّٰى ثَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاحٌ حَتّٰى اٰذٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمَّا وَجَدَ ﷺ

بِتِلْکَ الرِّیَاحِ قَالَ یَااَیُّھَا النَّاسُ اِذَا کَانَ ھٰذَا الْیَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْیَمَسَّ اَحَدُکُمْ اَمْثَلَ مَا یَجِدُہٗ مِنْ دُھْنِہٖ وَطِیْبِہٖ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ جَاءَ اللّٰہُ بِالْخَیْرِ وَلَبِسُوْا غَیْرَ الصُّوْفِ وَکُفُوْا الْعَمَلَ وَوُسِّعَ مَسْجِدُھُمْ وَذَھَبَ بَعْضُ الَّذِیْ کَانَ یُؤْذِیْ بَعْضُھُمْ بَعْضًا مِنَ الْعَرَقِ۔ یعنی عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عراق کے کچھ لوگوں نے کہا کہ اے ابن عباسؓ کیا آپ جمعہ کے غسل کو واجب سمجھتے ہیں، ابن عباسؓ نے کہا نہیں لیکن جس شخص نے غسل کیا اس کے لئے بہتر اور جس نے غسل نہیں کیا اس پر غسل کرنا واجب نہیں ہے۔ اور میں آپ لوگوں کو بتلاؤں غسل کی ابتدا کیسے ہوئی (واقعہ یہ ہے کہ) لوگ محنت مشقت کرتے اور اونی کپڑے پہنتے، اور ان کی مسجد تنگ نیچی چھت والی تھی گویا جھونپڑی تھی۔ ایک دن حضور ﷺ گرم دن میں تشریف لائے اور لوگ اونی کپڑوں کی وجہ سے پسینہ سے شرابور تھے حتی کہ ان سے (پسینہ کی) بدبودار ہوائیں اڑ کر لوگوں کو تکلیف پہنچا رہی تھیں۔ پس آپ ﷺ نے ان ہواؤں کو دیکھا تو فرمایا کہ لوگو اس دن (جمعہ کے دن) غسل کیا کرو اور تیل یا خوشبو لگایا کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا معاملہ کیا (یعنی لوگوں کی حالت درست فرمائی) اور اونی کپڑوں کے علاوہ پہننے لگے اور کام سے بھی رک گئے اور ان کی مسجد بھی کشادہ ہوگئی اور تکلیف دہ چیز یعنی پسینہ بھی جاتا رہا (تو غسل کا وجوب ساقط ہوگیا) اس پوری روایت سے واضح ہوگیا کہ ابتداء میں جمعہ کے روز غسل کرنا واجب تھا اس کے بعد وجوب منسوخ ہوگیا رہی یہ بات کہ جمعہ کے دن کا غسل جمعہ کے دن کی وجہ سے مسنون ہے یا نماز جمعہ کی وجہ سے سو اس بارے میں اختلاف ہے حسن بن زیادؒ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کی فضیلت یوم یعنی جمعہ کے دن کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے سَیِّدُ الْاَیَّامِ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ۔

اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ فضیلت غسل نماز جمعہ کی وجہ سے ہے اور بقول ملاعلی یہی صحیح ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا: اِذَا جَاءَ اَحَدُکُمُ الْجُمُعَۃَ فَلْیَغْتَسِلْ (شیخین) یعنی تم میں سے جو شخص جمعہ کو پائے تو وہ نماز جمعہ کیلئے غسل کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز جمعہ کو یوم جمعہ پر فضیلت حاصل ہے اور جمعہ کے دن کی سیادت نماز جمعہ ہی کی وجہ سے ہے نیز طہارت کا تعلق نماز کے ساتھ ہے نہ کہ یوم اور وقت کے ساتھ اس لئے بھی فضیلت غسل نماز کی وجہ سے ہونی چاہیے نہ کہ یوم جمعہ کی وجہ سے۔

امام ابو یوسفؒ اور حسن بن زیادؒ کے درمیان ثمرہ اختلاف اس میں ظاہر ہوگا کہ ایک شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا پھر حدث لاحق ہوا اور وضو کیا اور نماز جمعہ ادا کی۔ تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سنت غسل ادا نہیں ہوئی۔ البتہ حسن بن زیادؒ کے نزدیک ادا ہوگئی۔ صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ عیدین بمنزلہ جمعہ کے ہیں کیونکہ ان دونوں میں بھی لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے پس غسل کر لینا مستحب ہے تا کہ پسینہ وغیرہ کی بدبو سے ایذا پہنچنا دفع ہو۔ عیدین کی نماز کیلئے غسل کرنا احادیث سے بھی ثابت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ اِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَغْتَسِلُ یَوْمَ الْعِیْدَیْنِ یعنی حضور ﷺ عیدین کے دن غسل فرماتے تھے۔

اور عرفہ اور احرام کیلئے غسل کا بیان باب المناسک میں آئیگا فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ حاصل یہ کہ غسل کی گیارہ انواع ہیں ان میں سے پانچ فرض ہیں (۱) انزال منی کی وجہ سے (۲) التقاء ختانین کی وجہ سے (۳) احتلام کی وجہ سے (۴) حیض کی وجہ سے (۵) نفاس کی وجہ سے۔ چار سنت ہیں (۱) جمعہ کے دن کا غسل (۲) عرفہ کے دن (۳) عیدین کے دن (۴) احرام کے وقت ایک واجب ہے یعنی غسل میت اور ایک مستحب ہے یعنی کافر جب مسلمان ہوا اور جنبی نہ ہو تو اس پر غسل کرنا مستحب ہے۔

قَالَ وَ لَيْسَ فِي الْمَذِيِّ وَالْوَدِيِّ غُسْلٌ وَفِيهِمَا الْوُضُوْءُ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُلُّ فَحْلٍ يُمْذِيْ وَفِيْهِ الْوُضُوْءُ
فرمایا اور مذی اور ودی میں غسل نہیں اور ان دونوں میں وضو ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر مرد مذی لاتا ہے اور اس میں وضو ہے
وَالْوَدِيُّ الْغَلِيْظُ مِنَ الْبَوْلِ يَتَعَقَّبُ الرَّقِيْقَ مِنْهُ خُرُوْجًا فَيَكُوْنُ مُعْتَبَرًا بِهٖ وَالْمَنِيُّ خَاثِرٌ اَبْيَضُ يَنْكَسِرُ
اور ودی گاڑھا پیشاب ہوتا ہے جو رقیق پیشاب کے بعد نکلتا ہے لہٰذا وہ اسی پر قیاس کیا جائے گا۔ اور منی گاڑھی سفید ہے جس کے نکلنے سے ذکر
مِنْهُ الذَّكَرُ وَالْمَذِيُّ رَقِيْقٌ يَضْرِبُ اِلَى الْبَيَاضِ يَخْرُجُ عِنْدَ مُلَاعَبَةِ الرَّجُلِ اَهْلَهٗ
سست پڑ جاتا ہے۔ اور مذی پتلی (زرد) سفیدی کی طرف مائل ہے (جو) مرد کے اپنی بیوی کے ساتھ ملاعبت کرنے کے وقت نکلا کرتی ہے
وَالتَّفْسِيْرُ مَأْثُوْرٌ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا
اور یہ تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے

مذی اور ودی میں وضو واجب ہے

تشریح:۔ صاحب کتاب نے فرمایا کہ مذی اور ودی نکلنے کی صورت میں غسل واجب نہیں ہوتا البتہ وضو واجب ہوتا ہے دلیل حضور ﷺ کا ارشاد كُلُّ فَحْلٍ يُمْذِيْ وَفِيْهِ الْوُضُوْءُ ہے یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ جب مذی اور ودی سے وضو واجب ہوتا ہے اور غسل واجب نہیں ہوتا تو ان دونوں کو فصل فی الوضوء میں ذکر کرنا چاہیے تھا نہ کہ فصل فی الغسل میں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں چونکہ منی کے مشابہ ہیں اس لئے ان دونوں کو فصل فی الغسل میں ذکر کیا گیا۔ اور بہتر توجیہ یہ ہے کہ یہاں ان دونوں کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ امام احمدؒ ایک روایت میں وجوب غسل کے قائل ہیں پس یہاں ان دونوں کا ذکر امام احمدؒ کے قول کی تردید کیلئے کیا گیا ۔دوسرا سوال یہ ہوگا کہ جب ماقبل میں یہ بات معلوم ہوگئی کہ كُلُّ مَا خَرَجَ مِنَ السَّبِيْلَيْنِ ناقض وضو ہے تو اس میں مذی اور ودی کا ذکر بھی موجود ہے پس ان کو علیحدہ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

جواب ان دونوں کا ذکر صراحۃً کیا گیا ہے امام مالکؒ کے قول کی تردید کے لئے کیونکہ امام مالکؒ ان دونوں کے نکلنے سے وجوب غسل کے قائل نہیں ہیں۔ تیسرا سوال ہوگا کہ ودی کے نکلنے سے وضو کرنا کیسے متصور ہوگا اس لئے کہ ودی پیشاب کے بعد نکلتی ہے لہٰذا وضو ودی سے پہلے ہی پیشاب کی وجہ سے واجب ہو گیا ودی کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

جواب اس کی صورت یہ ہے کہ پیشاب کیا پھر وضو کیا پھر ودی نکلی تو اس شخص پر وضو کرنا واجب ہوگا۔ منی اور مذی اور ودی کی تعریفیں سابق میں بھی گذر چکیں اور یہاں بھی ترجمہ کے تحت مذکور ہیں ملاحظہ کر لیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب، جمیل احمد عفی عنہ۔

بَابُ الْمَاءِ الَّذِیْ یَجُوْزُ بِهِ الْوُضُوْءُ وَمَالَا یَجُوْزُ بِهٖ

ترجمہ: (یہ) باب اس پانی کے (بیان میں) ہے جس سے وضو جائز ہے اور جس سے وضو کرنا جائز ہے۔

تشریح: جب فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ طہارتین یعنی وضو اور غسل کے بیان سے فراغت پا چکے تو اس باب میں اس چیز کو بیان فرمائیں گے جس سے طہارت حاصل ہوتی ہے یعنی ماء مطلق، ماء مطلق سے مراد بارش کا پانی، وادیوں کا پانی، چشموں کا پانی، کنوؤں کا پانی اور دریاؤں کا پانی ہے۔ اور اس کے مطہر ہونے پر دلیل باری تعالیٰ کا قول وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا اور حضور ﷺ کا قول اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا یُنَجِّسُهٗ شَیْءٌ اِلَّا مَا غَیَّرَ لَوْنَهٗ اَوْطَعْمَهٗ اَوْرِیْحَهٗ ہے۔

اَلطَّهَارَةُ مِنَ الْاَحْدَاثِ جَائِزَةٌ بِمَاءِ السَّمَاءِ وَالْاَوْدِیَةِ وَالْعُیُوْنِ وَالْاٰبَارِ وَالْبِحَارِ لِقَوْلِهٖ
احداث سے پاکی حاصل کرنا، آسمان کے پانی سے وادیوں، چشموں، کنوؤں اور دریاؤں کے پانی سے جائز ہے کیونکہ
تَعَالٰی وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا وَقَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا یُنَجِّسُهٗ شَیْءٌ
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا۔ اور (کیونکہ) حضور ﷺ کا قول ہے، پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرسکتی
اِلَّا مَا غَیَّرَ لَوْنَهٗ اَوْطَعْمَهٗ اَوْرِیْحَهٗ وَقَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِی الْبَحْرِ هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهٗ وَالْحِلُّ مَیْتَتُهٗ
مگر وہ جو اس کا رنگ یا مزہ یا بو بدل دے۔ اور (اس لئے کہ) حضور ﷺ کا دریا کے بارے میں فرمان ہے کہ اس کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے
وَمُطْلَقُ الْاِسْمِ یُطْلَقُ عَلٰی هٰذِهِ الْمِیَاهِ
اور مطلق اسم ان پانیوں پر بولا جاتا ہے

جن پانیوں سے طہارت حاصل کرنا صحیح ہے

تشریح:۔ اَحداث، حَدَث کی جمع ہے اور حدث کی دو قسمیں ہیں حدث اصغر اور حدث اکبر۔ یا یوں کہا جائے کہ حدث کی دو قسمیں حدث غلیظ اور حدث خفیف ہیں بہر حال اَحداث سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے آسمان کے پانی کے ساتھ وادیوں کے پانی کے ساتھ، چشموں کے پانی کے ساتھ، کنوؤں اور دریاؤں کے پانی کے ساتھ، دلیل باری تعالیٰ کا قول وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا یعنی ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا اور حضور ﷺ کا قول اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا یُنَجِّسُهٗ شَیْءٌ اِلَّا مَا غَیَّرَ لَوْنَهٗ اَوْطَعْمَهٗ اَوْرِیْحَهٗ۔ یعنی پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرسکتی مگر یہ کہ اس کا رنگ یا مزہ یا اس کی بو متغیر کردے۔ اور اصحاب سنن اربعہ رحمہم اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اِنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَرْکَبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِیْلَ مِنَ الْمَاءِ فَاِنْ تَوَضَّأْنَا بِهٖ عَطِشْنَا اَفَنَتَوَضَّأُ مِنَ الْبَحْرِ فَقَالَ عَلَیْهِ

الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهٗ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهٗ یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم دریاؤں میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے ساتھ تھوڑا سا پانی ہوتا ہے پس اگر ہم اس سے وضو کریں تو پیاسے رہ جائیں گے، کیا ہم دریا کے پانی سے وضو کر لیا کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کا پانی پاک اور مردار حلال ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سمندر اور دریا کا پانی پاک ہے چشموں، کنوؤں اور وادیوں کا پانی بھی درحقیقت آسمان کا پانی ہے چنانچہ ارشاد ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ یعنی کیا نہیں دیکھا تو نے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی پس چلایا اس کو بیچ چشموں کے بیچ زمین کے (ترجمہ شاہ رفیع الدین)

اور فرمایا اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر نالے اپنی مقدار کے موافق چلنے لگے (ترجمہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)۔

صاحبؒ ہدایہ کی پیش کردہ تینوں نصوص میں لفظ طہور واقع ہے اس سے پانی کا بذات خود پاک ہونا تو ثابت ہو جاتا ہے مگر دوسرے کو پاک کرنے والا ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا قول وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ سے استدلال کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے تاکہ تم کو پاک کرے۔ اس آیت سے پانی کا مطہر ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ مگر صاحب فتح القدیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں طہور اسی کو کہتے ہیں جو دوسرے کو پاک کرے۔ لہٰذا طہور کی اس تفسیر کے مطابق صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ نصوص کو دلیل میں پیش کرنا صحیح ہوگا۔

وَلَا يَجُوْزُ بِمَا اعْتُصِرَ مِنَ الشَّجَرِ وَالثَّمَرِ لِاَنَّهٗ لَيْسَ بِمَاءٍ مُطْلَقٍ
اور ایسی چیز سے (وضو) جائز نہیں ہے جو نچوڑ کر حاصل کی گئی ہو (خواہ) درخت سے یا پھل سے اس لئے کہ یہ ماء مطلق نہیں ہے
وَالْحُكْمُ عِنْدَ فَقْدِهٖ مَنْقُوْلٌ اِلَى التَّيَمُّمِ وَالْوَظِيْفَةُ فِيْ هٰذِهِ الْاَعْضَاءِ تَعَبُّدِيَّةٌ فَلَا تَتَعَدّٰى اِلٰى غَيْرِ الْمَنْصُوْصِ عَلَيْهِ
اور حکم پانی مفقود ہونے کی صورت میں تیمم کی طرف منتقل کیا گیا ہے اور وظیفہ ان اعضاء میں تعبدی ہے پس غیر منصوص علیہ کی طرف متعدی نہیں ہوگا
اَمَّا الْمَاءُ الَّذِيْ يَقْطُرُ مِنَ الْكَرْمِ فَيَجُوْزُ التَّوَضُّوُ بِهٖ لِاَنَّهٗ مَاءٌ خَرَجَ مِنْ غَيْرِ عِلَاجٍ ذَكَرَهٗ فِيْ جَوَامِعِ
رہا وہ پانی جو انگور کے درخت سے خود ٹپکتا ہے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے کیونکہ یہ پانی بغیر علاج کے نکل آیا۔ (ابو یوسفؒ نے) یہ مسئلہ جوامع ابی یوسفؒ
اَبِيْ يُوْسُفَ وَفِي الْكِتَابِ اِشَارَةٌ اِلَيْهِ حَيْثُ شَرَطَ الْاِعْتِصَارَ
میں ذکر کیا ہے اور کتاب میں اسی طرف اشارہ ہے چنانچہ اعتصار کی شرط لگائی ہے

درختوں اور پھلوں سے نچوڑے اور نچڑے ہوئے پانی سے طہارت کا حکم

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جو پانی درخت یا کسی پھل سے نچوڑ کر نکالا گیا ہو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ماء مطلق نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی انسان کے گھر میں کنویں اور دریا کا پانی فرض کریں اور یہ نچوڑا ہوا پانی فرض کریں پھر کسی سے کہو کہ پانی لاؤ تو اول کیطرف ذہن منتقل ہوگا نہ کہ ثانی کی طرف پس ثابت ہوا کہ نچوڑا ہوا پانی ماء مطلق نہیں ہے۔ اور پانی نہ ہونے کی صورت میں حکم تیمم کی طرف منتقل کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا پس معلوم ہوا کہ درخت یا پھل سے نچوڑا ہوا پانی وضو کے قابل نہیں ہے۔

وَالْوَظِيْفَةُ فِيْ هٰذِهِ الْاَعْضَاءِ سے ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض یہ ہے کہ نچوڑا ہوا پانی اگرچہ ماء مطلق نہیں لیکن ماء مطلق کے حکم میں ہے۔ کیونکہ شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک اس سے نجاست حقیقیہ کو زائل کرنا درست ہے پس جب نجاست حقیقیہ زائل کرنے میں نچوڑے ہوئے پانی کو ماء مطلق کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے جیسا کہ شیخین نے کیا تو نجاست حکمیہ زائل کرنے میں بھی اس کو ماء مطلق کے ساتھ لاحق کرنا چاہیے تھا تا کہ نچوڑے ہوئے پانی سے وضو اور غسل زائل ہو جائے حالانکہ آپ ناجائز کہتے ہیں۔

جواب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ صحت قیاس کی شرط یہ ہے کہ اصل یعنی مقیس علیہ کا حکم خلاف قیاس نہ ہو پس اب جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ اعضاء اور بدن کو پاک کرنے کیلئے ماء مطلق کا استعمال خلاف قیاس ہے اس لئے کہ محدث کے اعضاء حقیقۃً بھی پاک ہیں اور حکماً بھی۔ حقیقۃً تو اس لئے پاک ہیں کہ کوئی نجاست حقیقیہ اس کے اعضاء پر نہیں لگی ہے اور حکماً اس لئے پاک ہیں کہ اگر کسی شخص نے محدث یا جنبی کو اپنے اوپر لاد کر نماز پڑھی تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ حالانکہ اگر یہ نجس ہوتا تو اس کی نماز درست نہ ہوتی۔ بہر حال محدث کے اعضاء پاک ہیں اور پاک کو پاک کرنا محال ہے کیونکہ تحصیل حاصل ہے۔ اور ماء مطلق من کل وجہ ماء مطلق کے معنی میں بھی نہیں ہے کیونکہ ماء مطلق کو روکنے کی تدبیریں نہیں کی جاتیں۔ اور مفت دستیاب ہو جاتا ہے۔ اور ماء مقید کو روکا جاتا ہے اور وہ کمی کے ساتھ دستیاب ہوتا ہے۔ بہر حال جب ماء مطلق کا اعضاء میں استعمال بھی خلاف قیاس ہے اور ماء مقید من کل وجہ ماء مطلق کے معنی میں بھی نہیں ہے تو ماء مقید کو ماء مطلق پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ہم نے کہا ماء مطلق کا حکم اس کے علاوہ دوسری پاک بہنے والی چیزوں یعنی ماء مقید کی طرف متعدی نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف نجاست حقیقیہ کہ ماء مطلق سے اس کا دور کرنا قیاس کے مطابق ہے لہذا ماء مقید یعنی دوسری بہنے والی چیزوں کو بھی اس پر قیاس کرنا درست ہوگا اور علت مشترکہ نجاست حقیقیہ کو زائل کرنا ہے۔ رہا وہ پانی جو انگور کی بیل سے خود ٹپکتا ہے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے کیونکہ یہ پانی ایسا ہے جو بغیر کسی دستکاری کے نکلا ہے۔ یہ مسئلہ جامع ابی یوسفؒ میں مذکور ہے اور قدوری میں بھی

اس طرف اشارہ ہے کیونکہ متین کے مسئلہ میں اعتصار (نچوڑنے) کی شرط لگائی ہے یعنی یہ کہا ہے کہ پانی درخت یا پھل سے نچوڑا ہو یہ نہیں کہا کہ خود نکلا ہو پس حاصل یہ نکلا کہ اگر نچوڑ کر پانی نکالا ہے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے اور اگر خود بخود نکل آیا تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ (فتح القدیر)

وَلَا يَجُوْزُ بِمَاءٍ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ فَاَخْرَجَهٗ عَنْ طَبْعِ الْمَاءِ كَالْاَشْرِبَةِ
اور ایسے پانی کے ساتھ وضو جائز نہیں جس پر پانی کے علاوہ (دوسری چیز) غالب ہوگئی ہو پس اس نے پانی کو اپنی طبیعت سے نکال دیا ہو جیسے شربت
وَالْخَلِّ وَمَاءِ الْوَرْدِ وَمَاءِ الْبَاقِلٰى وَالْمَرَقِ وَمَاءِ الزَّرْدَجِ لِاَنَّهٗ لَا يُسَمّٰى مَاءً مُطْلَقًا
سرکہ اور گلاب اور لوبیے کا پانی، شوربا اور گاجر کا پانی ہے کیونکہ (ان میں سے کسی کا نام) ماء مطلق نہیں رکھا جاتا
وَالْمُرَادُ بِمَاءِ الْبَاقِلٰى مَا تَغَيَّرَ بِالطَّبْخِ فَاِنْ تَغَيَّرَ بِدُوْنِ الطَّبْخِ يَجُوْزُ التَّوَضُّوْ بِهٖ
اور ماء باقلاء سے مراد وہ پانی ہے جو پکانے سے متغیر ہو جائے پس اگر بغیر پکائے متغیر ہو جائے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے

کوئی دوسری چیز پانی میں مل جائے تو اس پانی سے طہارت کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانی کے ساتھ دوسری چیز مل کر پانی پر غالب آ گئی یہاں تک کہ پانی کو اس کی طبیعت سے خارج کر دیا (اور پانی کی طبیعت رقت اور سیلان ہے) تو ایسے پانی سے وضو کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے جیسے شربت، سرکہ گلاب کا پانی، لوبیے کا پانی، شوربا اور زردک (یعنی گاجر) کا پانی۔

ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر اشربہ سے مراد وہ ہو جو درخت سے نکالا گیا ہے جیسے انار کا شربت، انناس کا شربت، اور سرکہ سے خالص سرکہ مراد ہو تو یہ دونوں اس پانی کی نظیر ہوں گی، جو درخت اور پھل سے نچوڑ کر نکالا گیا ہو۔

اور لوبیے کا پانی اور شوربا اس پانی کی نظیر ہوں گی جس پر دوسری چیز غالب ہوگئی ہو۔ اور عبارت میں **لف ونشر مرتب ہوگا یعنی** بِمَا اعْتُصِرَ مِنَ الشَّجَرِ وَالثَّمَرِ کی مثالیں مقدم ہیں۔ اور بِمَاءٍ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ کی مثالیں مؤخر کی گئی ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کے قول وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ میں لف ونشر مرتب کی صنعت ملحوظ ہے اور اگر اشربہ سے مراد وہ پانی ہے جس میں شیرینی ملادی گئی ہو جیسے شیرہ ملادیا یا شہد ملادیا ہے اور سرکہ سے مراد وہ سرکہ ہے جو پانی کے ساتھ ملادیا گیا ہو۔ تو اس صورت میں یہ تمام اس پانی کی نظیر ہوں گی جس پر دوسری چیز غالب ہوگئی ہو۔

اور اس پانی کے ساتھ وضو جائز نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ مطلق پانی نہیں کہلاتا ہے یعنی لفظ پانی سے ان پانیوں کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ان پانیوں سے پانی کی نفی کرنا درست ہے چنانچہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے پانی نہیں پیا، حالانکہ اس نے لوبیے کا پانی یا شوربا پیا ہے تو یہ شخص جھوٹا نہیں کہلائے گا۔ پس اگر یہ حقیقۃً پانی ہوتے تو ان سے پانی کی نفی کرنا درست نہ ہوتا۔

کیونکہ حقیقت مسمی سے ساقط نہیں ہوتی ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ ماء باقلاء سے مراد یہ ہے کہ پانی میں لوبیا ڈال کر پکا لیا جائے پھر اس سے وہ پانی متغیر ہو جائے تو اس سے وضو کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر بغیر پکائے ہی متغیر ہو گیا تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

وَيَجُوْزُ الطَّهَارَةُ بِمَاءٍ خَالَطَهُ شَيْءٌ طَاهِرٌ فَغَيَّرَ اَحَدَ اَوْصَافِهِ

اور ایسے پانی کے ساتھ پاکی حاصل کرنا جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو۔ پس اس نے پانی کے اوصاف میں سے کسی ایک کو متغیر کر دیا ہو

كَمَاءِ الْمَدِّ وَالْمَاءِ الَّذِيْ اِخْتَلَطَ بِهِ الزَّعْفَرَانُ اَوِ الصَّابُوْنُ اَوِ الْاُشْنَانُ قَالَ اَجْرٰى فِي الْمُخْتَصَرِ مَاءَ الزَّرْدَجِ

جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں زعفران یا صابون یا اشنان مل گئی ہو۔ مصنف نے کہا کہ مختصر القدوری میں امام قدوری نے گاجر کے پانی کو

مَجْرَى الْمَرَقِ وَالْمَرْوِيُّ عَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ مَاءِ الزَّعْفَرَانِ هُوَ الصَّحِيْحُ كَذَا اخْتَارَهُ النَّاطِفِيُّ

شوربے کی مانند قرار دیا ہے۔ اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ یہ ماء زعفران کے مرتبہ میں ہے یہی قول صحیح ہے۔ یہی ناطفی اور امام سرخسی نے

وَالْاِمَامُ السَّرْخَسِيُّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَجُوْزُ التَّوَضُّوُ بِمَاءِ الزَّعْفَرَانِ وَاَشْبَاهِهِ مِمَّا لَيْسَ مِنْ جِنْسِ الْاَرْضِ

اختیار کیا ہے۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ زعفران اور اس کی مانند چیزیں جو زمین کی جنس سے نہیں ہیں ان کے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے

لِاَنَّهُ مَاءٌ مُقَيَّدٌ اَلَا يُرٰى اَنَّهُ يُقَالُ مَاءُ الزَّعْفَرَانِ بِخِلَافِ اَجْزَاءِ الْاَرْضِ لِاَنَّ الْمَاءَ لَا يَخْلُوْ عَنْهَا عَادَةً

کیونکہ یہ مقید پانی ہے۔ کیا وہ دیکھتا نہیں کہ اس کو ماء زعفران کہا جاتا ہے۔ بخلاف زمین کے اجزاء کے اس لئے کہ عادۃً اس سے کوئی پانی خالی نہیں ہے

وَلَنَا اِسْمُ الْمَاءِ بَاقٍ عَلَى الْاِطْلَاقِ اَلَا يُرٰى اَنَّهُ لَمْ يَتَجَدَّدْ لَهُ اِسْمٌ عَلٰى حِدَةٍ وَاِضَافَتُهُ اِلَى الزَّعْفَرَانِ

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے کیا وہ دیکھتا نہیں کہ اس کا علیحدہ کوئی نیا نام نہیں ہے اور زعفران کی طرف اس کی

كَاِضَافَتِهِ اِلَى الْبِئْرِ وَالْعَيْنِ وَلِاَنَّ الْخَلْطَ الْقَلِيْلَ لَا يُعْتَبَرُ بِهِ

نسبت کرنا ایسا ہے جیسے کہ کنوئیں اور چشمہ کی طرف اس کی نسبت کرنا اور اس لئے کہ تھوڑی سی آمیزش کا اعتبار نہیں ہوتا

لِعَدَمِ اِمْكَانِ الْاِحْتِرَازِ عَنْهُ كَمَا فِيْ اَجْزَاءِ الْاَرْضِ فَيُعْتَبَرُ الْغَالِبُ وَالْغَلَبَةُ بِالْاَجْزَاءِ لَا بِتَغَيُّرِ اللَّوْنِ هُوَ الصَّحِيْحُ

کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے جیسے زمین کے اجزاء میں پس غالب کا اعتبار کیا جائے گا اور غلبہ کا اعتبار اجزاء سے ہے نہ کہ رنگ بدلنے سے یہی صحیح ہے

طاہر چیز پانی میں مل جائے اور اس کے ایک وصف کو تبدیل کر دے ایسے پانی سے طہارت کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانی میں کوئی پاک چیز مل گئی اور اس نے پانی کے تینوں اوصاف رنگ، مزہ، بو میں سے کسی ایک وصف کو متغیر کر دیا تو اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے جیسے سیلاب کا پانی یا زعفران یا صابون یا اشنان ملا ہوا پانی۔ اشنان ایک شور گھاس

ہے جو شور زمین میں اُگتی ہے۔ اور صابن کی طرح کپڑے کو صاف کر دیتی ہے۔ مصنف قدوری کی عبارت اس طرف مشیر ہے کہ اگر پانی کے دو وصف یا تینوں وصف متغیر ہو گئے تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ اور نہایہ میں لکھا ہے کہ اساتذہ سے منقول ہے کہ اس سے وضو کرنا جائز ہے حتی کہ خریف کے زمانے میں جب حوضوں میں درختوں کے پتے گر جاتے اور ان سے پانی کے تینوں اوصاف رنگ، مزہ، بو بدل جاتے تو بھی یہ حضرات بغیر نکیر کے اس سے وضو کرتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ تینوں اوصاف متغیر ہو جانے کے باوجود وضو کرنا جائز ہے۔

شرح طحاوی میں اسی کی طرف اشارہ ہے مگر یہ شرط ہے کہ پانی کی رقت باقی نہ رہے چنانچہ اگر کسی چیز کے ملنے سے پانی گاڑھا ہو گیا تو اس سے وضو کرنا ان حضرات کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ فقیہ احمد بن ابراہیم المیدانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس پانی کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کا رنگ کثرت اوراق کی وجہ سے متغیر ہو گیا ہے چنانچہ جب بھی ہاتھ میں پانی اُٹھایا جائے تو پتوں کا رنگ ظاہر ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایسے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس کا پینا اور دوسری چیزوں کو اس سے دھونا جائز ہے کیونکہ یہ پاک ہے اور وضو کرنا اس لئے جائز نہیں کہ جب پانی پر پتوں کا رنگ غالب ہو گیا تو وہ ماء مقید ہو گیا جیسے لوبے کا پانی، اور سابق میں گذر چکا کہ ماء مقید سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔

یہاں مصنفؒ کی عبارت پر ایک اشکال ہو گا وہ یہ کہ سابق میں حضور ﷺ کا قول اِلَّا مَا غَيَّرَ طَعْمَهُ أَوْ لَوْنَهُ أَوْ رِيحَهُ گذرا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر پانی کا ایک وصف بھی متغیر ہو گیا تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ حالانکہ مصنف قدروی اس صورت میں جواز کے قائل ہیں۔

جواب یہ ہے کہ حدیث میں شئے سے مراد شئے نجس ہے یعنی لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ نَجِسٌ اور یہ حدیث ماء جاری کے بارے میں وارد ہوئی ہے اب حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ جاری پانی پاک ہے کوئی ناپاک چیز اس کو نجس نہیں کر سکتی مگر یہ کہ اس کا رنگ یا مزہ یا بو متغیر ہو گئی ہو یعنی اگر نجاست دکھائی دے یا اس کا مزہ یا بو محسوس ہو تو اس پانی کا استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ یہ اوصاف قیام نجاست پر دلالت کرتے ہیں۔

صاحبؒ ہدایہ نے فرمایا کہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مختصر القدوری میں زردک (گاجر) کے پانی کو شوربے کے مرتبے میں رکھا ہے یعنی دونوں سے وضو کرنا ناجائز ہے۔ اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ زردک کا پانی زعفران کے پانی کے مرتبہ میں ہے یعنی ایک وصف متغیر ہونے کی صورت میں دونوں سے وضو کرنا جائز ہے اور امام ناطفیؒ اور امام سرخسیؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ زعفران اور اس کی مانند جو چیزیں زمین کی جنس سے نہیں ہیں ان کے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے دلیل یہ ہے کہ یہ مقید پانی ہے چنانچہ اس کو آب زعفران یعنی زعفران کا پانی کہا جاتا ہے اور اضافت چونکہ موجب تقیید ہے جیسے ماء شجر ماء ثمر اور ماء ورد، اس لئے ماء زعفران بھی ماء مقید ہو گا نہ کہ مطلق، اور ماء مطلق نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً یعنی مَاءً مُطْلَقًا فَتَيَمَّمُوْا پس ثابت ہوا کہ زعفران وغیرہ کے پانی کی موجودگی میں تیمم کرنا جائز ہے برخلاف زمین کے اجزاء کے کیونکہ عادۃً کوئی پانی زمین کے اجزاء کے میل سے خالی نہیں پایا جاتا پس جب کوئی پانی زمینی اجزاء سے خالی نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ اجزاء ارضی کے مخلوط ہونے سے آب مطلق میں فرق نہیں آتا حاصل یہ ہوا کہ پانی میں اگر زمین کے اجزاء مل گئے تو یہ پانی مطلق ہی رہے گا اور اس سے وضو کرنا جائز ہوگا۔ اور اگر زمین کے اجزاء کے علاوہ کوئی چیز پانی میں مخلوط ہوگئی تو وہ آب مقید ہوگا اور اس سے وضو کرنا جائز ہوگا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے چنانچہ آپ دیکھئے کہ اس کا علیحدہ کوئی نیا نام نہیں ہوا ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ زعفران کا پانی اضافت کے ساتھ نیا نام ہے کیونکہ پہلے بغیر اضافت کے تھا اور اب اضافت ہوگئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ زعفران کی طرف اس کی نسبت کرنا ایسا ہے جیسے کنویں اور چشمہ کی طرف نسبت کرنا ہے یعنی جس طرح کنویں کا پانی یا چشمہ کا پانی مطلق ہے اسی طرح زعفران کا پانی بھی مطلق ہے لیکن اس پر اعتراض ہوگا کہ یہی حال ماء باقلا اور ماء ورد کا ہے لہٰذا ان سے بھی وضو کرنا جائز ہونا چاہیے حالانکہ آپ عدم جواز کے قائل ہیں۔

جواب: بلاشبہ ماء باقلا میں اضافت کے علاوہ کوئی نیا نام پیدا نہیں ہوا لیکن باقلا کے ملنے کی وجہ سے پانی اپنی طبیعت پر باقی نہیں رہتا اس لئے اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ زعفران اگر پانی میں اتنی کثیر مقدار میں مخلوط ہوگئی کہ پانی کی طبیعت یعنی رقت زائل ہوگئی تو اس سے بھی وضو کرنا جائز نہیں ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ تھوڑی سی آمیزش ایسی چیز ہے جس کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ اس سے احتراز ممکن نہیں ہے جیسے زمین کے اجزاء خاکی سے احتراز ممکن نہیں ہے پس لامحالہ غالب کا اعتبار ہوگا۔ رہی یہ بات کہ غلبہ کس طرح معتبر ہے اجزاء کے اعتبار سے یا رنگ کے اعتبار سے تو فرمایا کہ غلبہ اجزاء کے اعتبار سے معتبر ہے نہ کہ رنگ بدلنے سے یہی صحیح ہے۔

وَاِنْ تَغَيَّرَ بِالطَّبْخِ بَعْدَ مَا خَلَطَ بِهٖ غَيْرُهٗ لَا يَجُوْزُ التَّوَضُّوْءُ بِهٖ لِاَنَّهٗ لَمْ يَبْقَ
اور اگر پانی پکانے سے متغیر ہو جائے بعد اس کے کہ اس کے ساتھ غیر چیز مل گئی ہو تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ (پکایا ہوا پانی)
فِیْ مَعْنَی الْمُنَزَّلِ مِنَ السَّمَاءِ اِلَّا اِذَا طُبِخَ فِيْهِ مَا يُقْصَدُ بِهِ الْمُبَالَغَةُ فِی النَّظَافَةِ كَالْاُشْنَانِ وَنَحْوِهٖ
آسمان سے اتارے ہوئے کے معنی میں نہیں رہا مگر جبکہ اس پانی میں ایسی چیز پکائی گئی ہو جس سے زیادہ نظافت مقصود ہو جیسا اشنان اور اس جیسی چیزیں
لِاَنَّ الْمَيِّتَ يُغْسَلُ بِالْمَاءِ الَّذِیْ اُغْلِیَ بِالسِّدْرِ بِذٰلِكَ وَرَدَتِ السُّنَّةُ اِلَّا
کیونکہ مردے کو ایسے پانی سے نہلاتے ہیں جسکو بیر کی پتوں کے ساتھ جوش دیا گیا ہو۔ اسی طریقہ پر سنت وارد ہوئی ہے مگر یہ کہ
اَنْ يَغْلِبَ ذٰلِكَ عَلَی الْمَاءِ فَيَصِيْرُ كَالسَّوِيْقِ الْمَخْلُوْطِ لِزَوَالِ اِسْمِ الْمَاءِ عَنْهُ
وہ (نظافت والی) چیز پانی پر غالب آجائے پس یہ (پانی مثل) ملے ہوئے ستو کے مانند ہو جائے گی کیونکہ اس سے پانی کا نام زائل ہو گیا ہے

کوئی چیز ملا کر پکائے گئے پانی سے طہارت کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانی میں کوئی چیز ڈال کر اس کو پکایا گیا تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر خالی پانی پکایا اور وہ پکانے کی وجہ سے متغیر ہو گیا تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو ملا کر پکایا ہوا پانی آسمان سے اتارے ہوئے پانی کے معنی میں نہیں رہا اس لئے اس سے وضو کرنا ناجائز ہوگا۔ ہاں اگر پانی میں ایسی چیز پکائی گئی ہو جس سے نظافت زیادہ مقصود ہو جیسا اشنان وغیرہ تو اس سے وضو کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ مردے کو ایسے پانی سے غسل دیا جاتا ہے جس میں بیری کے پتے ڈال کر جوش دیا گیا ہو اور اسی پر سنت وارد ہوئی ہے۔

صاحب شرح نقایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سنت کے وارد ہونے کو تو خدا بہتر جانے مگر صحیحین میں اس شخص کے بارے میں جو اپنے ناقہ سے گر پڑا اور گردن ٹوٹ کر مر گیا تھا یہ وارد ہے اِغْسِلُوْا بِمَاءٍ وَسِدْرٍ یعنی اس شخص کو پانی اور بیری سے غسل دو حدیث میں اُغْلِیَ بِالسِّدْرِ نہیں ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ مگر ہم جواب دیں گے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینا اسی وقت متصور ہوگا جبکہ ان دونوں کو خلط ملط کر لیا ہو اور اختلاط بغیر پکائے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اُغْلِیَ بِالسِّدْرِ فرمایا، اور حدیث کی مراد بیان فرمائی۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر مبالغہ فی النظافت کے واسطے کوئی چیز پانی میں ڈال کر جوش دی گئی ہو تو وہ پانی پر غالب نہ ہو۔ چنانچہ اگر وہ غالب ہو گئی تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہوگا جیسے پانی میں ستو ڈال کر اس کو ملا دیا تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں پانی کا نام ہی زائل ہو گیا ہے۔

وَكُلُّ مَاءٍ وَقَعَتِ النَّجَاسَةُ فِيْهِ لَمْ يَجُزِ الْوُضُوْءُ بِهٖ قَلِيْلًا كَانَتِ النَّجَاسَةُ اَوْ كَثِيْرًا وَقَالَ مَالِكٌ
اور ہر وہ پانی کہ جس میں نجاست گر جائے تو اس پانی کے ساتھ وضو جائز نہیں ہے (خواہ) نجاست تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اور امام مالکؒ نے فرمایا
يَجُوْزُ مَا لَمْ يَتَغَيَّرْ اَحَدُ اَوْصَافِهٖ لِمَا رَوَيْنَا وَقَالَ
کہ جائز ہے جب تک کہ پانی کے اوصاف میں سے ایک وصف متغیر نہ ہوا ہو۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے۔ اور امام شافعیؒ
الشَّافِعِيُّ يَجُوْزُ اِنْ كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَا يَحْمِلُ خَبَثًا وَلَنَا
نے کہا کہ جائز ہے اگر پانی دو قلہ ہو کیونکہ حضور ﷺ کا قول ہے کہ جب پانی دو قلہ کو پہنچ جائے تو وہ نجاست نہیں اٹھاتا۔ اور ہماری دلیل
حَدِيْثُ الْمُسْتَيْقِظِ مِنْ مَنَامِهٖ وَقَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَغْتَسِلَنَّ فِيْهِ مِنَ الْجَنَابَةِ
حدیث مُسْتَيْقِظ مِنْ مَنَامِهٖ ہے۔ اور حضور ﷺ کا قول ہے کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں جنابت سے غسل کرے
مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَالَّذِيْ رَوَاهُ مَالِكٌ وَرَدَ فِيْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَمَاؤُهٗ كَانَ جَارِيًا فِي
(حدیث میں) بغیر کسی تفصیل کے۔ اور وہ حدیث جسے امام مالکؒ نے روایت کیا ہے وہ بیر بضاعہ کے حق میں وارد ہوئی ہے اور بیر بضاعہ کا پانی باغوں میں جاری تھا

الْمُسَاتِیْنِ وَمَا رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ ضَعَّفَهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَهُوَ يَضْعُفُ عَنْ اِحْتِمَالِ النَّجَاسَةِ

اور جو حدیث امام شافعیؒ نے روایت کی ہے اس کو ابوداؤد نے ضعیف کہا ہے۔یا (حدیث کا یہ معنی ہے کہ) وہ نجاست اٹھانے سے کمزور ہو جاتا ہے

غیر جاری پانی میں نجاست کے گرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے یا نہیں اس سے طہارت حاصل کرنے کا حکم

تشریح:۔ عبارت میں ماء سے مراد وہ ہے جو نہ ماء جاری ہو اور نہ ماء جاری کے حکم میں ہو۔ کیونکہ ماء جاری کا حکم بعد والے مسئلہ میں مذکور ہے۔ ہدایہ کے بعض نسخوں میں ہے قَلِیْلًا کَانَتِ النَّجَاسَةُ اَوْ کَثِیْرًا اور بعض نسخوں میں ہے قَلِیْلًا کَانَ اَوْ کَثِیْرًا پہلے نسخہ کی بناء پر توجیہ یہ ہوگی کہ قلیل اور کثیر فعیل کے وزن پر ہے فاعل کے معنی میں مگر فعیل بمعنی فاعل کو علامت تانیث حذف کرنے میں فعیل بمعنی مفعول کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسے باری تعالیٰ کے قول اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ میں قریبٌ سے علامت تانیث "تا" کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس نسخہ کی بناء پر مسئلہ کی صورت یہ ہوگی کہ ہر ایسا پانی کہ جس میں نجاست پڑ جائے اس سے وضو جائز نہیں ہے نجاست خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔ قلیل کی قید سے امام مالکؒ کے قول سے احتراز کیا ہے کیونکہ امام مالکؒ کے نزدیک نجاست قلیلہ پانی ناپاک نہیں کرتی ہے تاوقتیکہ پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف متغیر نہ ہو جائے۔ اور دوسرے نسخہ کی توجیہ یہ ہوگی کہ ٹھہرا ہوا پانی تھوڑا ہو یا زیادہ اگر اس میں نجاست پڑ جائے تو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ قلیل پانی سے مراد یہ ہے کہ وضو اور غسل کیلئے کافی ہو جائے۔ عبارت میں قلیلًا کی قید سے امام مالکؒ کے قول سے احتراز ہے اور کثیرًا کی قید سے امام شافعیؒ کے قول سے احتراز ہے اس لئے کہ امام مالکؒ قلیل پانی سے وضو جائز قرار دیتے ہیں اگرچہ اس میں نجاست پڑ گئی ہو جب تک کہ پانی کے تینوں اوصاف میں سے کوئی ایک وصف متغیر نہ ہو جائے اور استدلال اس روایت سے کرتے ہیں جو سابق میں گذر چکی ہے یعنی اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ اِلَّا مَا غَيَّرَ لَوْنَهُ اَوْ طَعْمَهُ اَوْ رِيْحَهُ.

اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر پانی دو قلہ ہو اور اس میں نجاست گر گئی ہو تو اس سے وضو جائز ہے اور دلیل میں حدیث قلتین کو پیش کرتے ہیں یعنی جب پانی دو قلہ کو پہنچ جائے تو وہ نجاست نہیں اٹھاتا ہے۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَلَا يَغْمِسَنَّ يَدَهُ فِي الْاِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلٰثًا ہے۔ اس حدیث سے اس طور پر استدلال ہوگا کہ جب نجاست کے احتمال کی وجہ سے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔ تو حقیقت نجاست سے بدرجہ اولیٰ پانی ناپاک ہو جائے گا۔

دوسری دلیل حضور ﷺ کا قول لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَغْتَسِلَنَّ فِيْهِ مِنَ الْجَنَابَةِ ہے یہ حدیث

دونوں کے خلاف حجت ہے۔ امام مالکؒ کے خلاف تو اس لئے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل جنابت سے منع کیا گیا ہے حالانکہ غسل جنابت سے پانی کا کوئی وصف بالیقین متغیر نہیں ہوتا۔ اور امام شافعیؒ کے خلاف اس لئے حجت ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے اس میں قلتین اور غیر قلتین کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام مالکؒ کی پیش کردہ حدیث اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ بیر بضاعہ کے حق میں وارد ہوئی ہے۔ اور بیر بضاعہ کا پانی باغوں میں جاری تھا۔

صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بیر بضاعہ سے پانچ باغ سیراب کئے جاتے تھے پس وہ ماء جاری کے حکم میں ہوا۔ اور آب جاری سے ہمارے نزدیک بھی وضو جائز ہے اگر چہ اس میں نجاست گر جائے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رضی اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَهِیَ تُلْقٰی فِیْهَا الْحِیَضُ وَلُحُوْمُ الْكِلَابِ وَالنَّتْنُ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا یُنَجِّسُهٗ شَیْءٌ اَلْحَدِیْث (ترمذی، نسائی، ابوداؤد)۔

یعنی ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم بیر بضاعہ (کے پانی) سے وضو کریں درآنحالیکہ اس میں حیض کے کپڑے، کتوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں کوڑا کرکٹ گر جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی مگر یہ کہ اس کا کوئی ایک وصف متغیر ہو جائے۔ پس جب یہ حدیث بیر بضاعہ (ماء جاری) کے حق میں جاری ہوئی ہے تو اس سے آب راکد یعنی ٹھہرے ہوئے پانی کے نجس نہ ہونے پر استدلال کرنا کیسے درست ہوگا۔

اس جگہ مصنف علیہ الرحمۃ پر ایک اعتراض وارد ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اول باب میں مصنف ہدایہ نے اس حدیث سے مطلقاً پانیوں کے پاک ہونے پر استدلال کیا ہے اور یہاں اس کو بیر بضاعہ پر محمول کیا ہے پس اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ میں لام اگر جنس کے لئے ہے تو اس حدیث سے مطلقاً پانیوں کے پاک ہونے پر استدلال کرنا تو صحیح ہے مگر بیر بضاعہ پر محمول کرنا باطل ہے۔ اور اگر لام عہد کا ہے تو بیر بضاعہ پر محمول کرنا درست ہوگا مگر مطلقاً پانیوں کے پاک ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ علاؤالدین عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ جواب دیا ہے کہ لام جنس کا ہے اور اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح ہے اور بیر بضاعہ پر حمل کرنا بھی باطل نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث دو مقدموں پر مشتمل ہے (۱) اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ (۲) لَا یُنَجِّسُهٗ شَیْءٌ۔ پس پہلے مقدمہ سے پانیوں کے پاک ہونے پر استدلال کیا گیا ہے اور دوسرے مقدمہ کو بیر بضاعہ پر محمول کیا گیا ہے۔ رہی یہ بات کہ لَا یُنَجِّسُهٗ کی ضمیر راجع ہے الماء کی طرف اور الماء میں لام جنس کا مانا ہے پس معین یعنی بیر بضاعہ پر محمول کرنا کیسے درست ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں صنعت استخدام ہے۔ استخدام یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں اس لفظ سے ایک معنی

مراد ہوں اور اس کی ضمیر سے دوسرے معنی مراد ہوں۔ پس یہاں اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ میں لفظ الماء سے جنس ماء (پانی) اور مطلق ماء مراد لے کر پانیوں کے پاک ہونے پر استدلال کیا ہے اور جب لَا يُنَجِّسُهُ کی ضمیر راجع کی تو بیر بضاعہ کا پانی مراد لیا ہے اس کی نظیر یہ شعر ہے۔

☆اِذَا نَزَلَ السَّمَاءُ بِاَرْضِ قَوْمٍ ☆رَعَيْنَاهُ وَاِنْ كَانُوْا غِضَابًا

☆جب کسی قوم کی زمین پر بارش برستی ہے ☆تو ہم گھاس چراتے ہیں اگر چہ وہ غضبناک ہوں

شاعر نے اس شعر میں لفظ سماء سے بارش اور رعیناہ کی ضمیر مفعول سے سبزہ، گھاس مراد لیا ہے۔

فائدہ: ۔بضاعہ باکے کسرہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے (صحاح) اور مغرب میں ہے کہ صرف کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔

بیر بضاعہ، مدینہ منورہ میں ایک بہت پرانا کنواں ہے اس میں پانی بہت ہے بعض لوگوں نے کہا کہ وہ چھ در چھ ہے یعنی آٹھ گز لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ اس سے پانچ یا سات باغوں میں پانی دیا جاتا تھا۔

اور رہی حدیث قلتین جس کو امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔ امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی نے اس کو ضعیف کہا ہے چنانچہ فرمایا کہ حدیث قلتین ثابت نہیں ہے۔ اور محمد بن اسماعیل بخاریؒ کے استاذ علی بن مدینی نے کہا لَمْ يَثْبُتْ حَدِيْثُ الْقُلَّتَيْنِ نیز ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیر زمزم کا پانی نکالنے کا حکم دیا جبکہ اس میں ایک حبشی گر کر مر گیا۔ پس اگر حدیث قلتین صحیح ہوتی تو بقیہ صحابہ اور تابعین ان دونوں کے خلاف حدیث قلتین سے احتجاج کرتے۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث قلتین کسی خاص واقعہ میں شاذ ہے لہٰذا حدیث مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ کی طرح حدیث قلتین کو بھی رد کر دیا جائیگا۔

پھر اس حدیث کے متن میں بھی اضطراب ہے چنانچہ بعض روایات میں ہے اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا اور بعض ہے۔ اربعین قلۃ اور بعض میں ہے اربعین غربا اور بعض میں ہے اربعین دلواً۔

نیز دوسرا جز بعض روایات میں لَا يَحْمِلُ الْخَبَثَ ہے اور بعض میں ہے لَمْ يَنْجَسْ اور بعض میں ہے لَمْ يُنَجِّسْهُ شَيْءٌ اور بعض میں ہے لَمْ يَحْمِلْ خَبَثًا اور متن میں اضطراب موجب ضعف ہوتا ہے اگر چہ رجال کتنے ہی ثقہ ہوں درانحالیکہ اس حدیث کی سند میں بھی اضطراب ہے۔

نیز قلہ فی نفسہ مجہول ہے کیونکہ قلہ سے قامت رجل مراد ہوتا ہے اور کبھی راس جبل اور کبھی گھڑے کے معنی مراد ہوتے ہیں اور کبھی مشک کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور جس طرح لَا يَحْمِلُ خَبَثًا کے دو معنی ہیں جو امام شافعیؒ نے مراد لئے یعنی اگر پانی دو قلہ ہو تو نجاست کو قبول نہیں کرتا بلکہ اس کو دور کرتا ہے اسی طرح یہ بھی معنی ہیں کہ وہ احتمال نجاست سے کمزور ہو جاتا ہے یعنی ناپاک ہو جاتا ہے پس اتنے اضطرابات اور احتمالات کے رہتے ہوئے یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہو سکتی۔

وَالْمَاءُ الْجَارِيْ اِذَا وَقَعَتْ فِيْهِ نَجَاسَةٌ جَازَ الْوُضُوْءُ بِهٖ اِذَا لَمْ يُرَلَهَا اَثَرٌ لِاَنَّهَا لَا تَسْتَقِرُّ مَعَ جَرَيَانِ الْمَاءِ وَالْاَثَرُ هُوَ الطَّعْمُ اَوِ الرَّائِحَةُ اَوِ اللَّوْنُ وَالْجَارِيْ مَالَا يَتَكَرَّرُ اِسْتِعْمَالُهٗ وَقِيْلَ مَا يَذْهَبُ بِتِبْنَةٍ.

اور بہتا پانی جب اس میں نجاست گر جائے تو اس سے وضو جائز ہے۔ جبکہ اس نجاست کا کوئی اثر نہ دکھلائی دے۔ کیونکہ نجاست پانی کے بہاؤ کے ساتھ نہیں ٹھہرتی ہے۔ اور اثر مزہ یا بو یا رنگ ہے۔ اور آب جاری وہ کہلاتا ہے جس کا استعمال مکرر نہ ہو اور کہا گیا کہ آب جاری وہ ہے جو تنکا بہا لے جاوے۔

ماءِ جاری میں وقوعِ نجاست سے طہارت کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر جاری پانی میں نجاست پڑ جائے تو اس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ نجاست کا کوئی اثر معلوم نہ ہو خواہ نجاست مرئی ہو یا غیر مرئی ہو دلیل یہ ہے کہ نجاست پانی کے بہاؤ کے ساتھ ٹھہرتی نہیں ہے اس لئے نجاست گرنے کے باوجود آبِ جاری پاک ہی رہے گا اور نجاست کے اثر سے مراد اس کا مزہ یا بو یا رنگ ہے۔

آبِ جاری کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف چنانچہ بعض فقہاء نے کہا کہ آبِ جاری وہ ہے جس کا استعمال مکرر نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ جب نہر سے پانی لے کر ہاتھ دھویا اور وہ پانی نہر میں گرا تو دوسری مرتبہ جب نہر سے پانی لیا جائے تو پہلے پانی میں سے کچھ نہ ہو بلکہ پہلا پانی بہہ کر آگے چلا گیا ہو۔

اور بعض کا خیال ہے کہ آبِ جاری وہ ہے جو خشک تنکا بہا لے جائے۔ اور بعض نے کہا کہ آبِ جاری یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عرضاً اپنا ہاتھ پانی میں رکھ دے تو پانی کا بہاؤ نہ رکے۔ اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ لوگ جس کو جاری شمار کریں وہ آبِ جاری ہوگا۔

فوائد:۔ امام محمدؒ نے کہا کہ اگر دریائے فرات میں کسی نے شراب کا مٹکا توڑ دیا اور اس سے نیچے بہاؤ کی طرف کوئی شخص وضو کرتا ہے تو جب تک پانی میں شراب کا مزہ یا بو یا رنگ نہ محسوس کرے تو وضو جائز ہے۔ امام محمدؒ کی اس روایت سے بھی متن کے مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔ (فتح القدیر)

وَالْغَدِيْرُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ لَا يَتَحَرَّكُ اَحَدُ طَرَفَيْهِ بِتَحْرِيْكِ الطَّرَفِ الْاٰخَرِ اِذَا وَقَعَتْ نَجَاسَةٌ فِيْ اَحَدِ جَانِبَيْهِ
اور ایسا بڑا تالاب کہ اس کا ایک کنارہ دوسرے کنارے کو حرکت دینے سے متحرک نہ ہو تو جب اس کی ایک جانب میں نجاست پڑ جائے تو
جَازَ الْوُضُوْءُ مِنَ الْجَانِبِ الْاٰخَرِ لِاَنَّ الظَّاهِرَ اَنَّ النَّجَاسَةَ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ اِذْ اَثَرُ التَّحْرِيْكِ
دوسری جانب سے وضو جائز ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ نجاست دوسری جانب تک نہیں پہنچی کیونکہ حرکت دینے کا اثر پھیل جانے میں بہ نسبت
فَوْقَ اَثَرِ النَّجَاسَةِ ثُمَّ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَؒ اَنَّهُ يُعْتَبَرُ التَّحْرِيْكُ بِالْاِغْتِسَالِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ يُوْسُفَؒ
نجاست کے اثر کے بڑھا ہوا ہے۔ پھر ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ حرکت دینا وہ معتبر ہے جو نہانے سے ہو اور یہی ابو یوسفؒ کا قول ہے
وَعَنْهُ بِالتَّحْرِيْكِ بِالْيَدِ وَعَنْ مُحَمَّدٍؒ بِالتَّوَضِّيْ
اور امام صاحبؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہاتھ سے حرکت دینا معتبر ہے۔ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ وضو کرنے کے ساتھ (حرکت دینا) معتبر ہے

وَوَجْهُ الْاَوَّلِ اَنَّ الْحَاجَةَ اِلَيْهِ فِي الْحِيَاضِ اَشَدُّ مِنْهَا اِلَى التَّوَضِّيْ وَبَعْضُهُمْ قَدَّرُوْا
اور قول اول کی وجہ یہ ہے کہ حوضوں میں غسل کی حاجت زیادہ ہے بہ نسبت وضو کی حاجت کے۔ اور بعض فقہاء نے لوگوں کو وسعت دینے کیلئے غدیر عظیم کا
بِالْمَسَاحَةِ عَشْرًا فِي عَشْرٍ بِذِرَاعِ الْكِرْبَاسِ تَوْسِعَةً لِلْاَمْرِ عَلَى النَّاسِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى وَالْمُعْتَبَرُ فِي الْعُمْقِ
مساحت سے اندازہ لگایا ہے (اور وہ) کپڑے کے گز سے دہ در دہ ہے۔ اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اور گہرائی میں معتبر
اَنْ يَّكُوْنَ بِحَالٍ لَا يَنْحَسِرُ بِالْاِغْتِرَافِ هُوَ الصَّحِيْحُ وَقَوْلُهٗ فِي الْكِتَابِ جَازَ الْوُضُوْءُ مِنَ
یہ ہے کہ ایسی حالت میں ہو کہ چلو بھرنے سے (زمین) نہ کھلے یہی اصح ہے۔ اور قدوری میں صاحب قدوری کا یہ قول کہ دوسری جانب سے
الْجَانِبِ الْاٰخَرِ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّهٗ يَنْجَسُ مَوْضِعُ الْوُقُوْعِ وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ
وضو جائز ہے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس جانب نجاست گرے وہ نجاست گرنے کی جگہ ناپاک ہو جائیگی۔ اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ
اَنَّهٗ لَا يَنْجَسُ اِلَّا بِظُهُوْرِ النَّجَاسَةِ فِيْهِ كَالْمَاءِ الْجَارِيْ
(نجاست گرنے کا مقام) بھی ناپاک نہ ہوگا مگر اس میں نجاست کے ظاہر ہونے کے ساتھ جیسے آب جاری (میں حکم ہے)

بڑے تالاب کی حد بڑے تالاب میں نجاست گر جائے اس سے طہارت حاصل کرنے کا حکم

تشریح:۔ علماء احناف رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر پانی کا ایک حصہ دوسرے حصہ تک پہنچ جائے تو وہ ماء قلیل ہے اور اگر نہ پہنچے تو وہ ماء کثیر ہے مگر اس کو پہنچانے کے طریقہ میں اختلاف ہے۔ چنانچہ متقدمین احناف نے کہا کہ اس کو حرکت دینے سے معلوم کیا جائے گا۔ یعنی ایک کنارے کو حرکت دینے سے اگر دوسری جانب متحرک نہ ہو تو وہ بڑا تالاب اور ماء کثیر ہے اور اگر دوسری جانب متحرک ہو جائے تو وہ ماء قلیل ہے اور متحرک ہونے سے مراد یہ ہے کہ حرکت دیتے وقت پانی اوپر نیچے ہوتا ہو۔ کیونکہ پانی اگر کثیر ہو تو بلند ہو کر متحرک ہوتا ہے اور بلبلوں کا اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ بلبلے تو تھوڑے پانی میں حرکت دینے سے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ حضرات متقدمین تحریک کے سبب میں مختلف ہو گئے ہیں۔ پس امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ غسل کرنے کی حرکت معتبر ہے یعنی اگر تالاب کے ایک کنارے پر کوئی شخص اوسط درجہ کا غسل کرے اور دوسری جانب متحرک نہ ہو تو یہ غدیر عظیم (بڑا تالاب) ہے اور اگر دوسری جانب متحرک ہو جائے تو یہ غدیر عظیم نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے اور امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ فقط تحریک بالید معتبر ہے۔ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ وضو کرنے کی حرکت معتبر ہے۔ پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ حوضوں اور تالابوں میں غسل کرنے کی حاجت زیادہ پیش آتی ہے بہ نسبت وضو کے، کیونکہ وضو بالعموم گھروں میں کیا جاتا ہے اور غسل حوضوں میں کیا جاتا ہے اس وجہ سے تحریک بالاغتسال کا اعتبار کیا گیا ہے۔

دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ تحریک بِالْاِغْتِسَالِ بھی ہوتی ہے بِالتَّوَضِّیْ بھی اور ہاتھ دھونے کی وجہ سے بھی، مگر ہاتھ دھونے سے جو حرکت ہوتی ہے وہ اخف ہے بہ نسبت دوسری دو تحریکوں کے اس لئے اس کا اعتبار کیا تا کہ لوگوں کے حق میں توسع ہو سکے۔ اور تیسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اوسط درجہ کی حرکت کا اعتبار کیا گیا ہے اور اوسط درجہ کی حرکت وہ ہے جو وضو کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے تَحْرِیْک بِالتَّوَضِّیْ کا اعتبار کیا گیا ہے۔

فقہاء احناف رحمہم اللہ میں سے متاخرین کی رائے یہ ہے کہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پانی کا پہنچنا حرکت دینے کے علاوہ دوسری چیز سے دریافت کیا جائے گا۔ چنانچہ بعض متاخرین کہتے ہیں کہ میلا پن معتبر ہوگا۔ یعنی اگر تالاب کے ایک کنارے غسل کیا اور اس سے پانی کا رنگ میلا ہو گیا پس اگر وہ میلا پن دوسری جانب پہنچ گیا تو وہ آب قلیل ہے اور اگر نہ پہنچا تو وہ آب کثیر ہوگا۔

اور ابو حفص کبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رنگ کا اعتبار ہوگا یعنی تالاب کے ایک کنارے زعفران ڈالی جائے اگر زعفران کا اثر دوسرے کنارے پر پہنچ گیا تو وہ آب قلیل ہے ورنہ آب کثیر ہے۔ اور ابو سلیمان جوز جانیؒ نے مساحت کا اعتبار کیا ہے یعنی اگر وہ دردہ (دس گز لمبا دس گز چوڑا) ہے تو وہ آب کثیر ہے اور اگر اس سے کم ہے تو وہ آب قلیل ہے۔

حضرت امام محمدؒ سے مروی ہے کہ آپ سے جب اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر حوض میری اس مسجد کے برابر ہے تو اس کا پانی کثیر ہے ورنہ قلیل ہے۔ پس جب امام محمدؒ کی اس مسجد کی پیائش کی گئی تو ایک روایت کے مطابق وہ ہشت در ہشت (آٹھ گز لمبی اور آٹھ گز چوڑی) تھی۔ اور دوسری روایت کے مطابق وہ دہ در دہ تھی۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ اندر کا حصہ ہشت در ہشت تھا اور باہر سے جب پیائش کی تو وہ دہ در دہ تھا۔ بہر حال علامۃ المشائخ نے ابو سلیمان جوز جانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ رہی یہ بات کہ کونسا ذراع معتبر ہوگا تو فتاوی قاضیخان میں مساحت (پیائش) کا ذراع معتبر ہوگا اور مساحت کا ذراع یہ ہے کہ سات مٹھی ہوں اور ہر مٹھی پر ایک کھڑی انگلی زائد ہو۔ اور مصنفؒ نے کپڑے کے ذراع کا اعتبار کیا ہے اور کپڑے کا ذراع سات مٹھی کا ہوتا ہے اور مٹھی پر کھڑی انگلی زائد نہیں ہوتی۔

صاحبؒ ہدایہ فرماتے ہیں کہ آب کثیر کی تحدید میں مساحت کا اعتبار لوگوں کی آسانی کیلئے کیا گیا ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ اور گہرائی کے بارے میں معتبر یہ ہے کہ صرف اتنا گہرا ہونا کافی ہے کہ چلو بھر لینے سے زمین نہ کھل جائے، یہی صحیح ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ کم از کم ایک ذراع ہونا ضروری ہے۔ اور بعض نے دو ذراع کی مقدار کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے ایک بالشت کا اعتبار کیا ہے۔

صاحبؒ ہدایہ نے فرمایا کہ یہ جو قدوری میں کہا کہ غدیر عظیم کی دوسری جانب وضو جائز ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جس جانب نجاست گرے وہ نجاست گرنے کی جگہ ناپاک ہو جائیگی خواہ نجاست مرئیہ ہو یا غیر مرئیہ ہو اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ نجاست گرنے کا مقام بھی ناپاک نہ ہوگا مگر اس صورت میں کہ وہاں نجاست ظاہر ہو جیسے آب جاری میں حکم ہے۔

قَالَ وَمَوْتُ مَالَيْسَ لَهُ نَفْسٌ سَائِلَةٌ فِي الْمَاءِ لَا يُنَجِّسُهُ كَالْبَقِّ وَالذُّبَابِ وَالزَّنَابِيْرِ وَالْعَقْرَبِ وَنَحْوِهَا
فرمایا اور پانی میں ایسے جانور کا مرنا جس میں بہنے والا خون نہ ہو وہ اس کا ناپاک نہیں کرتا جیسے مچھر، مکھی، بھڑیں، بچھو اور اس کے مانند
وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُفْسِدُهُ لِاَنَّ التَّحْرِيْمَ لَا بِطَرِيْقِ الْكَرَامَةِ اٰيَةٌ لِلنَّجَاسَةِ
اور امام شافعیؒ نے کہا کہ (ایسے جانوروں کا مرنا بھی) پانی کو خراب کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ تحریم جو بطریق کرامت نہ ہو تو وہ نجاست کی علامت ہے
بِخِلَافِ دُوْدِ النَّحْلِ وَسُوْسِ الثِّمَارِ لِاَنَّ فِيْهِ ضَرُوْرَةً وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
بخلاف شہد کی مکھیوں اور پھلوں کے کیڑوں کے، کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ اور ہماری دلیل اس بارے میں حضور ﷺ
فِيْهِ هٰذَا هُوَ الْحَلَالُ اَكْلُهُ وَشُرْبُهُ وَالْوُضُوْءُ مِنْهُ وَلِاَنَّ الْمُنَجِّسَ اِخْتِلَاطُ الدَّمِ الْمَسْفُوْحِ بِاَجْزَائِهٖ
کا قول ہے کہ اس کا کھانا پینا اور اس سے وضو کرنا حلال ہے۔ اور اس لئے کہ ناپاک کرنے والا (وہ) موت کے وقت دم مسفوح کا پانی کے اجزاء کے ساتھ ملنا ہے
عِنْدَ الْمَوْتِ حَتّٰى حَلَّ الْمُذَكّٰى لِانْعِدَامِ الدَّمِ فِيْهِ وَلَا دَمَ فِيْهَا
حتی کہ ذبح کیا ہوا حلال ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں خون نہیں ہوتا اور ان جانوروں میں خون ہی نہیں ہے
وَالْحُرْمَةُ لَيْسَتْ مِنْ ضَرُوْرَتِهَا النَّجَاسَةُ كَالطِّيْنِ
اور حرمت کیلئے نجاست ضروری نہیں ہے جیسے مٹی

مچھر، مکھی، بھڑیں اور بچھو جس پانی میں گر جائیں اس سے طہارت کا حکم

تشریح: ۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانی میں ایسا جانور مر گیا جس میں بہنے والا خون نہ ہو تو اس کی موت سے پانی ناپاک نہیں ہوگا مثلاً مچھر، مکھی، بھڑیں اور بچھو وغیرہ۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ایسے جانوروں کا مرنا بھی پانی کو ناپاک کرتا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ جانور حرام ہیں کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ اور تحریم اگر بطریق کرامت اور بزرگی نہ ہو تو وہ نجاست کی علامت ہے۔ لَا بِطَرِيْقِ الْكَرَامَةِ سے آدمی کو خارج کر دیا ہے۔ کیونکہ آدمی اگر جنبی نہ ہو اور وہ پانی میں مر گیا تو اس کی موت سے پانی ناپاک نہیں ہوگا اس لئے کہ آدمی کی تحریم بطریق کرامت ہے۔ اور اگر شہد کی مکھی کے بچے شہد میں مر گئے یا پھلوں کے کیڑے پھلوں میں مر گئے تو اس سے شہد اور پھل نجس نہیں ہوں گے۔ دلیل یہ ہے کہ قیاس کا مقتضی تو یہی تھا کہ یہ چیزیں بھی نجس ہوں لیکن ضرورت کی وجہ سے ان کو پاک قرار دیا گیا ہے۔

ہماری دلیل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ عَنْ اِنَاءٍ فِيْهِ طَعَامٌ اَوْ شَرَابٌ يَمُوْتُ فِيْهِ مَا لَيْسَ لَهُ دَمٌ سَائِلٌ فَقَالَ هٰذَا هُوَ الْحَلَالُ اَكْلُهُ وَشُرْبُهُ وَالْوُضُوْءُ مِنْهُ (کفایہ) یعنی حضور ﷺ اس برتن

کے بارے میں دریافت کیا گیا جس میں کھانے پینے کی چیز ہو اور اس میں وہ جانور مرجائے جس میں بہنے والا خون نہ ہو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کھانا پینا حلال اور اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

دار قطنی میں یہ حدیث اس طرح ہے۔ یَا سَلْمَانُ کُلُّ طَعَامٍ وَشَرَابٍ وَقَعَتْ فِیْهِ دَابَّةٌ لَیْسَ لَهَا دَمٌ سَائِلٌ فَمَاتَ فِیْهِ فَهُوَ حَلَالٌ اَکْلُهٗ وَشُرْبُهٗ وَوُضُوْءُهٗ اے سلمان ہر چیز کھانے کی اور پینے کی جس میں کوئی ایسا جانور گر جاوے جس میں خون نہیں ہے پھر اس میں مرجاوے تو یہ چیز حلال ہے اس کا کھانا اور پینا اور اس سے وضو کرنا۔

دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا کہ کسی راوی نے اس کو مرفوع نہیں کہا ہے سوائے بقیہؒ کے سعید بن ابی سعید الزبیدی رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ ضعیف ہے۔ اور دلیل عقلی یہ ہے کہ پانی کو نجس کرنے والا جانور کی موت کے وقت دم مسفوح کا پانی کے اجزاء کے ساتھ ملنا ہے یہی وجہ ہے کہ ذبح کیا ہوا جانور حلال اور پاک ہے کیونکہ اس کے اندر دم مسفوح معدوم ہو گیا۔ اور یہ جانور جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ایسے ہیں کہ ان میں ایسا خون ہے یعنی ان جانوروں میں دم سائل نہیں ہے اور پانی نجس کرنے والا یہی دم سائل ہوتا ہے جو جانور کے پانی میں مرتے وقت پانی کے اجزاء سے مل جاتا ہے پس چونکہ ان جانوروں کے مرنے سے یہ خون پانی میں نہیں مل سکتا اس لئے پانی نجس نہ ہوا۔

وَالْحُرْمَةُ لَیْسَتْ الخ سے امام شافعیؒ کا جواب ہے حاصل جواب یہ ہے کہ حرمت کے لوازم میں سے نجاست نہیں ہے یعنی جو چیز حرام ہو وہ نجس بھی ہو ضروری نہیں ہے مثلاً مٹی سنکھیا اور کوئلہ وغیرہ کہ یہ سب حرام ہیں مگر ان میں کوئی ناپاک نہیں ہے۔

وَمَوْتُ مَا یَعِیْشُ فِی الْمَاءِ فِیْهِ لَا یُفْسِدُهٗ کَالسَّمَکِ وَالضِّفْدَعِ وَالسَّرْطَانِ وَقَالَ
اور پانی میں ایسے جانور کا مرنا جو پانی میں زندگی گذارتا ہے پانی کو خراب نہیں کرے گا جیسے مچھلی اور مینڈک اور کیکڑا۔ اور امام شافعیؒ
الشَّافِعِیُّ یُفْسِدُهٗ اِلَّا السَّمَکَ لِمَا مَرَّ وَ لَنَا اَنَّهٗ مَاتَ
نے کہا کہ سوائے مچھلی کے (اور چیزیں) پانی کو خراب کرتی ہیں اسی دلیل کی وجہ سے جو گذر چکی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ جانور اپنے
فِیْ مَعْدِنِهٖ فَلَا یُعْطٰی لَهٗ حُکْمُ النَّجَاسَةِ کَبَیْضَةٍ حَالَ مُخُّهَا دَمًا وَ لِاَنَّهٗ
معدن میں مرا ہے تو اس کے حق میں نجاست کا حکم نہ دیا جائے گا۔ جیسے وہ انڈا کہ اس کی زردی خون میں تبدیل ہو گئی ہو اور اس لئے کہ ان دریائی جانوروں
لَا دَمَ فِیْهَا اِذِ الدَّمَوِیُّ لَا یَسْکُنُ فِی الْمَاءِ وَالدَّمُ هُوَ النَّجِسُ وَ فِیْ غَیْرِ الْمَاءِ قِیْلَ غَیْرُ السَّمَکِ
میں خون نہیں ہے کیونکہ خون والا جانور پانی میں نہیں رہتا اور خون ہی ناپاک ہے۔ اور پانی کے علاوہ میں کہا گیا کہ مچھلی کے علاوہ
یُفْسِدُهٗ لِانْعِدَامِ الْمَعْدِنِ وَ قِیْلَ لَا یُفْسِدُهٗ لِعَدَمِ الدَّمِ
(دوسرے جانور) اس چیز کو نجس کر دیتے ہیں اس لئے کہ معدن معدوم ہے۔ اور کہا گیا کہ اس چیز کو نجس نہیں کرتے ہیں کیونکہ خون نہیں ہے

وَهُوَ الْاَصَحُّ وَالضِّفْدَعُ الْبَحْرِيُّ وَالْبَرِّيُّ سَوَاءٌ وَقِيْلَ الْبَرِّيُّ يُفْسِدُ
اور یہی اصح ہے۔ اور مینڈک آبی اور خشکی (دونوں اس حکم میں) برابر ہیں۔ اور کہا گیا کہ خشکی کا مینڈک (پانی کو) خراب کر دیتا ہے
لِوُجُوْدِ الدَّمِ وَعَدَمِ الْمَعْدِنِ وَمَا يَعِيْشُ فِي الْمَاءِ مَايَكُوْنُ تَوَالُدُهُ وَمَثْوَاهُ فِي الْمَاءِ
کیونکہ خون موجود ہے اور معدن معدوم ہے اور جو جانور پانی میں زندگی گذارتے ہیں وہ ہیں جن کی پیدائش اور ان کا ٹھکانا پانی میں ہو
وَمَائِيُّ الْمَعَاشِ دُوْنَ مَائِيِّ الْمَوْلِدِ مُفْسِدٌ
اور جو جانور کہ پانی میں زندگی گذارتا ہو (مگر) اس کے انڈے بچے ہونے کی جگہ نہ ہو تو وہ پانی کو خراب یعنی ناپاک کرنے والا ہے

مچھلی، مینڈک اور کیکڑا کے پانی میں مرنے سے پانی نجس ہوگا یا نہیں

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانی کا جانور ہو اور پانی ہی میں مرے تو پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو اس کی موت سے ناپاک نہیں ہوتا ہے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مچھلی کے علاوہ اور چیزوں کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل وہی ہے جو سابق میں گذر چکی ہے کہ تحریم اگر بطریق کرامت نہ ہو تو وہ نجاست کی علامت ہے اور چونکہ یہ جانور حرام ہیں اس لئے ان کی حرمت دلیلِ نجاست ہوگی۔

لیکن امام شافعیؒ پر یہ اشکال وارد ہوگا کہ کِتَابُ الْمَصَابِیْحِ میں مذکور ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مینڈک اور کیکڑے کا کھانا حلال ہے لہٰذا یہ دلیل کیسے جاری ہو سکتی ہے جواب دیا گیا کہ جو کِتَابُ الْمَصَابِیْحِ میں مذکور ہے اس کو اصحاب شافعیؒ تسلیم نہیں کرتے ہیں چنانچہ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو جانور پانی میں زندگی بسر کرتا ہے اگر وہ ایسا ہے کہ کھایا جاتا ہے تو شک نہیں کہ وہ پانی کو نجس نہیں کرے گا اور جو جانور ایسا ہے کہ نہیں کھایا جاتا جیسے مینڈک وغیرہ تو جب وہ قلیل پانی یا کسی دوسری بہنے والی پتلی چیز قلیل یا کثیر میں مرے تو اس کو نجس نہیں کرے گا یہی کیکڑے کے بارے میں تصریح ہے پس معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مینڈک اور کیکڑے کا حرام ہونا راجح ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ آبی جانور اگر پانی میں مر گیا تو وہ اپنے معدن میں مرا ہے اور جو جانور اپنے معدن میں مرتا ہے تو اپنے معدن میں نجس ہوگا اور جو چیز اپنے معدن میں رہتے ہوئے نجس ہو تو اس کو نجاست کا حکم نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ اگر نجاست کو اپنے معدن میں نجاست کا حکم دیا جائے تو کوئی آدمی پاک نہیں ہو سکتا اس لئے کہ سب کی رگوں میں خون بھرا ہے پس نجاست جب تک اپنے معدن میں ہے اس کو نجاست کا حکم نہیں ہوگا جیسے وہ انڈا کہ اس کی زردی خون ہوگئی تو جب تک اندر ہے انڈا نجس نہیں ہوگا حتی کہ اگر ایسے انڈے کو جیب میں لئے ہوئے نماز پڑھے تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔ اس کے برخلاف اگر نجاست اپنے معدن میں نہ ہو تو اس کو نجاست کا حکم دیا جائے گا چنانچہ اگر شیشی میں خون بھر کر جیب میں رکھ کر نماز پڑھے تو نماز جائز نہیں ہے کیونکہ شیشی اس خون کا معدن نہیں ہے (عنایہ)

پس معلوم ہوا کہ آبی جانور اگر پانی میں مرے تو وہ نجس ہوگا کیونکہ پانی اس کا معدن ہے اور نجاست جب تک اپنے معدن میں ہے اس کو نجاست کا حکم نہیں دیا جاتا۔

دوسری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ نجس در اصل بہنے والا خون ہے اور خون کا مزاج گرم ہے اور پانی سرد ہے۔ دونوں میں تنافر ہے لہذا جس جانور میں خون ہے وہ پانی کا رہنے والا نہیں ہے اور جو جانور آبی ہیں ان میں خون نہیں ہے۔ علاوہ ازیں خون دھوپ میں سیاہ پڑ جاتا ہے اور ان جانوروں میں جو چیز بہہ کر نکلتی ہے وہ دھوپ میں سفید پڑ جاتی ہے پس معلوم ہوا کہ ان جانوروں میں خون نہیں ہے اور نجس خون ہوتا ہے پس جب ان میں خون نہیں ہے تو ہمارے نزدیک بالاتفاق ان جانوروں کی موت سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ۔

اور اگر ان آبی جانوروں میں سے کوئی پانی کے علاوہ کسی سیال چیز میں مر گیا مثلاً سرکہ، شیرہ، دودھ وغیرہ میں تو اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض حضرات فقہاء کہتے ہیں کہ مچھلی کے علاوہ دوسرے آبی جانور اس چیز کو ناپاک کر دیتے ہیں کیونکہ معدن میں نہیں مرے ہیں۔

اور بعض کا خیال ہے کہ اس چیز کو ناپاک نہیں کرتے ہیں کیونکہ آبی جانوروں میں خون نہیں ہے۔ حالانکہ خون ہی نجس کرنے والا تھا۔

مصنفؒ ہدایہ نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے اور فرمایا کہ مینڈک خشکی کا ہو یا آبی مینڈک ہو دونوں اس حکم میں برابر ہیں یعنی دونوں کے مرنے سے پانی خراب نہیں ہوتا ہے۔

اور آبی مینڈک اور خشکی کے مینڈک کے درمیان فرق یہ ہے کہ آبی مینڈک کی انگلیوں کے درمیان بط کی طرح جھلی کا پردہ ہوتا ہے اور بری میں نہیں ہوتا (عنایہ)

اور بعض فقہاء نے کہا کہ خشکی کے مینڈک کے پانی میں مر جانے سے پانی خراب ہو جاتا ہے کیونکہ خشکی کے مینڈک میں خون کا پایا جانا تو علت نجاست ہے اور معدن نہ ہونا نجاست کا حکم ظاہر ہونے کیلئے ہے۔

رہی یہ بات کہ آبی جانور کس کو کہتے ہیں سو مصنف ہدایہ نے فرمایا کہ آبی جانور میں دو صفتیں معتبر ہیں ایک یہ کہ اس کا مسکن پانی ہو، دوم یہ کہ اس کا توالد پانی میں ہو یعنی انڈے بچے وہیں ہوں۔ اور وہ جانور کہ جس کا مسکن پانی ہو مگر اس کے توالد کی وہ جگہ نہ ہو تو اس کی موت سے پانی نجس ہو جائیگا۔

قَالَ اَلْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ لَا يُطَهِّرُ الْاَحْدَاثَ خِلَافًا لِمَالِكٍؒ وَالشَّافِعِيِّؒ هُمَا يَقُوْلَانِ اِنَّ الطَّهُوْرَ مَا يُطَهِّرُ
فرمایا کہ مستعمل پانی احداث کو پاک نہیں کرتا ہے بخلاف امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے۔ یہ دونوں کہتے ہیں کہ طہور وہ ہے جو
غَيْرَهٗ مَرَّةً بَعْدَ اُخْرٰى كَالْقَطُوْعِ وَقَالَ زُفَرُؒ وَهُوَ اَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّؒ اِنْ كَانَ الْمُسْتَعْمِلُ مُتَوَضِّيًا
غیر کو ایک بار کے بعد دوسری بار پاک کرے جیسے قطوع۔ اور امام زفرؒ نے کہا اور یہی امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے کہ اگر استعمال کرنے والا
فَهُوَ طَهُوْرٌ وَاِنْ كَانَ مُحْدِثًا فَهُوَ طَاهِرٌ غَيْرُ طَهُوْرٍ لِاَنَّ الْعُضْوَ طَاهِرٌ حَقِيْقَةً وَبِاعْتِبَارِهٖ يَكُوْنُ الْمَاءُ طَاهِرًا لٰكِنَّهٗ نَجِسٌ حُكْمًا
باوضو ہو تو طہور ہے اور اگر بے وضو ہو تو طاہر غیر مطہر ہے کیونکہ عضو حقیقتاً طاہر ہے اور اس اعتبار سے پانی پاک ہوگا لیکن حکماً نجس ہے

وَبِاعْتِبَارِهِ يَكُوْنُ الْمَاءُ نَجِساً فَقُلْنَا بِانْتِفَاءِ الطَّهُوْرِيَّةِ وَبَقَاءِ الطَّهَارَةِ عَمَلاً بِالشَّبْهَيْنِ

اور اس اعتبار سے پانی ناپاک ہوگا۔ پس ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کرتے ہوئے طہوریت کے انتفاء کا اور طہارت کے باقی رہنے کا قول کیا

وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ هُوَ طَاهِرٌ غَيْرُ طَهُوْرٍ لِاَنَّ مُلَاقَاةَ الطَّاهِرِ الطَّاهِرَ لَا تُوْجِبُ

اور امام محمدؒ نے کہا اور یہی ایک روایت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہے کہ مستعمل پانی طاہر غیر مطہر ہے کیونکہ پاک کا پاک سے ملنا ناپاک ہوجانے

التَّنَجُّسَ اِلَّا اَنَّهُ اُقِيْمَتْ بِهِ قُرْبَةٌ فَتَغَيَّرَتْ بِهِ صِفَتُهُ كَمَالِ الصَّدَقَةِ وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَاَبُوْ يُوْسُفَ

کا موجب نہیں ہے ہاں یہ کہ اس سے قربت ادا کی گئی تو اس سے اس کی صفت متغیر ہوجائے گی جیسے مال صدقہ۔ اور ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ نے فرمایا

هُوَ نَجِسٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَايَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَغْتَسِلَنَّ فِيْهِ مِنَ الْجَنَابَةِ

کہ وہ نجس ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں جنابت سے غسل کرے

وَلِاَنَّهُ مَاءٌ اُزِيْلَتْ بِهِ النَّجَاسَةُ الْحُكْمِيَّةُ فَيُعْتَبَرُ بِمَاءٍ اُزِيْلَتْ بِهِ النَّجَاسَةُ الْحَقِيْقِيَّةُ

اور اس لئے کہ یہ ایسا پانی ہے کہ اس سے حکمی نجاست دور کی گئی ہے تو اس کو ایسے پانی پر قیاس کیا جائے گا جس سے حقیقی نجاست دور کی گئی ہو۔

ثُمَّ فِيْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ نَجَاسَةٌ غَلِيْظَةٌ اِعْتِبَاراً بِالْمُسْتَعْمَلِ فِي الْحَقِيْقِيَّةِ

پھر ابوحنیفہؒ سے حسن کی روایت میں ہے کہ (آب مستعمل نجس) نجاست غلیظہ ہے اس پانی پر قیاس کرتے ہوئے جو نجاست حقیقیہ میں استعمال کیا گیا ہو

وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ يُوْسُفَ عَنْهُ وَهُوَ قَوْلُهُ نَجَاسَةٌ خَفِيْفَةٌ لِمَكَانِ الْاِخْتِلَافِ

اور ابوحنیفہؒ سے ابو یوسف کی روایت میں ہے اور یہ ابو یوسفؒ کا قول بھی ہے کہ وہ (نجس) نجاست خفیفہ ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہے

ماء مستعمل سے طہارت حاصل کرنے کا حکم اور اقوال فقہاء

تشریح:۔ فاضل مصنفؒ نے آب مستعمل میں تین بحثیں کی ہیں (۱) آب مستعمل کے حکم میں (۲) اس کے سبب کے بیان میں (۳) اس کے وقت کے بیان میں۔ مصنفؒ نے آب مستعمل کے حکم میں کلام اس لئے مقدم کیا کہ یہی مقصود ہے بہر حال پہلی بحث کا حاصل یہ ہے کہ آب مستعمل تین قسم پر ہے:۔

ایک یہ کہ پاک چیزیں دھونے کے لئے استعمال کیا گیا ہو مثلاً غلہ جات، سبزیوں اور پاک کپڑوں کا دھون، یہ بالاتفاق پاک ہے۔

دوم یہ کہ نجاست حقیقیہ دور کرنے کیلئے استعمال کیا گیا ہو جیسا استنجے کا پانی اور نجس کپڑوں کا دھون، اور یہ بالاتفاق نجس ہے۔

سوم یہ کہ نجاست حکمی دور کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو۔ یا قربت اور ثواب کے ارادے سے کیا گیا ہو تو اس میں اختلاف ہے چنانچہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ وہ طاہر مطہر ہے یعنی خود بھی پاک ہے اور دوسرے کو پاک کرنے والا ہے۔

اور امام زفرؒ نے کہا کہ اگر آب مطلق استعمال کرنے والا باوضو ہے پھر اس نے وضو پر وضو کیا تو یہ مستعمل پانی طاہر و مطہر ہے یعنی خود پاک اور دوسرے کو پاک کرنے والا ہے۔ اور اگر بے وضو ہو تو آب مستعمل طاہر غیر مطہر ہے یعنی خود پاک ہے مگر دوسرے کو پاک کرنے والا نہیں ہے۔ اور یہی ایک قول امام شافعیؒ کا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے اور یہی روایت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے ہے کہ آب مستعمل طاہر غیر مطہر ہے۔

اور شیخین رحمہما اللہ نے فرمایا کہ نجس ہے۔ پھر حسن بن زیاد رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ آب مستعمل نجس بنجاست غلیظہ ہے اور اس کو امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے اور امام ابویوسفؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ نجس بنجاست خفیفہ ہے اور یہ بھی ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے۔

حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے کلام میں ماء مطلق کو طَھُوْر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَھُوْرًا اور طَھُوْر فعول کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے معنی ہوں گے بار بار پاک کرنا جیسے قَطُوْع کے معنی بار بار کاٹنا۔ پس لفظ طَھُوْر اس بات کا فائدہ دے گا کہ پانی ایک بار استعمال کرنے کے بعد دوسری بار پاک کرے گا اور تیسری بار پاک کرے گا۔ پس معلوم ہوا کہ آب مستعمل مطہر (پاک کرنیوالا) ہے اور جو مطہر ہوگا وہ طاہر ضرور ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ آب مستعمل طاہر و مطہر دونوں ہے۔

علامۃ الہند مولانا عبدالحئی نے شروح ہدایہ کی روشنی میں اس کے چند جوابات نقل کئے ہیں:۔

پہلا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ فعول مبالغہ کے معنی میں ہے بلکہ طَھُوْر (بروزن فعول) مصدر ہے طہارت کے معنی میں جیسے حدیث میں ہے لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِطَھُوْرٍ یعنی بِطَھَارَۃٍ اور حدیث مِفْتَاحُ الصَّلٰوۃِ اَلطُّھُوْرُ یعنی اَلطَّھَارَۃُ اور وَسَقَاھُمْ رَبُّھُمْ شَرَابًا طَھُوْرًا یعنی شرابا طاہرا ائمہ نحو سیبویہ، خلیل، مبرد، اصمعی اور ابن السکیت رحمہم اللہ نے بھی اسکی تصریح کی ہے پس جب طہور مصدر ہے تو اس کے معنی بار بار پاک کرنے کے نہیں ہوں گے۔ اور جب بار بار پاک کرنے کے معنی نہیں ہوئے تو آب مستعمل کا مطہر ہونا بھی ثابت نہیں ہوا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ طَھُوْر اس چیز کا نام ہے جس سے طہارت حاصل کی جائے جیسے سَحُوْر وہ کھانا جو صبح سے کچھ پہلے کھایا جائے پس اس صورت میں بھی پانی کے بار بار مطہر ہونے پر دلالت نہیں ہوئی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہمیں تسلیم ہے کہ فَعُوْل کا وزن مبالغہ کیلئے ہے لیکن طَھُوْر، طہر لازم سے مشتق ہے نہ کہ طہر متعدی

سے۔ پس اس صورت میں طَهُوْر کے معنی ہوں گے بہت پاک۔ حاصل یہ کہ مبالغہ کا صیغہ اگر فعل لازم سے ماخوذ ہوتو وہ مبالغہ فی الفاعل کے لئے ہوگا اور اس کے ساتھ مفعول کا کوئی تعلق نہیں ہوگا اور اگر فعل متعدی سے ماخوذ ہے جیسے قَطُوْع تو مفعول میں مبالغہ اور اضافہ ہوگا۔ پس اس صورت میں بھی پانی کا خوب پاک ہونا تو ثابت ہو جاتا ہے لیکن بار بار پاک کرنیوالا ہونا ثابت نہیں ہوتا (سعایہ)۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ محدث کے اعضاء حقیقتاً تو پاک ہیں کیونکہ ظاہری اعضاء پر کوئی نجاست نہیں ہے البتہ حکم شرع کی رو سے نجس ہیں کیونکہ شریعت اسلام نے محدث پر وضو کرنا فرض کیا ہے پس آب مستعمل اول کے اعتبار سے پاک ہے اور ثانی کے اعتبار سے نجس ہے اور دونوں پر عمل کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک پر عمل ہو اور دوسرے کو چھوڑ دیا جائے۔ پس ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ آب مستعمل طاہر غیر مطہر ہے یعنی حقیقت اعضاء پر نظر کرتے ہوئے اس کو طاہر کہا گیا اور حکم شرع پر نظر کرتے ہوئے اس کو غیر مطہر کہا گیا ہے اس لئے یہ مستعمل پانی خود تو پاک ہوگا مگر دوسرے کو پاک کرنے والا نہیں ہوگا۔

حضرت امام محمدؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اعضاء وضو بھی پاک ہیں اور پانی بھی پاک ہے۔ اور پاک چیز کا پاک چیز سے ملنا ناپاک ہونے کا موجب نہیں ہوتا البتہ اگر پانی کے استعمال سے قربت اور عبادت ادا کی گئی ہو تو اس کی وجہ سے پانی کا وصف متغیر ہو جاتا ہے جیسے صدقہ اور زکوٰۃ کا مال ہے کیونکہ مال فی نفسہ مطہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا پس جس مال کے ساتھ زکوٰۃ ادا کی گئی ہے شریعت نے اس کو میل کچیل قرار دیا ہے چنانچہ زکوٰۃ کا مال حضور ﷺ اور آپ کی اولاد پر شرعاً حرام ہے۔ پس ایسے ہی آب مستعمل جبکہ اس سے قربت ادا کی گئی ہو یا حدث زائل کیا گیا ہو تو وہ نجاست حکمیہ کی وجہ سے میلا ہو جاتا ہے اور اپنے اصلی مرتبہ سے گر جائے گا۔ اس وجہ سے اس کو مطہر ہونے سے خارج کیا اگرچہ طہارت پر باقی ہے پس ثابت ہوا کہ آب مستعمل طاہر غیر مطہر ہے نجس نہیں ہے۔ یہ بات بھی صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے آب مستعمل کو لینے کیلئے دوڑتے اور اس کو اپنے چہرے پر ملتے پس اگر آب مستعمل نجس ہوتا تو حضور ﷺ حضرات صحابہ کو ضرور منع فرماتے جیسا کہ ابو طیبہ حجام کو اپنے بدن سے نکلے ہوئے خون کو پینے سے منع کیا ہے۔ (عنایہ)۔

نیز آب مستعمل کے مطہر نہ ہونے پر یہ بھی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو بہت سے اسفار میں پانی کی ضرورت پیش آئی مگر آپ ﷺ نے دوبارہ استعمال کیلئے آب مستعمل کو جمع کرنے کا حکم کبھی نہیں فرمایا۔

آب مستعمل کے نجس ہونے پر شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں جس طرح نجاست حقیقیہ یعنی پیشاب کرنے سے منع کیا ہے اس طرح نجاست حکمیہ یعنی غسل کرنے سے منع کیا پس ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنا ایسا ہے جیسا پیشاب کرنا لہٰذا ثابت ہوا کہ جس طرح پیشاب ماء راکد کو نجس کر دیتا ہے اسی طرح غسل کرنا بھی اس کو نجس کر دیگا۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ آب مستعمل وہ پانی ہے جس سے نجاست حکمیہ دور کی گئی ہے پس اس کو اس پانی پر قیاس کیا جائے گا جس سے نجاست

حقیقی دور کی گئی ہو اور جس پانی سے نجاست حقیقی دور کی گئی ہے وہ ناپاک ہوتا ہے اس لئے آب مستعمل بھی ناپاک ہوگا۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ نے فرمایا کہ مسافر اگر پیاس کا اندیشہ رکھتا ہو اور اس کے پاس پانی بھی ہو تو اس کے واسطے تیمم حلال ہے پس اگر وضو کیلئے استعمال کیا ہوا پانی پاک ہوتا تو اس کو اس بات کی اجازت ہوتی کہ پانی سے وضو کرے اور آب مستعمل کو پینے کیلئے جمع کرے۔ نیز احادیث میں ہے کہ غسل میں حضور ﷺ نے پاؤں کے دھونے کو مؤخر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تاخیر اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ آب مستعمل جو اس جگہ میں جمع ہے وہ نجس ہو کیونکہ اگر یہ پاک ہوتا تو مؤخر کرنے کے کوئی معنی نہ ہوتے۔

واضح ہو کہ امام حسن بن زیادؒ نے آب مستعمل کے نجاست غلیظہ ہونے پر قیاس سے استدلال کیا ہے یعنی وہ پانی جس کو نجاست حقیقیہ میں استعمال کیا گیا ہے جس طرح یہ نجاست غلیظہ کے حکم میں ہے اسی طرح آب مستعمل جس کو نجاست حکمیہ میں استعمال کیا گیا ہو وہ بھی نجاست غلیظہ کے حکم میں ہوگا۔

اور امام ابو یوسفؒ نجاست خفیفہ ہونے پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آب مستعمل کی طہارت اور نجاست میں علماء کا اختلاف ہے اور اختلاف علماء تخفیف پیدا کر دیتا ہے لہذا آب مستعمل نجاست خفیفہ کے حکم میں ہوگا نہ کہ نجاست غلیظہ کے۔ واللہ اعلم۔ جمیل۔

وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ هُوَ مَاءٌ اُزِيْلَ بِهٖ حَدَثٌ اَوِ اسْتُعْمِلَ فِي الْبَدَنِ عَلٰى وَجْهِ الْقُرْبَةِ قَالَ هٰذَا

اور آب مستعمل وہ پانی ہے کہ جس سے کوئی حدث دور کیا گیا ہو یا وہ بطور تقرب کے بدن میں استعمال کیا گیا ہو۔ مصنفؒ نے کہا کہ یہ

عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ وَقِيْلَ هُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَيْضاً وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَصِيْرُ مُسْتَعْمَلاً اِلَّا بِاِقَامَةِ

ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور کہا گیا کہ یہ ابو حنیفہؒ کا قول بھی ہے۔ اور امام محمدؒ نے کہا کہ وہ مستعمل نہ ہوگا مگر تقرب پورا کرنے سے

الْقُرْبَةِ لِاَنَّ الْاِسْتِعْمَالَ بِانْتِقَالِ نَجَاسَةِ الْاٰثَامِ اِلَيْهِ وَاِنَّهَا تُزَالُ بِالْقُرْبَةِ

کیونکہ استعمال تو گناہوں کی نجاست کے اس کی طرف منتقل ہونے سے (متحقق) ہوتا ہے۔ اور یہ نجاست صرف تقرب سے زائل کی جاتی ہے

وَاَبُوْ يُوْسُفَ يَقُوْلُ اِسْقَاطُ الْفَرْضِ مُؤَثِّرٌ اَيْضاً فَيَثْبُتُ الْفَسَادُ بِالْاَمْرَيْنِ

اور ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ فرض ساقط کرنا بھی موثر ہے تو فساد دونوں باتوں سے ثابت ہوگا

ماءِ مستعمل کی حقیقت اور اس کا سبب

تشریح:۔ اس عبارت میں دوسری بحث یعنی آب مستعمل کی حقیقت اور اس کے سبب کے بارے میں کلام ہے چنانچہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک پانی کے مستعمل ہونے کا سبب دو چیزیں ہیں (۱) حدث دور کرنا (۲) قربت اور ثواب کی نیت کرنا۔ یہ دونوں باتیں پائی جائیں یا دونوں میں سے ایک پائی جائے دونوں صورتوں میں پانی مستعمل ہو جائے گا۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک آب مستعمل ہونے کا سبب فقط نیت قربت ہے۔ اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک پانی کے مستعمل ہونے کا سبب فقط حدث زائل کرنا ہے پس اگر کسی محدث (بے وضو) نے قربت اور ثواب کے ارادے سے وضو کیا ہو تو بالاتفاق پانی مستعمل ہو جائے گا اور اگر کسی باوضو آدمی نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے وضو کیا ہو تو بالاتفاق پانی مستعمل نہیں ہوگا۔

اور اگر محدث نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے وضو کیا ہو تو شیخین رحمہما اللہ اور امام زفرؒ کے نزدیک پانی مستعمل ہو جائے گا اور امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مستعمل نہیں ہوگا۔ امام محمدؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ قربت اور ثواب کا ارادہ نہیں پایا گیا، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس لئے کہ بغیر نیت کے حدث زائل نہیں ہوا۔ اور اگر کسی باوضو آدمی نے قربت اور ثواب کی نیت سے وضو پر وضو کیا ہو تو امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک پانی مستعمل ہو جائیگا۔ اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مستعمل نہیں ہوگا۔ (عنایہ)۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ استعمال تو گناہوں کی نجاست اس کی طرف منتقل ہونے سے ہوتا ہے اور یہ نجاست صرف قربت اور ثواب کی نیت سے زائل کی جاتی ہے پس معلوم ہوا کہ پانی بغیر قربت کی نیت کے مستعمل نہیں ہوگا۔

اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ فرض ساقط کرنا یعنی حدث زائل کرنا بھی مؤثر ہے۔ حاصل یہ کہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک پانی کا وصف اس وقت متغیر ہوگا جبکہ نجاست حکمیہ محل سے زائل ہو کر پانی کی طرف منتقل ہو جائے اور نجاست حکمیہ دونوں صورتوں میں پانی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا افساد ماء یعنی پانی کا مستعمل ہونا دونوں باتوں سے ثابت ہو جائیگا۔

وَمَتٰى يَصِيْرُ الْمَاءُ مُسْتَعْمَلاً اَلصَّحِيْحُ اَنَّهٗ كَمَا زَالَ عَنِ الْعُضْوِ صَارَ مُسْتَعْمَلاً لِاَنَّ سُقُوْطَ حُكْمِ
اور پانی کب مستعمل ہو جاتا ہے تو صحیح یہ ہے کہ جوں ہی وہ عضو سے جدا ہوا تو مستعمل ہو گیا کیونکہ (عضو سے) جدا ہونے سے
الْاِسْتِعْمَالِ قَبْلَ الْاِنْفِصَالِ لِلضَّرُوْرَةِ وَلَا ضَرُوْرَةَ بَعْدَهٗ
پہلے استعمال کے حکم کا ساقط ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے اور اس کے بعد کوئی ضرورت نہیں رہی

ماءِ مستعمل کب مستعمل ہوتا ہے

تشریح: اس عبارت میں تیسری بحث آب مستعمل کے وقت کے متعلق کی گئی ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ علمائے احناف رحمہم اللہ اس پر تو متفق ہیں کہ پانی جب تک عضو پر ہے اس کو استعمال کا حکم نہیں دیا جائے گا البتہ جب عضو سے جدا ہو گیا لیکن کسی مکان یا برتن میں ٹھہرا نہیں تو اس کے مستعمل ہونے میں اختلاف ہے چنانچہ سفیان ثوریؒ، ابراہیم نخعیؒ، اور بعض مشائخ بلخ رحمہم اللہ نے کہا کہ مستعمل نہیں ہوگا تاوقتیکہ بدن سے جدا ہو کر کسی جگہ نہ ٹھہر جائے۔ اسی قول کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے۔

اور احناف کا مذہب یہ ہے کہ پانی جوں ہی بدن سے جدا ہوا تو وہ مستعمل ہو گیا اس کا کسی جگہ جمع ہونا مستعمل ہونے کیلئے

شرط نہیں ہے حتی کہ اگر بدن سے جدا ہو کر پانی کپڑے پر لگ گیا تو کپڑا شیخین کے نزدیک ناپاک ہو جائے گا۔ اور فقہاء احناف نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنے سر کا مسح کرنا بھول گیا، پھر اس نے اپنی داڑھی سے تری لیکر سر کا مسح کیا تو یہ جائز نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ بدن سے جدا ہونے سے پہلے پانی کو استعمال کا حکم ضرورت کی وجہ سے نہیں دیا گیا لیکن جدا ہونے کے بعد کوئی ضرورت نہیں رہی اس لئے بدن سے جدا ہوتے ہی استعمال کا حکم دیدیا جائیگا۔

وَالْجُنُبُ إِذَا انْغَمَسَ فِي الْبِئْرِ لِطَلَبِ الدَّلْوِ فَعِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ الرَّجُلُ بِحَالِهِ لِعَدَمِ

اور جنبی جب ڈول نکالنے کے لئے کنویں کے اندر غوطہ مارے تو ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ مرد اپنے حال پر (جنبی) ہے کیونکہ (پانی کا بدن پر)

الصَّبِّ وَهُوَ شَرْطٌ عِنْدَهُ لِإِسْقَاطِ الْفَرْضِ وَالْمَاءُ بِحَالِهِ

بہانا (موجود) نہیں ہے، حالانکہ یہ فرض ساقط کرنے کے لئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرط ہے اور پانی بھی اپنے حال پر (پاک) ہے

لِعَدَمِ الْأَمْرَيْنِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ كِلَاهُمَا طَاهِرَانِ الرَّجُلُ لِعَدَمِ اِشْتِرَاطِ الصَّبِّ وَالْمَاءُ لِعَدَمِ نِيَّةِ الْقُرْبَةِ

کیونکہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک دونوں پاک ہیں مرد اور پانی اس لئے کہ قربت کی نیت نہیں ہے

وَعِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ كِلَاهُمَا نَجِسَانِ الْمَاءُ لِإِسْقَاطِ الْفَرْضِ عَنِ الْبَعْضِ بِأَوَّلِ الْمُلَاقَاةِ وَالرَّجُلُ لِبَقَاءِ

اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں ناپاک ہیں۔ پانی تو اول ملاقات میں بعض اعضاء سے فرض سے ساقط کردینے کی وجہ سے اور مرد اس لئے کہ

الْحَدَثِ فِي بَقِيَّةِ الْأَعْضَاءِ وَقِيْلَ عِنْدَهُ نَجَاسَةُ الرَّجُلِ بِنَجَاسَةِ الْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ

باقی اعضاء میں حدث باقی ہے۔ اور کہا گیا کہ امام صاحبؒ کے نزدیک مرد کی نجاست آبِ مستعمل کے نجس ہونے کی وجہ سے ہے

وَعَنْهُ أَنَّ الرَّجُلَ طَاهِرٌ لِأَنَّ الْمَاءَ لَا يُعْطَى لَهُ حُكْمُ الْاِسْتِعْمَالِ قَبْلَ الْاِنْفِصَالِ

اور امام صاحبؒ ہی سے (مروی ہے) کہ مرد پاک ہے اس لئے کہ جدا ہونے سے پہلے پانی کو استعمال کا حکم نہیں دیا جاتا ہے

وَهُوَ أَوْفَقُ الرِّوَايَاتِ عَنْهُ

امام صاحبؒ سے یہ روایت سب روایتوں میں سے زیادہ موافق ہے

جنبی نے جب ڈول نکالنے کیلئے کنویں میں غوطہ مارا تو کنویں اور مرد کی پاکی کا کیا حکم ہے

تشریح ۔ جنبی سے مراد یہ ہے کہ اس کے بدن پر کوئی حقیقی نجاست نہ ہو اور کنویں سے مراد وہ دردہ سے کم ہے اب صورت یہ ہوگی ایک جنبی نے ڈول نکالنے کیلئے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے کنویں میں غوطہ مارا لیکن بدن پر پانی نہیں ملا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مرد اپنے حال پر جنبی ہے اور پانی اپنے حال پر پاک ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مرد اور پانی دونوں پاک ہیں اور

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرد اور پانی دونوں ناپاک ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ بدن پر پانی بہانا فرض ساقط کرنے کے لئے شرط ہے اور وہ یہاں پایا نہیں گیا اس لئے اس جنبی کا فرض ساقط نہیں ہوا، اور جب فرض ساقط نہیں ہوا تو مرد علی حالہ جنبی رہا اور پانی اس لئے پاک ہے کہ ابو یوسفؒ کے نزدیک پانی کے مستعمل ہونے کے دو سبب ہیں (۱) حدث دور کرنا (۲) قربت اور ثواب کی نیت ان کے علاوہ اور کوئی سبب نہیں ہے پس جب دونوں سبب نہیں پائے گئے تو پانی مستعمل نہ ہوگا بلکہ سابقہ حالت پر پاک رہے گا۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ پانی بہانا فرض ساقط کرنے کے لئے شرط نہیں ہے لہٰذا بغیر پانی بہائے محض غوطہ لگانے سے اس کا فرض جنابت ساقط ہو گیا اور وہ پاک ہو گیا اور پانی اس وجہ سے پاک ہے کہ اس نے قربت اور ثواب کی نیت نہیں کی۔ اس لئے کہ امام محمدؒ کے نزدیک پانی مستعمل ہونے کے لئے قربت کی نیت کرنا شرط ہے بغیر نیت قربت کے ان کے نزدیک پانی مستعمل نہیں ہوتا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ پانی تو اس وجہ سے ناپاک ہے کہ اس جنبی کے بعض اعضاء جب پانی سے ملے تو ان بعض اعضاء سے فرض ساقط ہو گیا اور اس کی وجہ سے پانی مستعمل ہو گیا اگرچہ نیت نہیں پائی گئی کیونکہ فرض جنابت ساقط کرنے کے لئے نیت شرط نہیں ہے اور مرد اس لئے ناپاک ہے کہ اس کے بعض اعضاء میں حدث باقی ہے کیونکہ باقی اعضا ناپاک پانی سے پاک نہیں ہوئے اور کہا گیا کہ مرد اس لئے ناپاک ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک فرض ساقط ہونے کے لئے نیت شرط نہیں ہے لہٰذا فرض غسل تو بغیر نیت کے ساقط ہو گیا لیکن آب مستعمل کی وجہ سے اس کا بدن ناپاک ہو گیا اس قول کی بناء پر اس کے واسطے قراءت قرآن تو جائز ہے مگر نماز نہیں پڑھ سکتا۔

اور امام صاحبؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مرد پاک ہو گیا کیونکہ پانی کو بدن سے جدا ہونے سے پہلے مستعمل ہونے کا حکم نہیں دیا جاتا ہے۔ پس جب وہ شخص پانی سے جدا ہوا تب وہ پانی مستعمل قرار پایا۔ اور اس کے بعد وہ پانی میں نہیں گھسا تو یہ مرد پاک رہا۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ روایت امام صاحبؒ کے اصول سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے اس لئے یہ روایت راجح ہوگی۔

قَالَ وَكُلُّ إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ جَازَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ وَالْوُضُوْءُ مِنْهُ

فرمایا اور ہر کچی کھال جس کو دباغت دی گئی وہ پاک ہو گئی اور اس (دباغت دی ہوئی کھال) میں نماز جائز ہے اور اس سے وضو جائز ہے

إِلَّا جِلْدَ الْخِنْزِيْرِ وَالْآدَمِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ وَهُوَ بِعُمُوْمِهِ

سوائے سور اور آدمی کی کھال کے اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جس کھال کو دباغت دی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے اور یہ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے

حُجَّةٌ عَلٰى مَالِكٍ فِيْ جِلْدِ الْمَيْتَةِ وَلَا يُعَارِضُ بِالنَّهْيِ الْوَارِدِ عَنِ الْاِنْتِفَاعِ مِنَ

مردار کی کھال کے حق میں امام مالک کے خلاف حجت ہے اور یہ حدیث اس نہی کے معارض نہیں ہے جو مردار سے نفع اٹھانے کے بارے میں

الْمَيْتَةِ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ لِأَنَّهُ اِسْمٌ لِغَيْرِ الْمَدْبُوْغِ

وارد ہوئی ہے اور وہ حضور ﷺ کا قول لَا تَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ ہے اس لئے کہ اہاب تو بغیر دباغت کی ہوئی کھال کا نام ہے

وَحُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي جِلْدِ الْكَلْبِ وَلَيْسَ الْكَلْبُ نَجِسَ الْعَيْنِ اَلَا تَرٰى اَنَّهُ يُنْتَفَعُ بِهٖ
اور کتے کی کھال کے حق میں امام شافعی کے خلاف حجت ہے حالانکہ کتا نجس العین نہیں ہے کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ کتے سے نگہبانی اور شکار پکڑنے کے طور پر نفع لیا جاتا ہے
حِرَاسَةً وَاصْطِيَادًا بِخِلَافِ الْخِنْزِيْرِ لِاَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ اِذِ الْهَاءُ فِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى فَاِنَّهُ رِجْسٌ مُنْصَرِفٌ
بخلاف سور کے کیونکہ سور نجس العین ہے اس لئے کہ باری تعالیٰ کے قول فَاِنَّهُ رِجْسٌ میں ضمیر خنزیر کی
اِلَيْهِ لِقُرْبِهٖ وَحُرْمَةُ الْاِنْتِفَاعِ بِاَجْزَاءِ الْاٰدَمِيِّ لِكَرَامَتِهٖ فَخَرَجَا
طرف راجع ہے کیونکہ یہی قریب ہے اور آدمی کے اجزاء سے نفع کا حرام ہونا اس کی کرامت کی وجہ سے ہے۔ پس یہ دونوں کھالیں خارج ہو گئیں
عَمَّا رَوَيْنَاهُ ثُمَّ مَا يَمْنَعُ النَّتْنَ وَالْفَسَادَ فَهُوَ دِبَاغٌ وَ اِنْ كَانَ تَشْمِيْسًا اَوْ تَتْرِيْبًا
اس حدیث سے جو ہم نے روایت کی پھر جو چیز بدبو ہو جانے اور بگڑ جانے کو روک دے وہی دباغت ہے اگر چہ دھوپ میں سکھانا یا مٹی لگانا ہو
لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ يَحْصُلُ بِهٖ فَلَا مَعْنٰى لِاشْتِرَاطِ غَيْرِهٖ ثُمَّ مَا يَطْهُرُ جِلْدُهٗ
کیونکہ مقصود (تو اس قدر سے) حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے غیر کی شرط لگانے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ پھر جس جانور کی کھال دباغت
بِالدِّبَاغِ يَطْهُرُ بِالذَّكَاةِ لِاَنَّهُ يَعْمَلُ عَمَلَ الدِّبَاغِ فِيْ اِزَالَةِ الرُّطُوْبَاتِ النَّجِسَةِ وَكَذٰلِكَ
سے پاک ہو جاتی ہے وہ ذبح سے (بھی) پاک ہو جاتی ہے کیونکہ ذبح کرنا رطوبت نجسہ کو دور کرنے میں دباغت کا کام دیتا ہے اور اسی طرح
يَطْهُرُ لَحْمُهٗ وَهُوَ الصَّحِيْحُ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مَاْكُوْلًا.
اس کا گوشت پاک ہو جاتا ہے اور یہی مذہب صحیح ہے اگر چہ وہ جانور ماکول اللحم نہ ہو

دباغت سے چمڑا پاک ہو جاتا ہے، چمڑے کا مصلی بنا کر نماز پڑھنا اور مشکیزہ بنا کر اس سے وضو کرنے کا حکم

تشریح:۔ اِہاب ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کی جمع اُہب اور اُہُب ہے صاحب بنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے دباغت کے بعد کھال کو ادیم کہتے ہیں اور دباغت سے پہلے اِہاب کہتے ہیں اور لفظ جلد دونوں کو عام ہے۔ صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کھال کو دباغت دینے کے ساتھ تین مسئلے متعلق ہوتے ہیں:۔

ایک تو خود اس کھال کا پاک ہونا دوم اس کا لباس بنا کر پہننا اور اس کو مصلی بنانا سوم اس کا مشکیزہ بنا کر اس سے وضو کرنا۔

اول کا تعلق کتاب الصید کے ساتھ ہے ثانی کا کتاب الصلوۃ کے ساتھ اور ثالث کا تعلق اس باب کے ساتھ ہے۔

شیخ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وَالصَّلٰوۃُ فِیْہِ یعنی دباغت کی ہوئی کھال کا لباس پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے اور یہ نہیں کہا وَالصَّلٰوۃُ عَلَیْہِ یعنی اس کا مصلی بنا کر اس پر نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ دونوں کا حکم یکساں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لباس کی طہارت منصوص علیہ ہے اس لئے کہ باری تعالیٰ کا قول وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ اور مکان صلوٰۃ کی طہارت دلالت النص سے ثابت ہے۔

عبارت میں خنزیر کو آدمی پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مقام، مقام اہانت ہے کیونکہ یہاں نجاست کا بیان ہے اور موضع اہانت میں مؤخر کرنے میں تعظیم ہوتی ہے نہ کہ مقدم کرنے میں جیسے باری تعالیٰ کے قول لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ میں مساجد کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک خنزیر اور آدمی کی کھال کے علاوہ ہر کھال دباغت کرنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ دباغت خواہ کسی قسم کی ہو پس دباغت شدہ کھال کا لباس پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے مشکیزہ میں پانی لیکر اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مردار کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کتے کی کھال دباغت کرنے سے پاک نہیں ہوتی ہے۔ مبسوط میں مذکور ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک غیر ماکول اللحم کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی امام شافعیؒ کی دلیل قیاس ہے یعنی جس طرح خنزیر کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی اسی طرح کتے کی کھال یا مبسوط کے بیان کے مطابق غیر ماکول اللحم کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔

امام مالکؒ کی دلیل یہ حدیث ہے عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُكَيْمٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ كَتَبَ اِلٰى جُهَيْنَةَ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِشَهْرٍ اَنْ لَّا تَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِاِهَابٍ وَّلَا عَصَبٍ یعنی حضور ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی وفات سے ایک ماہ پیشتر جہینہ کو لکھا کہ تم مردار کی کھال اور پٹھے کے ساتھ نفع مت اُٹھاؤ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار کی کھال ناپاک ہے اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول اَيُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ ہے یعنی جو کھال دباغت کی گئی وہ پاک ہو گئی ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے قَالَ اَرَادَ النَّبِيُّ ﷺ اَنْ يَّتَوَضَّأَ مِنْ سِقَاءٍ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّهٗ مَيْتَةٌ فَقَالَ دِبَاغُهٗ يُزِيْلُ خَبَثَهٗ اَوْ نَجَسَهٗ اَوْ رِجْسَهٗ یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ایک مشکیزہ سے وضو کرنا چاہا تو آپ ﷺ سے کہا گیا یہ مردار ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو دباغت کرنا اس کے خبث کو یا اس کی نجاست کو یا اس کی گندگی کو دور کر دیتا ہے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ مردار کی کھال دباغت کرنے سے پاک ہو جاتی ہے۔

اور صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے قَالَ تُصُدِّقَ عَلٰى مَوْلَاةٍ لِمَيْمُوْنَةَ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ هَلَّا اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا فَدَبَغْتُمُوْهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهٖ فَقَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ قَالَ اِنَّمَا حَرُمَ اَكْلُهَا.

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آزاد کردہ باندی کو ایک بکری صدقہ دی گئی تھی وہ مر گئی تو حضور ﷺ اس بکری کی طرف گذرے اور فرمایا کہ تم نے اس کی کھال لے کر دباغت کیوں نہ کرلی کہ اس سے نفع اٹھاتی۔ پس لوگوں نے کہا کہ یہ تو مردار ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا صرف کھانا حرام ہے۔

اور ایک روایت میں ہے اِنَّمَا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ لَحْمُهَا وَرُخِّصَ لَكُمْ فِيْ مَسْكِهَا اس کا صرف تم پر گوشت حرام ہے اور تمہارے لئے اس کی کھال میں اجازت ہے۔ اور ایک روایت میں ہے اِنَّ دِبَاغَهُ طُهُوْرٌ یعنی اس کو دباغت کرنا اس کو پاک کر دیگا۔ ہمارے مذہب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو امام بخاریؒ نے حضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا: قَالَتْ مَاتَتْ لَنَا شَاةٌ فَدَبَغْنَا مَسْكَهَا ثُمَّ مَازِلْنَا نَنْبِذُ فِيْهِ حَتّٰى صَارَ شَنًّا یعنی حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ہماری ایک بکری مر گئی پس ہم نے اس کی کھال کو دباغت کرلیا پھر ہم اس میں برابر نبیذ تر بناتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانی ہوگئی۔ ان دونوں حدیثوں سے بھی مردار کی کھال کا دباغت کرنے سے پاک ہونا ثابت ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ کتے کی کھال کو خنزیر کی کھال پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ کتا صحیح قول کی بنا پر نجس العین نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نگہبانی اور شکار کرنے کیلئے کتا اپنے پاس رکھنا جائز ہے۔ پس اگر کتا نجس العین ہوتا تو اس سے نفع لینا شرعاً ممنوع ہوتا لیکن اگر یہ اشکال کیا جائے کہ نفع لینا تو نجس العین سے بھی جائز ہے مثلاً گوبر نجس العین ہے مگر اس کو آگ جلانے کے کام میں اور کھیت کو تقویت دینے کے لئے کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے پس کتے سے نفع لینا نجس العین نہ ہونے کی دلیل کیسے ہوسکتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ گوبر سے نفع لیا جاتا ہے مگر اس کو ہلاک کر کے اور نجس العین میں یہ بات جائز ہے کہ اس کو ہلاک کر کے اس سے نفع کیا جائے۔ بہر حال یہ بات ثابت ہوگئی کہ کتا نجس العین نہیں ہے اور رہا خنزیر تو وہ نجس العین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ۔

یعنی آپ کہہ دیجئے کہ جو احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے (تھانویؒ) اس آیت سے استدلال اس طور پر ہوگا کہ فانہ کی ضمیر کے مرجع میں اگرچہ دو احتمال ہیں ایک یہ کہ مرجع لحم ہو دوم یہ کہ خنزیر مرجع ہو۔ لیکن اقرب ہونے کی وجہ سے خنزیر کو مرجع قرار دینا اولیٰ ہے۔ پس اس صورت میں معنی ہوں گے کہ خنزیر ناپاک اور نجس ہے۔

لیکن اگر یہ اشکال کیا جائے کہ آیت میں خنزیر مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ غیر مقصود ہوتا ہے لہٰذا ضمیر کا مرجع خنزیر نہ ہونا

چاہیے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مضاف الیہ کو ضمیر کا مرجع بنانا بغیر نکیر کے شائع ہے جیسے باری تعالیٰ کے قول: وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ میں اِيَّاهُ ضمیر کا مرجع مضاف الیہ (اللہ) ہے۔ اور باری تعالیٰ کے قول يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ میں دونوں صورتیں جائز ہیں یعنی میثاقہ کی ضمیر کا مرجع مضاف الیہ (اللہ) بھی ہوسکتا ہے اور مضاف (عہد) بھی ہوسکتا ہے اور کبھی ضمیر کا مرجع صرف مضاف ہوتا ہے جیسے کسی نے کہا رَأَيْتُ ابْنَ زَيْدٍ فَكَلَّمْتُهٗ اس مثال میں ضمیر مفعول کا مرجع مضاف (ابن) ہے۔ پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ مرجع مضاف الیہ ہوسکتا ہے تو آیت فَاِنَّهٗ رِجْسٌ میں مضاف الیہ (خنزیر) کو مرجع قرار دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے پس اس آیت سے خنزیر کا نجس العین ہونا ثابت ہوگیا۔ اور جب خنزیر نجس العین اور کتا غیر نجس العین ہے تو کتے کی کھال کو خنزیر کی کھال پر قیاس کرنا کس طرح درست ہوسکتا ہے۔

اور امام مالکؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ کی پیش کردہ حدیث لَا تَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِاِهَابٍ یہ اَيُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ کے معارض نہیں ہوسکتی کیونکہ اہاب بغیر دباغت کی کھال کو کہتے ہیں۔ تو حدیث لَا تَنْتَفِعُوْا الحدیث میں اس کھال کے ساتھ نفع اُٹھانے کی ممانعت کی گئی ہے جو غیر مدبوغ ہے کیونکہ یہ ابھی تک نجس ہے اور اَيُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ میں فرمایا ہے کہ دباغت کے بعد مردار کی کھال پاک ہوجاتی ہے پس ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

لیکن یہ اشکال ہوگا کہ حدیث اَيُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ کا عموم اس بات کا مقتضی ہے کہ ہر کھال دباغت کرنے سے پاک ہوجانی چاہیے۔ خواہ سور کی ہو یا آدمی کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے سور اور آدمی کی کھال کو خاص کرلیا گیا ہے کیونکہ سور کا نجس العین ہونا ثابت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اور آدمی کا مکرم ہونا ثابت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ پس دباغت کرنے کے باوجود سور کی کھال اس کے نجس العین ہونے کی وجہ سے قابل انتفاع نہیں ہوگی اور آدمی کے مکرم ہونے کی وجہ سے اس کی کھال قابل انتفاع نہیں ہوگی۔

ثُمَّ مَا يَمْنَعُ النَّتْنَ وَالْفَسَادَ: سے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے دباغت کی تعریف کی ہے چنانچہ فرمایا کہ کھال کی بدبو اور فساد کو دور کرنے کا نام دباغت ہے۔

امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں کہا ہے: اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ كُلُّ شَيْءٍ يَمْنَعُ الْجِلْدَ مِنَ الْفَسَادِ فَهُوَ دِبَاغٌ یعنی جو چیز کھال کو فساد سے روک دے وہ دباغ ہے۔ خواہ دھوپ میں سکھا کر ہو یا مٹی میں ڈال کر۔ کیونکہ نجس رطوبتوں کو دور کرنے کی وجہ سے مقصود اس سے حاصل ہوجاتا ہے لہٰذا اس کے علاوہ کسی اور چیز کی شرط لگانے کے کوئی معنی نہیں ہیں جیسا کہ امام شافعیؒ نے درخت سلم (ایک قسم کا کانٹے دار درخت جس کے پتوں سے دباغت دی جاتی ہے) کے پتوں اور شث (چھوٹے

سیب کی طرح خوشبودار کڑوے مزے کے پھل کا ایک درخت جس میں کانٹے نہیں ہوتے اور اس کے پتوں کو چمڑے کی دباغت میں استعمال کرتے ہیں) اور مازو کے درخت کی شرط لگائی ہے۔

واضح ہو کہ جس جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ ذبح سے پاک ہو جاتی ہے بشرطیکہ یہ ذبح کرنا ایسے شخص سے ہو جو ذبح کا اہل ہو چنانچہ مجوسی کا ذبح کرنا اس کو پاک نہیں کرے گا۔ دلیل یہ ہے کہ ذبح کرنا دباغت کا کام دیتا ہے اس بارے میں کہ نجس رطوبات کو زائل کر دیتا ہے اور اسی طرح ذبح کرنا اس جانور کے گوشت کو بھی پاک کر دیتا ہے اور خون کے علاوہ تمام اجزاء کو پاک کرتا ہے یہی صحیح مذہب ہے اگر چہ وہ جانور ایسا ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا یعنی ذبح کرنے سے غیر ماکول اللحم کا گوشت بھی پاک ہو جاتا ہے، واللہ اعلم۔

وَشَعْرُ الْمَيْتَةِ وَعَظْمُهَا طَاهِرٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ نَجِسٌ لِأَنَّهُ مِنْ أَجْزَاءِ الْمَيْتَةِ
اور مردار کے بال اور اس کی ہڈی پاک ہیں۔ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ نجس ہیں کیونکہ یہ مردار کے اجزاء میں سے ہیں
وَلَنَا أَنَّهُ لَا حَيٰوةَ فِيهِمَا وَلِهٰذَا لَا يَتَأَلَّمُ بِقَطْعِهِمَا فَلَا يَحُلُّهُمَا
اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں میں حیات نہیں ہے اور اسی وجہ سے ان کے کاٹے جانے سے وہ تکلیف محسوس نہیں کرتا پس ان میں موت
الْمَوْتُ إِذِ الْمَوْتُ زَوَالُ الْحَيٰوةِ وَشَعْرُ الْإِنْسَانِ وَعَظْمُهُ طَاهِرٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ
بھی حلول نہیں کرے گی۔ اس لئے کہ موت تو حیات کا زوال ہے اور انسان کے بال اور اس کی ہڈی پاک ہیں۔ اور امام شافعیؒ نے کہا
نَجِسٌ لِأَنَّهُ لَا يُنْتَفَعُ بِهِ وَلَا يَجُوزُ بَيْعُهُ وَلَنَا أَنَّ عَدَمَ الْإِنْتِفَاعِ وَالْبَيْعِ
کہ ناپاک ہیں کیونکہ اس سے نفع نہیں لیا جاتا اور اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ انتفاع اور بیع کا نہ ہونا
لِكَرَامَتِهِ فَلَا يَدُلُّ عَلٰى نَجَاسَتِهِ
آدمی کی کرامت کی وجہ سے ہے لہٰذا یہ اس کی نجاست پر دلیل نہ ہوگی۔

مردار کے بال اور ہڈیاں پاک ہیں یا نہیں

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ مردار کے بال اور اس کی ہڈی پاک ہیں یعنی اگر پانی میں گر جائے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے اور یہی حکم پٹھے، کھر، سم، سینگ، اون، پر، ناخن اور چونچ کا ہے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ تمام چیزیں ناپاک ہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ چیزیں مردار کے اجزاء میں سے ہیں اور مردار تمام اجزاء کے ساتھ ناپاک ہوتا ہے لہٰذا یہ تمام چیزیں ناپاک ہوں گی۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مردار کے تمام اجزاء ناپاک نہیں ہوتے ہیں بلکہ صرف وہ اجزاء ناپاک ہیں جن میں حیات ہو اور موت کی وجہ سے زائل ہو جائے۔ اور یہ چیزیں جو اوپر مذکور ہوئیں ان میں حیات نہیں ہوتی کیونکہ ان میں سے اگر کسی چیز کو کاٹا جائے تو جانور تکلیف

محسوس نہیں کرتا ہے۔ پس جب ان میں حیات نہیں تو موت بھی حلول نہیں کرے گی کیونکہ موت تو حیات کے زائل ہونے کا نام ہے۔

چونکہ اس جگہ موت وحیات کا ذکر آ گیا ہے اس لئے ان دونوں کے بارے میں تھوڑا سا کلام کیا جاتا ہے صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے موت کی دو تعریفیں کی ہیں:۔

ایک زوال حیات زندگی کا فنا ہو جانا یعنی اس شخص سے زندگی کا معدوم ہو جانا جس کی شان ہی زندہ ہونا ہو۔ اس تعریف میں موت ایک عدمی شی ہے اور اس کے اور حیات کے درمیان عدم وملکہ کا تقابل ہے۔

دوسری تعریف یہ ہے کہ موت ایک صفت اور حالت ہے جو منافی حیات ہے اس تعریف سے موت کا وجودی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پس موت وحیات باہم ضدین ہوئے اور ضدین وہ دو امر وجودی ہیں جو محل واحد پر علی سبیل التعاقب وارد ہوں پس موت ایک وجودی شی ہوگی اور اس کے اور حیات کے درمیان تقابل تضاد کا ہوگا۔

دوسرے قول کی دلیل ارشاد باری خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ ہے آیت میں خلق کا مفعول موت کو قرار دیا گیا ہے اور خلق کا مفعول وجودی شئے ہی بن سکتی ہے کیوں کہ خلق بمعنی ایجاد ہے پس خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ کے معنی ہوں گے، موت وحیات کو موجود بنا دیا۔

اس استدلال کو صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح رد کر دیا کہ خلق ایجاد کے معنی میں نہیں، بلکہ تقدیر اور اندازہ کرنے کے معنی میں ہے اور اندازہ جس طرح وجودی اشیاء کا ہوتا ہے اسی طرح عدمی کا بھی، کیونکہ موجودات ومعدومات سب اللہ کے اندازے میں ہیں۔

ہمارے شعرائے اُردو نے بھی بڑے اچھے فلسفیانہ انداز میں موت وحیات کے راز کو سمجھایا ہے۔ چکبست کہتا ہے۔ ۔

☆زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب ☆موت کیا ہے انہیں اجزاء کا پریشاں ہونا

ذوق نے یوں دقیقہ رسی دکھائی ہے ۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

شاکی کی گل افشانی ملاحظہ ہو۔

☆حیات وموت قیدیں ارے میری توبہ ☆غرض عذاب دو عالم میں مبتلا ہوں میں

شیخ قدوریؒ نے دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا ہے کہ انسان کے بال اور ہڈی پاک ہیں۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ ناپاک ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ آدمی کے بال اور ہڈی نہ قابل انتفاع ہیں اور نہ ان کی بیع جائز ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں ناپاک ہیں۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں سے انتفاع اور بیع کا حرام ہونا آدمی کی کرامت کی وجہ سے ہے نہ کہ نجاست کی وجہ سے، نیز صحت کے ساتھ یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے سر کے بالوں کا حلق کرایا اور صحابہؓ کے درمیان تقسیم فرمایا۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی پاک ہونے کی دلیل ہے، واللہ اعلم۔ جمیل احمد عفی عنہ۔

فَصْلٌ فِي الْبِئْرِ

(یہ) فصل کنویں (کے احکام کے بیان) میں ہے

وَإِذَا وَقَعَتْ فِي الْبِئْرِ نَجَاسَةٌ نُزِحَتْ وَكَانَ نَزْحُ مَا فِيهَا مِنَ الْمَاءِ

اور جب کنویں میں کوئی نجاست گر جائے تو کنویں (کا پانی) نکالا جائے۔ اور اس پانی کا نکالنا جو کنویں میں ہے

طَهَارَةً لَهَا بِإِجْمَاعِ السَّلَفِ وَمَسَائِلُ الْبِئْرِ مَبْنِيَّةٌ عَلَى اتِّبَاعِ الْآثَارِ دُونَ الْقِيَاسِ

اسلاف کے اجماع کی وجہ سے اس کنویں کے لئے طہارت ہوگا، اور کنویں کے مسائل اتباع آثار پر مبنی ہیں نہ کہ قیاس پر

کنویں کے مسائل، آب قلیل نجاست کے گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے

تشریح:۔ سابق میں بیان کیا گیا ہے کہ آب قلیل میں اگر نجاست گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور پورا پانی بہادیا جائیگا لیکن اس پر نقض وارد ہوگا کہ کنویں میں اگر نجاست گر جائے تو بعض صورتوں میں پورا پانی نہیں نکالا جاتا ہے۔ پس چونکہ کنوؤں کے بعض احکام سابق سے مختلف ہیں اس لئے ان کی علیحدہ فصل کردی۔ فرمایا کہ اگر کنویں میں جانور کے علاوہ کوئی نجاست گر جائے مثلاً پیشاب، شراب، خون یا خنزیر اور یہ نجاست تھوڑی ہو یا زیادہ تو کنویں کا پورا پانی نکالنا ضروری ہے۔ اور پورا پانی نکالنا کنویں کے واسطے بھی طہارت ہے یعنی کنویں کی دیواروں کا دھونا واجب نہیں ہے محض پانی نکالنے سے پورا کنواں پاک ہو گیا۔ دلیل صحابہ اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع ہے۔

مصنف ہدایہ نے فرمایا کہ کنویں کے مسائل اتباع آثار پر مبنی ہیں۔ قیاس کو کوئی دخل نہیں ہے چنانچہ قیاس پر پانی کی کوئی مقدار نہیں نکالی جائے گی۔ اور قیاس اس باب میں اس لئے بھی معتبر نہیں کہ کنویں کے پانی میں دو قیاس متضاد ہیں۔

کیونکہ ایک قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ پانی ناپاک ہی نہ ہو۔ اس لئے کہ کنویں میں نیچے سے برابر پانی نکلتا رہتا ہے لہٰذا کنویں کا پانی آب جاری کا حکم میں ہوگا اور آب جاری نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا ہے۔

اور دوسرا قیاس یہ ہے کہ پانی پاک ہی نہ ہو کیونکہ نجاست کے کنویں میں پڑنے سے پانی ناپاک ہوا کنویں کی دیواریں ناپاک ہوئیں اور اس کی کیچڑ ناپاک ہوئی اور حال یہ کہ جس قدر پانی نکالا جائے گا اسی قدر نیچے سے کنویں میں نکل آئے گا اور وہ ناپاک پانی، ناپاک کیچڑ اور ناپاک دیواروں سے مل کر خود بھی ناپاک ہو جائے گا۔ پس یہ سلسلہ قیامت تک بھی چلتا رہے تو کنویں کا پانی پاک نہیں ہو سکتا۔

فَإِنْ وَقَعَتْ فِيهَا بَعْرَةٌ أَوْ بَعْرَتَانِ مِنْ بَعْرِ الْإِبِلِ أَوِ الْغَنَمِ لَمْ تُفْسِدِ الْمَاءَ اسْتِحْسَانًا وَالْقِيَاسُ

پھر اگر کنویں میں بکری یا اونٹ کی ایک مینگنی یا دو مینگنیاں گر پڑیں تو بدلیل استحسان پانی کو خراب نہیں کرے گا اور قیاس یہ چاہتا ہے

اَنْ تُفْسِدَهُ لِوُقُوْعِ النَّجَاسَةِ فِي الْمَاءِ الْقَلِيْلِ وَوَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ اَنَّ اٰبَارَ الْفَلَوَاتِ لَيْسَتْ لَهَا رُءُوْسٌ

کہ پانی کو گندہ کردے کیونکہ آب قلیل میں نجاست پڑ گئی۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جنگلوں کے کنووں کے لئے کوئی روکنے والی

حَاجِزَةٌ وَالْمَوَاشِيْ تَبْعَرُ حَوْلَهَا فَتُلْقِيْهَا الرِّيْحُ فِيْهَا فَجُعِلَ الْقَلِيْلُ عَفْوًا لِلضَّرُوْرَةِ

من نہیں ہوتی ہے اور مویشی ان کے گرد مینگنیا کرتے ہیں۔ پس ہوا ان مینگنیوں کو کنویں میں ڈالتی ہے تو ضرورت کی وجہ سے قلیل کو معاف کیا گیا

وَلَا ضَرُوْرَةَ فِي الْكَثِيْرِ وَهُوَ مَا يَسْتَكْثِرُهُ النَّاظِرُ اِلَيْهِ فِي الْمَرْوِيِّ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ

اور کثیر میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور کثیر وہ ہے کہ جس کو اس کی طرف نظر کرنے والا کثیر جانے اس قول میں جو ابو حنیفہؒ سے مروی ہے

وَعَلَيْهِ الْاِعْتِمَادُ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الرَّطْبِ وَالْيَابِسِ وَالصَّحِيْحِ وَالْمُنْكَسِرِ وَالرَّوْثِ وَالْخِثْيِ وَالْبَعْرِ

اور اسی قول پر اعتماد ہے۔ اور تر اور خشک کے درمیان اور سالم اور ٹوٹی ہوئی میں، اور لید اور گوبر اور مینگنی میں کوئی فرق نہیں،

لِاَنَّ الضَّرُوْرَةَ تَشْمَلُ الْكُلَّ وَفِيْ شَاةٍ تَبْعَرُ فِي الْمِحْلَبِ بَعْرَةً اَوْ بَعْرَتَيْنِ قَالُوْا

کیونکہ ضرورت تو سب کو شامل ہے اور (ایسی صورت میں کہ) بکری نے دودھ دوہنے کے برتن میں ایک یا دو مینگنی کردی تو مشائخ نے کہا

يُرْمَى الْبَعْرَةُ وَيُشْرَبُ اللَّبَنُ لِمَكَانِ الضَّرُوْرَةِ وَلَا يُعْفَى الْقَلِيْلُ فِي الْاِنَاءِ

کہ مینگنی پھینک دی جائے اور دودھ پیا جائے ضرورت کی وجہ سے اور برتن کی صورت میں قلیل معاف نہیں کی جائے گی

عَلٰى مَا قِيْلَ لِعَدَمِ الضَّرُوْرَةِ وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهُ كَالْبِئْرِ فِيْ حَقِّ الْبَعْرَةِ وَالْبَعْرَتَيْنِ

اس بنا پر کہ کہا گیا عدم ضرورت کی وجہ سے، اور ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ برتن بھی ایک دو مینگنی کے حق میں کنویں کی مانند ہے

کنویں میں اونٹ یا بکری کی ایک مینگنی یا دو مینگنیاں، خشک یا تر، سالم یا ٹوٹی ہوئی لید اور گوبر گر جائیں تو کنواں پاک ہوگا

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کنویں میں اونٹ یا بکری کی ایک مینگنی یا دو مینگنیاں گر پڑیں تو استحساناً پانی ناپاک نہیں ہوگا اور قیاساً ناپاک ہو جائے گا ایک دو مینگنیوں سے مراد مقدار قلیل ہے۔

قیاس کی دلیل یہ ہے کہ آب قلیل میں نجاست گر گئی ہے اور سابق میں گذر چکا ہے کہ آب قلیل نجاست پڑ جانے سے ناپاک ہو جاتا ہے۔ نجاست خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو اور یہاں وہ کنواں مراد ہے جو دہ در دہ سے کم ہو۔

اور استحسان کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جنگلوں اور بیابانوں کے کنوؤں کے سروں پر کوئی چیز روکنے والی نہیں ہوتی ہے یعنی ان کی من وغیرہ نہیں ہوتی ہے۔ اور جانور ان کے اردگرد مینگنیاں کرتے ہیں پھر ہوا ان مینگنیوں کو کنویں میں ڈالتی ہے اس لئے ضرورت کی وجہ سے مقدار قلیل کو معاف کردیا گیا۔ اور چونکہ کثیر میں کوئی ضرورت نہیں اس لئے اس کو معاف نہیں کیا گیا۔

رہی یہ بات کہ قلیل وکثیر کی حد کیا ہے تو اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ پس بعض نے کہا کہ کثیر یہ ہے کہ اتنی مینگنیاں ہوں کہ چوتھائی پانی پر چھا جائے اور کہا گیا کہ تہائی پانی تک چھائی ہوں اور کہا گیا کہ اکثر پانی تک چھائی ہوں اور بعض نے کہا کہ مینگنیاں پورا پانی گھیر لیں۔ اور بعض نے کہا کہ کوئی ڈول بغیر مینگنی کے نہ نکلے، اور بعض نے کہا کہ اگر تین مینگنی ہوں تو کثیر ہیں۔

اور امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ مُبتلیٰ بہٖ اگر ان کو کثیر جانے تو کثیر ہے ورنہ قلیل ہے اور اسی قول پر اعتماد ہے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ ایسے مسائل میں جو تقدیر اور اندازہ کے محتاج ہوتے ہیں اسی شخص پر حوالہ کرتے ہیں جس کے حق میں وہ مسائل پیش آدیں۔

صاحبؒ ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس وجہ استحسان کی بناء پر مینگنی، خشک، سالم اور ٹوٹی ہوئی سب برابر ہیں اس طرح لید، گوبر اور مینگنی سب کا حکم یکساں ہے کیونکہ ضرورت سب کو شامل ہے۔ جس طرح ان کنوؤں کے گرد بکریاں لانے کی ضرورت ہے اسی طرح اونٹ، گھوڑے، گائیں اور بھینسیں لانے کی ضرورت ہے اور ان کا گوبر لید بھی گرتا ہے اس وجہ کی بنیاد پر جنگلوں اور شہروں کے کنوؤں کے درمیان فرق ہوگا اس لئے کہ اگرچہ جنگلوں کے کنوؤں کے سروں پر کوئی چیز روکنے والی نہیں ہوتی مگر شہروں اور آبادیوں کے کنوؤں کی من ہوتی ہے جو کوڑا وغیرہ گرنے سے روکتی ہے اس لئے جنگلوں کے کنوؤں میں نجاست کی مقدار قلیل کو معاف کرنے کی ضرورت ہے مگر آبادیوں کے کنوؤں میں معاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (عنایہ)

دوسری وجہ استحسان صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ مینگنی ایک سخت چیز ہے اور اس پر آنتوں کی رطوبت لگی رہتی ہے اس لئے پانی مینگنی کے اندر داخل نہیں ہوسکتا اور جب پانی اندر داخل نہیں ہوگا تو نجاست کا اثر بھی پانی میں نہیں ہوگا۔ اس لئے مقدار قلیل کو معاف کردیا۔

اس وجہ کی بنا پر شہروں اور جنگلوں کے کنوؤں میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ کیونکہ ٹوٹی ہوئی کی صورت میں نجاست کے اجزاء پانی میں داخل ہوکر پانی کو ناپاک کردیں گے۔

اسی طرح مینگنی اور لید وگوبر میں بھی فرق ہوگا۔ کیونکہ لید اور گوبر کے سخت نہ ہونے کی وجہ سے پانی ان کے اجزاء میں داخل ہوکر ناپاک ہوجائے گا۔

صاحبؒ ہدایہ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ اگر دودھ دوہنے کے وقت بکری ایک دو مینگنی دوہنے کے برتن میں کردے تو مینگنی نکال کر پھینک دی جائے اور دودھ پی لیا جائے کیونکہ اس میں ضرورت ہے اس لئے کہ بکریوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دوہنے کے وقت مینگنی کرتی ہیں۔ اور اگر رکھے ہوئے برتن میں مینگنی کردی تو مقدار قلیل بھی معاف نہیں کی جائے گی۔

کیونکہ یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ برتن کو ڈھک دینا ممکن ہے پس برتن میں اگر اسقدر نجاست پڑ جاوے جس

کو دیکھنے والا قلیل کہے تو پانی نجس ہو جائے گا۔

اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ برتن بھی ایک دو مینگنی کے حق میں کنویں کے مانند ہے یعنی جس طرح ایک دو مینگنی سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا برتن بھی ناپاک نہ ہوگا۔

فَإِنْ وَقَعَ فِيهَا خُرْءُ الْحَمَامِ أَوِ الْعُصْفُوْرِ لَا يُفْسِدُهُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ لَهُ أَنَّهُ اِسْتَحَالَ إِلَى نَتْنٍ

پس اگر کنویں میں کبوتر یا چڑیا کی بیٹ گر جائے تو کنویں کو خراب نہیں کریگی بخلاف امام شافعیؒ کے اس کی دلیل یہ ہے کہ بیٹ بدبو اور فساد کی طرف

وَفَسَادٍ فَأَشْبَهَ خُرْءَ الدَّجَاجَةِ وَلَنَا إِجْمَاعُ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَى اِقْتِنَاءِ الْحَمَامَاتِ فِي الْمَسَاجِدِ

مستحیل ہوگئی پس مرغی کی بیٹ کے مشابہ ہوگی۔ اور ہماری دلیل مسجدوں میں کبوتروں کے رکھنے پر مومنین (صحابہ و تابعین) کا اجماع کرنا ہے باوجودیکہ مسجدوں

مَعَ وُرُوْدِ الْأَمْرِ بِتَطْهِيْرِهَا وَاسْتِحَالَتُهُ لَا إِلَى نَتْنِ رَائِحَةٍ فَأَشْبَهَ الْحَمْأَةَ

کو پاک رکھنے کا حکم وارد ہے اور اس کا استحالہ بدبو کی طرف نہیں ہے پس پانی کی تہہ کی سیاہ مٹی (کیچڑ) کے مشابہ ہے

کبوتر اور چڑیا کی بیٹ کا گرنا

تشریح:۔ کبوتر اور گوریے کی بیٹ میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ ہمارے نزدیک پاک ہے اگر کنویں میں پڑ جائے تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ناپاک ہے اس کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جائے گا اور قیاس بھی اس کا متقضی ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ غذا کا اپنی حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جانا دو طرح کا ہوتا ہے ایک یہ کہ بدبو اور فساد کی طرف منتقل ہو جائے جیسے پیشاب پاخانہ، اور یہ بالاتفاق نجس ہے۔ اور دوم یہ کہ صلاح اور عمدگی کی طرف منتقل ہو جائے جیسے انڈا، دودھ اور شہد اور یہ بالاتفاق پاک ہے۔ پس کبوتر وغیرہ کی بیٹ قسم اول سے ہے لہٰذا یہ مرغی کی بیٹ کے مشابہ ہوگی اور مرغی کی بیٹ بالاتفاق ناپاک ہے اس لئے کبوتر وغیرہ کی بیٹ بھی ناپاک ہوگی۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابہؓ اور تابعین نے مسجدوں میں کبوتروں کے رکھنے پر اجماع کیا ہے باوجودیکہ مسجدوں کے پاک رکھنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ میرے گھر یعنی مسجد کو پاک رکھو اور حضور ﷺ نے فرمایا جَنِّبُوْا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ۔ یعنی بچوں کو مسجدوں سے دور رکھو، چونکہ بچوں کی وجہ سے مسجدوں کے گندہ ہونے کا امکان تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ نے اس امکانی دروازے کو بھی بند فرما دیا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوْرِ وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ. (رواہ ابن حبان فی صحیحہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے گھروں میں مسجدیں بنانے اور ان کے پاکیزہ اور ستھرا رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور ابوداؤد کی روایت ہے: عَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى بَنِيْهِ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ النَّبِيَّ

ﷺ کَانَ یَاْمُرُنَا اَنْ نَصْنَعَ الْمَسَاجِدَ فِیْ دُوْرِنَا وَنُصْلِحَ صَنْعَتَھَا وَنُطَھِّرَھَا حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو لکھا کہ ہم کو حضور ﷺ اپنے گھروں میں مسجدیں بنانے اور ان کو پاک رکھنے کا حکم دیتے تھے۔

ان دونوں حدیثوں سے بھی ثابت ہوا کہ مساجد کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ اور اس مسئلہ کی اصل حضرت ابوامامہ باہلیؓ کی حدیث ہے: اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ شَکَرَ الْحَمَامَۃَ وَقَالَ اِنَّھَا اَوْکَرَتْ عَلٰی بَابِ الْغَارِ حَتّٰی سَلِمْتُ فَجَازَاھَا اللّٰہُ تَعَالٰی بِاَنْ جَعَلَ الْمَسَاجِدَ مَاْوَاھَا یعنی حضور ﷺ نے کبوتر کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اس نے غار کے دروازے پر گھونسلا بنایا جس کی وجہ سے میں سلامت رہا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ بدلہ دیا کہ مساجد کو اس کا ٹھکانا بنا دیا۔ حاصل یہ کہ صحابہؓ بغیر نکیر کے کبوتروں کو مسجد میں رہنے دیتے تھے حتیٰ کہ مسجد الحرام میں کبوتروں کا اجتماع رہتا تھا اور کبوتروں سے جو بیٹ ہوتی ہے اس کو بھی سب جانتے تھے پس صحابہؓ کا بالاجماع مساجد میں کبوتروں کو رکھنے کی اجازت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ کبوتروں کی بیٹ پاک ہے۔

اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ناپاک ہونے کا سبب دو چیزیں ہیں۔ ایک بدبو، دوم فساد اور کبوتر وغیرہ کی بیٹ میں بدبو موجود نہیں ہوتی اور انتفاء جز مستلزم ہوتا ہے انتفاء کل کو، یعنی نجاست کے سبب کا ایک جز منتفی ہونے سے پورا سبب منتفی ہو گیا اور جب سبب نجاست منتفی ہو گیا تو کبوتر کی بیٹ نجس نہیں ہوگی۔ اور اگر امام شافعیؒ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جائے کہ تنہا فساد بھی موجب نجس ہے تو ہم جواب دیں گے کہ منی فساد غذا ہے مگر امام شافعی منی کے پاک ہونے کے قائل ہیں اور اسی طرح کھانے کی تمام چیزیں زیادہ دیر گزرنے کی وجہ سے فاسد (خراب) ہو جاتی ہیں مگر ناپاک نہیں ہوتیں پس معلوم ہوا کہ موجب نجس نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ کبوتر وغیرہ کی بیٹ زمین کی تہ کی سیاہ مٹی کے مشابہ ہوگی اور زمین کی تہ کی سیاہ مٹی بالاتفاق نجس نہیں ہے اس لئے کبوتر وغیرہ کی بیٹ بھی نجس نہیں ہوگی۔

فَاِنْ بَالَتْ فِیْھَا شَاۃٌ نُزِحَ الْمَاءُ کُلُّہٗ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَؒ وَاَبِیْ یُوْسُفَؒ وَقَالَ مُحَمَّدٌؒ
پھر اگر کنویں میں بکری پیشاب کردے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک تمام پانی نکالا جائے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ
لَا یُنْزَحُ اِلَّا اِذَا غَلَبَ عَلَی الْمَاءِ فَیَخْرُجُ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ طَھُوْرًا وَاَصْلُہٗ
(کچھ پانی) نہ نکالا جائے مگر جبکہ پیشاب پانی پر غالب آجائے تو پانی مطہر (پاک کرنیوالا) ہونے سے نکل جائے گا۔ اور اس اختلاف کی اصل
اَنَّ بَوْلَ مَا یُؤْکَلُ لَحْمُہٗ طَاھِرٌ عِنْدَہٗ نَجِسٌ عِنْدَھُمَا
یہ ہے کہ ماکول اللحم جانور کا پیشاب امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے اور شیخینؒ کے نزدیک ناپاک ہے
لَہٗ اَنَّ النَّبِیَّ علیہ السّلام اَمَرَ الْعُرَنِیِّیْنَ بِشُرْبِ اَبْوَالِ الْاِبِلِ وَاَلْبَانِھَا وَلَھُمَا قَوْلُہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے عرینہ والوں کو اونٹ کے پیشاب اور ان کے دودھ پینے کا حکم کیا۔ اور شیخینؒ کی دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے

اِسْتَنْزِهُوْا عَنِ الْبَوْلِ فَاِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَلِاَنَّهٗ يَسْتَحِيْلُ

کہ پیشاب سے بچو کیونکہ اکثر عذاب قبر اسی سے ہے بغیر تفصیل کے اور اس لئے کہ ماکول اللحم جانور کا پیشاب بدبو اور فساد

اِلٰى نَتْنٍ وَفَسَادٍ فَصَارَ كَبَوْلِ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهٗ وَتَاوِيْلُ مَا رَوٰى

کی جانب مستحیل ہو جاتا ہے پس وہ غیر ماکول اللحم کے پیشاب کے مانند ہو گیا۔ اور اس حدیث کی تاویل جو امام محمدؒ نے روایت کی

اَنَّهٗ عَرَفَ شِفَاءَهُمْ وَحْيًا ثُمَّ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ لَا يَحِلُّ شُرْبُهٗ لِلتَّدَاوِيْ

یہ ہے کہ حضور ﷺ نے عرینہ والوں کی شفاء بذریعہ وحی معلوم کی پھر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانور کا پیشاب بطور دواء

لِاَنَّهٗ لَا يُتَيَقَّنُ بِالشِّفَاءِ فِيْهِ فَلَا يُعْرَضُ عَنِ الْحُرْمَةِ وَعِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ

پینا بھی حلال نہیں ہے کیونکہ اس پیشاب میں شفا یقینی نہیں ہے۔ لہذا حرمت سے اعراض نہیں کیا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عرنیین کے قصہ کی وجہ سے

يَحِلُّ لِلتَّدَاوِيْ لِلْقِصَّةِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَحِلُّ لِلتَّدَاوِيْ وَغَيْرِهٖ لِطَهَارَتِهٖ عِنْدَهٗ

دوا کیلئے (پینا) حلال ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک دوا اور غیر دوا دونوں کیلئے (پینا) حلال ہے کیونکہ وہ امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے

کنویں میں ماکول اللحم یعنی بکری وغیرہ پیشاب کردے تو کیا حکم ہے

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کنویں میں بکری نے پیشاب کیا تو شیخین کے نزدیک کنویں کا پورا پانی نکالا جائے گا۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ پانی نکالنا ضروری نہیں البتہ اگر پیشاب پانی پر غالب ہو گیا تو پانی مطہر (پاک کرنیوالا) نہیں رہے گا البتہ طاہر ہوگا۔

اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا پیشاب امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے۔ اگر آب قلیل میں پڑ جائے تو اس کو ناپاک نہیں کرے گا بلکہ اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ ہاں اگر پیشاب پانی پر غالب ہو گیا تو وہ طاہر غیر مطہر ہوگا اور شیخین کے نزدیک ماکول اللحم کا پیشاب ناپاک ہے، اگر ایک قطرہ پیشاب پانی میں گر گیا تو پانی خراب ہو جائیگا۔

امام محمدؒ کی دلیل حدیث عرنیین ہے عرینہ تصغیر ہے عرنہ کی اور عرنہ عرفات کے قریب ایک وادی کا نام ہے اس کی طرف نسبت کر کے ان لوگوں کو عرنیون کہا جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عرینہ کے لوگ مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے لیکن ان کو مدینہ کی آب وہوا موافق نہیں آئی حتی کہ ان کے رنگ زرد ہو گئے اور پیٹ پھول گئے۔ پس آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم کیا کہ صدقہ کے اونٹوں کا پیشاب اور دودھ نوش کریں ان لوگوں نے ایسا ہی کیا پس یہ تندرست ہو گئے پھر یہ مرتد ہو گئے اور چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے۔ پس حضور ﷺ نے صحابہؓ کی ایک جماعت بھیجی اور ان کو راستے سے گرفتار کرایا، پھر ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کٹوایا اور ان کی آنکھوں میں

سلائی گرم کر کے ڈلوائی اور تپتی ہوئی ریت پر ان کو لٹایا یہاں تک کہ یہ سب مر گئے۔

اس حدیث سے استدلال اس طور پر ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو پیشاب پینے کا حکم کیا ہے اگر ماکول اللحم جانور کا پیشاب ناپاک ہوتا تو ان لوگوں کو اس کے پینے کا حکم نہ کیا جاتا کیونکہ نجس ہونے کی صورت میں وہ حرام ہوتا اور حرام کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ كُمْ فِيْمَا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں تمہاری شفاء نہیں رکھی ہے۔

شیخین کی دلیل حضور ﷺ کا قول اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ فَإِنَّهُ عَامَّةُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ ہے یعنی پیشاب سے بچو کیونکہ اکثر عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔ اس حدیث میں مطلقاً پیشاب سے بچنے کا حکم کیا گیا ہے پیشاب خواہ ماکول اللحم کا ہو یا غیر ماکول اللحم کا ہو۔

حدیث میں صیغہ امر ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ پیشاب ناپاک ہے ورنہ اس سے بچنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ شَيَّعَ جَنَازَةَ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَكَانَ يَمْشِيْ عَلٰى رُءُوْسِ اَصَابِعِهٖ مِنْ زِحَامِ الْمَلَائِكَةِ الَّتِيْ حَضَرَتِ الصَّلَاةَ عَلَيْهِ فَلَمَّا وُضِعَ فِي الْقَبْرِ ضَغَطَتْهُ الْاَرْضُ ضَغْطَةً كَادَتْ تَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ سَبَبِهٖ فَقَالَ اِنَّهٗ كَانَ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ.

روایت ہے کہ حضور ﷺ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کے ہمراہ چل رہے تھے اور آپ ﷺ ملائکہ جو نماز جنازہ میں شرکت کیلئے حاضر ہوئے تھے ان کی بھیڑ کی وجہ سے اپنی انگلیوں کے پوروؤں پر چل رہے تھے پس جب سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبر میں رکھا گیا تو زمین نے ان کو بھینچا قریب تھا کہ پسلیاں کٹ جائیں۔ حضور ﷺ سے اس کا سبب دریافت کیا گیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیشاب سے احتیاط نہیں کرتے تھے۔

یہ حدیث نقل کر کے صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ حدیث میں اپنا خود پیشاب مراد نہیں ہے کیونکہ جو شخص اپنے پیشاب سے نہیں بچتا اس کی نماز جائز ہی نہیں ہوتی بلکہ اونٹ کا پیشاب مراد ہے یعنی سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹوں کی دیکھ ریکھ کرتے وقت پیشاب سے احتیاط نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کو قبر کی تنگی میں مبتلا کیا گیا۔ یہ واقعہ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے۔

شیخین کی عقلی دلیل یہ ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب بھی بدبو اور فساد کی جانب مستحیل ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی غیر ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کے مشابہ ہو گیا۔ پس جس طرح غیر ماکول اللحم کا پیشاب نجس ہے اسی طرح ماکول اللحم کا پیشاب بھی نجس ہوگا۔

حضرت امام محمدؒ کی پیش کردہ حدیث کا ایک جواب تو وہ ہے جو صاحب ہدایہ نے دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی

معلوم ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کی شفاء پیشاب میں ہے اس وجہ سے ان کو پیشاب پینے کا حکم کیا گیا اور چونکہ اب یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی اس لئے اب اس سے دواء بھی نہیں ہو سکتی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اَبْوَال کا لفظ نہیں ہے بلکہ صرف اَلْبَان کا ہے یعنی آپ ﷺ نے ان لوگوں کو دودھ پینے کا حکم کیا تھا نہ کہ پیشاب پینے کا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، لہٰذا اب یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہوگی۔

پھر واضح ہو کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پیشاب پینا دواء کے طور پر بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اب پیشاب میں شفاء کا ہونا یقینی نہیں ہے لہٰذا اس کو حرام سمجھنے سے اعراض نہ کرے۔ اور امام ابویوسفؒ نے کہا کہ دوا کے طور پر پیشاب پینا جائز ہے اور دلیل قصہ عرینین ہے۔ اور امام محمدؒ چونکہ ماکول اللحم کے پیشاب کی طہارت کے قائل ہیں اس لئے انہوں نے کہا کہ مطلقاً جائز ہے دواء کے طور پر بھی اور بغیر دوا کے بھی واللہ اعلم بالصواب۔

وَاِنْ مَاتَتْ فِيْهَا فَارَةٌ اَوْ عُصْفُوْرَةٌ اَوْ سُوْدَانِيَّةٌ اَوْ صَعْوَةٌ اَوْ سَامُّ اَبْرَصَ
اور اگر کنویں میں چوہا یا چڑیا یا بھجنگا یا ممولا یا بڑی چھپکلی مرجائے
نُزِحَ مِنْهَا عِشْرُوْنَ دَلْوًا اِلٰى ثَلٰثِيْنَ بِحَسَبِ كِبَرِ الدَّلْوِ وَصِغَرِهَا
تو بڑے اور چھوٹے ڈول کے اعتبار سے کنویں سے بیس (۲۰) سے تیس (۳۰) ڈول تک نکالے جاویں
يَعْنِيْ بَعْدَ اِخْرَاجِ الْفَارَةِ لِحَدِيْثِ اَنَسٍ اَنَّهٗ قَالَ فِي الْفَارَةِ اِذَا مَاتَتْ فِي الْبِئْرِ وَاُخْرِجَتْ مِنْ سَاعَتِهٖ
یعنی چوہا (وغیرہ) نکالنے کے بعد حدیث انسؓ کی وجہ سے کہ انہوں نے ایسے چوہے کی صورت میں جو کنویں میں (گرکر) مرے اور اسی وقت نکال لیا
يُنْزَحُ مِنْهَا عِشْرُوْنَ دَلْوًا وَالْعُصْفُوْرَةُ وَنَحْوُهَا تُعَادِلُ الْفَارَةَ فِي الْجُثَّةِ فَاَخَذَتْ حُكْمَهَا
فرمایا کہ کنویں میں سے بیس ڈول نکالے جاویں اور چڑیا اور اس کے مانند جانور جثہ میں چوہے کے برابر ہیں تو انہوں نے بھی چوہے کا حکم پایا
وَالْعِشْرُوْنَ بِطَرِيْقِ الْاِيْجَابِ وَالثَّلٰثُوْنَ بِطَرِيْقِ الْاِسْتِحْبَابِ
پھر بیس (۲۰) ڈول نکالنا بطور ایجاب ہے اور تیس (۳۰) بطور استحباب ہیں

کون کون سے جانور کنویں میں گر کر مر جائیں تو بیس ڈول وجوباً اور تیس ڈول استحباباً نکالے جائیں

تشریح: ان مسائل کا حاصل یہ ہے کہ جو جانور کنویں میں گر گیا اس کی سات صورتیں ہیں کیونکہ وہ جانور یا تو چوہا اور اس کے مانند ہوگا یا مرغی اور اس کے مانند ہوگا یا بکری اور اس کے مانند ہوگا۔ پھر ان میں سے ہر ایک زندہ نکالا گیا ہوگا یا مردہ۔ اگر مردہ ہے تو پھر دو صورتیں ہیں۔ پھول پھٹ گیا ہوگا یا نہیں، پس اگر وہ جانور زندہ نکال لیا گیا تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا علاوہ اس کے کہ سور گر گیا ہو، کیونکہ سور بالاتفاق نجس العین ہے لہٰذا اس صورت میں کنواں ناپاک ہو جائے گا اگرچہ اس کو زندہ ہی کیوں نہ نکالا ہو۔ اور جو حضرات کتے کو نجس العین کہتے ہیں ان کے نزدیک کتا بھی سور کے حکم میں ہوگا۔

اور اگر اس جانور کو مردہ نکالا گیا ہے تو پہلی صورت میں یعنی جبکہ مردار چوہا یا اس کے مانند کوئی جانور ہو تو حکم یہ ہے کہ اس مردار کو نکالنے کے بعد بیس ڈول نکالنا واجب ہے اور تیس کا نکالنا مستحب ہے۔ یہی حکم ایک چوہے سے لے کر چار تک کا ہے۔ اور پانچ سے نو تک چالیس ڈول نکالنا واجب ہے اور دس چوہوں میں پورا پانی نکالنا واجب ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ جب ایک مرتبہ کنویں میں چوہا گر کر مر گیا اور اس کو اسی وقت نکال دیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیس ڈول پانی نکالا جائے۔

اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے تیس ڈول نکالنے کا حکم کیا پس دونوں حدیثوں میں توفیق کے پیش نظر حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وجوب پر محمول کیا گیا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اثر کو استحباب پر محمول کیا گیا۔

اور یہاں اوسط درجہ کا ڈول مراد ہے۔ اوسط درجہ کا ڈول یہ ہے کہ جس کو شہر میں عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یا اس کنویں پر عام طریقہ سے استعمال کیا جاتا ہے پس اگر بڑے ڈول سے پانی نکالا گیا تو اسی حساب سے بیس ڈول سے کم نکالے جائیں اور اگر چھوٹے ڈول سے پانی نکالا گیا تو اسی حساب سے بیس پر اضافہ کر دیا جائے۔

فَإِنْ مَاتَتْ فِيهَا حَمَامَةٌ أَوْ نَحْوُهَا كَالدَّجَاجَةِ وَالسِّنَّوْرِ نُزِحَ مِنْهَا مَا بَيْنَ أَرْبَعِيْنَ دَلْوًا إِلَى سِتِّيْنَ

پھر اگر کنویں میں کبوتر یا اس کے مانند جیسے مرغی اور بلی مر جائے تو کنویں سے چالیس ڈول سے ساٹھ تک نکالے جائیں

وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ أَرْبَعُوْنَ أَوْ خَمْسُوْنَ وَهُوَ الْأَظْهَرُ لِمَا رُوِيَ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ فِي الدَّجَاجَةِ

اور جامع صغیر میں ہے چالیس یا پچاس ڈول۔ اور یہی قول اظہر ہے کیونکہ ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے مرغی کے بارے میں فرمایا

إِذَا مَاتَتْ فِي الْبِئْرِ يُنْزَحُ مِنْهَا أَرْبَعُوْنَ دَلْوًا هٰذَا لِبَيَانِ الْإِيْجَابِ وَالْخَمْسُوْنَ بِطَرِيْقِ الْإِسْتِحْبَابِ

کہ جب وہ کنویں میں مر جائے تو اس سے چالیس ڈول نکالے جائیں۔ یہ مقدار بیان ایجاب کے واسطے ہے اور پچاس ڈول کا حکم بطریق استحباب ہے

ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ فِيْ كُلِّ بِئْرٍ دَلْوُهَا الَّذِيْ يُسْتَقٰى بِهِ مِنْهَا وَقِيْلَ دَلْوٌ يَسَعُ فِيْهِ صَاعٌ

پھر معتبر ہر کنویں (کے پاک کرنے) میں اسی کنویں کا ڈول ہے جس سے پانی نکالا جاتا ہے اور کہا گیا کہ ایسا ڈول (معتبر) ہے جس میں ایک صاع (پانی) سما جائے

وَلَوْ نُزِحَ مِنْهَا بِدَلْوٍ عَظِيْمٍ مَرَّةً مِقْدَارَ عِشْرِيْنَ دَلْوًا جَازَ لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ

اور اگر کنویں سے بڑے ڈول کے ذریعہ بیس ڈول کے برابر ایک ہی مرتبہ نکال دیا جائے تو جائز ہے کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا

کون کون سے جانور کنویں میں گر کر مر جائیں تو چالیس ڈول وجوباً اور پچاس ڈول استحباباً نکالے جائیں گے

تشریح:۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کنویں میں کبوتر یا اس کے مانند کوئی جانور مر گیا مثلاً مرغی یا بلی تو اس کا حکم یہ ہے کہ

کنویں سے چالیس ڈول سے ساٹھ تک نکالے جائیں یعنی چالیس کا نکالنا واجب ہے اور ساٹھ کا نکالنا مستحب ہے۔

اور امام محمدؒ نے جامع صغیر میں بیان کیا ہے کہ چالیس یا پچاس یعنی چالیس واجب ہیں اور پچاس مستحب۔ صاحب ہدایہ نے اسی قول کو اظہر کہا ہے کیونکہ جامع صغیر امام محمدؒ کی آخری تصنیف ہے لہٰذا اس میں جو کہا گیا ہے وہ امام محمدؒ کا قول مرجوع الیہ ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اس مرغی کے بارے میں فرمایا جو کنویں میں گر گئی کہ اس کنویں سے چالیس ڈول نکالے جائیں پھر واضح ہو کہ ہر کنویں میں اسی کا ڈول معتبر ہے۔ یعنی جس ڈول سے پانی نکالا جاتا ہو کنواں پاک کرنے میں اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور ایک قول ضعیف یہ ہے کہ وہ ڈول معتبر ہے جس میں ایک صاع پانی آجائے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کنواں پاک کرنے میں ڈول کا عدد معتبر نہیں بلکہ اتنی مقدار پانی نکالنا معتبر ہے چنانچہ اگر کسی نے کنویں میں سے بڑے ڈول کے ذریعہ ایک ہی مرتبہ بیس ڈول کے بقدر پانی نکال دیا تو جائز ہے کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا اس لئے کہ جو مقدار مقدر تھی وہ نکال دی گئی۔

وَاِنْ مَاتَتْ فِيْهَا شَاةٌ اَوْ اٰدَمِيٌّ اَوْ كَلْبٌ نُزِحَ جَمِيْعُ مَا فِيْهَا مِنَ الْمَاءِ لِاَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ
اور اگر کنویں میں بکری یا آدمی یا کتا ب مرجائے تو وہ سب پانی نکالا جائیگا جو اس میں موجود ہے کیونکہ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے
اَفْتَيَا بِنَزْحِ الْمَاءِ كُلِّهٖ حِيْنَ مَاتَ زِنْجِيٌّ فِيْ بِئْرِ زَمْزَمَ
پورا پانی نکالنے کا فتویٰ دیا جب زمزم کے کنویں میں ایک حبشی گر کر مرا تھا

بکری یا آدمی یا کتا کنویں میں گر کر مر جائے تو پورا پانی نکالا جائے گا

تشریح: تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کنویں میں بکری مر گئی یا آدمی یا کتا تو کنویں کا پورا پانی نکالنا واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ جب ایک حبشی بیر زمزم میں گر کر مر گیا تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پورا پانی نکالنے کا فتویٰ صادر فرمایا تھا۔

فَاِنِ انْتَفَخَ الْحَيَوَانُ فِيْهَا اَوْ تَفَسَّخَ نُزِحَ جَمِيْعُ مَا فِيْهَا صَغُرَ الْحَيَوَانُ اَوْ كَبُرَ
پھر اگر اس میں حیوان پھول جائے یا پھٹ جائے تو وہ تمام پانی نکالا جائے جو اس میں (موجود) ہے (خواہ) جانور چھوٹا ہو یا بڑا
لِانْتِشَارِ الْبِلَّةِ فِيْ اَجْزَاءِ الْمَاءِ
کیونکہ (ناپاک) تری تمام اجزاءِ آب میں پھیل گئی ہے

جانور کنویں میں گر کر مر جائے اور پھول پھٹ جائے تو تمام پانی نکالا جائے گا

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ کنویں میں کوئی جانور گر کر مر گیا اور پھول گیا یا پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ پس اگر ممکن ہو تو کنویں

کا تمام پانی نکالا جائے، جانور خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ دلیل یہ ہے کہ پھول پھٹ کر جانور کے ناپاک اجزاء کی تری پانی میں پھیل گئی ہے اس لئے پورا پانی ناپاک ہوگا۔ جیسا کہ پانی میں خون کا یا شراب کا ایک قطرہ اگر پڑ جائے تو پورے پانی میں پھیل کر اس کو ناپاک کر دیتا ہے۔

وَاِنْ كَانَتِ الْبِئْرُ مَعِيْنَةً بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُ نَزْحُهَا اَخْرَجُوْا مِقْدَارَ مَا كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمَاءِ

اور اگر کنواں چشمہ دار ہو بایں طور کہ اس کا تمام پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو جو پانی اس میں (گرنے کے وقت موجود ہو) اس کی مقدار نکال دیا جائے

وَطَرِيْقُ مَعْرِفَتِهٖ اَنْ تُحْفَرَ حُفْرَةٌ مِثْلَ مَوْضِعِ الْمَاءِ مِنَ الْبِئْرِ وَ يُصَبُّ فِيْهَا

اور اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ کنویں میں موجود پانی کی جگہ کے مثل ایک گڑھا کھودا جائے اور جو پانی کنویں سے نکالا جاتا ہے

مَا يُنْزَحُ مِنْهَا اِلٰى اَنْ تَمْتَلِئَ اَوْ تُرْسَلَ فِيْهَا قَصَبَةٌ وَتُجْعَلَ لِمَبْلَغِ الْمَاءِ عَلَامَةٌ

وہ اس میں ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ گڑھا بھر جائے، یا یہ کہ کنویں میں ایک بانس ڈالا جائے اور پانی جہاں تک پہنچا وہاں نشان کر دیا جائے

ثُمَّ يُنْزَحَ مِنْهَا مَثَلًا عَشْرُ دِلَاءٍ ثُمَّ تُعَادَ الْقَصَبَةُ فَيُنْظَرَ كَمْ اِنْتَقَصَ

پھر کنویں میں سے مثلاً دس ڈول نکالے جائیں پھر وہ بانس دوبارہ (کنویں میں ڈال کر) دیکھا جائے کہ کتنا (پانی) کم ہوا

فَيُنْزَحُ لِكُلِّ قَدْرٍ مِنْهَا عَشْرُ دِلَاءٍ وَ هٰذَانِ عَنْ اَبِيْ يُوْسُفَؒ وَعَنْ مُحَمَّدٍؒ

پس ہر مقدار کیلئے اس میں سے دس ڈول نکالے جائیں اور یہ دونوں طریقے ابو یوسفؒ سے مروی ہیں۔ اور امام محمدؒ سے مروی ہے

نُزِحَ مِائَتَا دَلْوٍ اِلٰى ثَلٰثِ مِائَةٍ فَكَاَنَّهٗ بَنٰى قَوْلَهٗ عَلٰى مَا شَاهَدَ فِيْ بَلَدِهٖ وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَؒ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ

کہ دو سو سے تین سو ڈول تک نکالے جائیں۔ پس شاید امام محمدؒ نے اپنے شہر میں جو مشاہدہ کیا اسی پر اپنا قول مبنی کیا۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے جامع صغیر میں

فِيْ مِثْلِهٖ يُنْزَحُ حَتّٰى يَغْلِبَهُمُ الْمَاءُ وَ لَمْ يُقَدِّرِ الْغَلَبَةَ بِشَيْءٍ

ایسے چشمہ دار کنویں کے بارے میں مروی ہے کہ پانی نکال دیا جائے یہاں تک کہ پانی ان پر غالب آ جائے اور غلبہ کی کوئی مقدار کسی چیز سے مقرر نہیں کی

كَمَا هُوَ دَابُهٗ وَقِيْلَ يُؤْخَذُ بِقَوْلِ رَجُلَيْنِ لَهُمَا بَصَارَةٌ فِيْ اَمْرِ الْمَاءِ وَهٰذَا اَشْبَهُ بِالْفِقْهِ

جیسا کہ امام صاحبؒ کا دستور ہے۔ اور کہا گیا کہ دو مرد عادل کا قول لیا جائے جن کو پانی کے معاملہ میں بصارت ہو اور یہ قول فقہ کے زیادہ مشابہ ہے

جاری کنویں کے پاک کرنے کا حکم

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کنواں چشمہ دار ہو یعنی اس کا پانی منقطع نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ وقوع نجاست کے وقت اس میں جس قدر پانی موجود ہو اس کو نکال دیں۔ اور پانی کی موجودہ مقدار کی شناخت کے دو طریقے حضرت امام ابو یوسفؒ سے مروی ہیں:۔

(۱) یہ کہ کنویں میں جہاں تک پانی ہے لمبائی، چوڑائی اور گہرائی کے اعتبار سے اسی کے مثل ایک گڑھا کھودا جائے اور کنویں سے پانی نکال کر اس گڑھے میں ڈالا جائے پس جب وہ گڑھا بھر جائے تو سمجھا جائے گا کہ کنویں کا پورا پانی نکل گیا اور کنواں پاک ہو گیا۔

(۲) یہ کہ کنویں میں ایک بانس ڈالا جائے یا بھاری پتھر باندھ کر رسی کا سرا لٹکایا جائے پس جب وہ تہ پر بیٹھ جائے تو کھینچ کر دیکھیں کہ پانی کہاں تک پہنچا وہاں نشان کر دیں، پھر کنویں میں سے یک وقت ۱۰ ڈول نکال کر پھینک دیں پھر اس بانس یا رسی کو دوبارہ کنویں میں ڈال کر دیکھا جائے کہ کتنا پانی گھٹا، مثلاً کنویں میں دس فٹ پانی ہے اور یکبارگی ۱۰ ڈول نکالنے سے ایک فٹ پانی کم ہو گیا تو معلوم ہوا کہ کل پانی ۱۰۰ ڈول ہیں لہذا ۹۰ ڈول اور نکال دیجئے تاکہ پورے ۱۰۰ ڈول ہو جائیں پس ۱۰۰ ڈول نکال کر سمجھا جائے گا کہ نجاست گرتے وقت جس قدر پانی کنویں میں تھا وہ سب نکل گیا۔ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ کنویں میں سے دو سو سے تین سو ڈول تک نکالے جائیں۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام محمدؒ کے قول کی بنیاد ان کے مشاہدہ پر ہے کیونکہ امام محمدؒ کے شہر (بغداد) کے کنوؤں کا پانی بالعموم ۲۰۰ اور ۳۰۰ ڈول کے درمیان ہوتا تھا لیکن اس اندازہ کا ہر جگہ ٹھیک ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ جن مقامات میں کثرت سے پانی ہوتا ہے وہاں اسی کی مقدار میں کل پانی نکلے گا۔

اور جامع صغیر میں امام ابوحنیفہؒ سے ایسے چشمہ دار کنویں کے بارے میں مروی ہے کہ نجس کنویں کو پاک کرنے کے لئے اس قدر پانی نکالا جائے کہ پانی ان کو تھکا کر مغلوب کر دے اور اپنی عادت کے مطابق حضرت امام اعظمؒ نے غلبہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی ہے یعنی امام الہمامؒ کی عادت ہے کہ وہ ایسی صورتوں میں مُبتَلیٰ بِہٖ کی رائے پر چھوڑ دیتے ہیں۔

اور بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جن کو پانی کی مقدار کا اندازہ لگانے میں مہارت ہو ایسے دو عادل مردوں کے قول پر عمل کیا جائے اگر وہ ۲۰۰ ڈول کا اندازہ لگائیں تو کنواں پاک ہونے کیلئے ۲۰۰ ڈول نکالنا واجب ہوگا اور اگر اس سے کم یا زیادہ کا اندازہ لگائیں تو اس کا نکالنا ضروری ہوگا۔

فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ قول فقہ سے زیادہ مشابہ ہے۔ فقہ سے مراد وہ معنی ہیں جو کتاب وسنت سے مستنبط ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شکار کی قیمت کا اندازہ لگانے میں دو عادل مردوں کا اعتبار کیا ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ اور شہادت کے بیان میں ہے وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ اور پانی کے بارے میں بصارت اور تجربہ کی شرط اس لئے لگائی کہ احکام صاحب علم سے ہی مستفاد ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا قول ہے فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

وَاِنْ وَجَدُوْا فِي الْبِئْرِ فَارَةً اَوْ غَيْرَهَا وَلَا يَدْرِىْ مَتٰى وَقَعَتْ وَلَمْ تَنْتَفِخْ اَعَادُوْا
اور اگر لوگ کنویں میں چوہا یا کوئی اور جانور (مردہ) پائیں اور یہ معلوم نہ ہو کہ کب گرا ہے اور وہ ابھی تک پھولا نہ ہو تو یہ لوگ اپنے ایک دن

صَلٰوةَ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ اِذَا كَانُوْا تَوَضَّئُوْا مِنْهَا وَغَسَلُوْا كُلَّ شَيْءٍ اَصَابَهُ مَاؤُهَا
رات کی نمازیں لوٹائیں جبکہ اسی پانی سے وضو کر کے (پڑھی ہوں) اور ہر اس چیز کو دھوئیں جس کو اس کنویں کا پانی پہنچا ہو
وَاِنْ كَانَتْ قَدِ انْتَفَخَتْ اَوْ تَفَسَّخَتْ اَعَادُوْا صَلٰوةَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَّلَيَالِيْهَا وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَيْسَ عَلَيْهِمْ
اور اگر وہ جانور پھول یا پھٹ گیا ہو تو تین دن رات کی نمازیں لوٹائیں اور یہ حکم ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبینؒ نے کہا کہ ان پر
اِعَادَةُ شَيْءٍ حَتّٰى يَتَحَقَّقُوْا اَنَّهَا مَتٰى وَقَعَتْ لِاَنَّ الْيَقِيْنَ لَا يَزُوْلُ بِالشَّكِّ وَصَارَ كَمَنْ
کسی چیز کا اعادہ واجب نہیں یہاں تک کہ ان کو تحقق ہو کہ یہ کب گرا ہے کیونکہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی نے اپنے
رَاٰى فِيْ ثَوْبِهِ النَّجَاسَةَ وَلَا يَدْرِيْ مَتٰى اَصَابَتْهُ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ لِلْمَوْتِ سَبَبًا ظَاهِرًا
کپڑے میں نجاست دیکھی اور اس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ نجاست کب لگی ہے۔ اور ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ موت کیلئے ایک ظاہری سبب ہے
وَهُوَ الْوُقُوْعُ فِي الْمَاءِ فَيُحَالُ بِهِ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّ الْاِنْتِفَاخَ دَلِيْلُ التَّقَادُمِ فَيُقَدَّرُ بِالثَّلٰثِ
اور وہ پانی میں گرنا ہے تو اسی سبب پر اسے محول کیا جائے گا مگر یہ کہ پھول جانا پرانا ہونے کی دلیل ہے پس تین دن کے ساتھ اندازہ لگایا جائے گا
وَعَدَمُ الْاِنْتِفَاخِ وَالتَّفَسُّخِ دَلِيْلُ قُرْبِ الْعَهْدِ فَقَدَّرْنَاهُ بِيَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ لِاَنَّ مَادُوْنَ ذٰلِكَ سَاعَاتٌ
اور نہ پھولنا اور نہ پھٹنا نزدیکی زمانہ کی دلیل ہے پس ہم نے اس کا ایک دن رات کے ساتھ اندازہ لگایا کیونکہ اس سے کم تو ساعات ہیں
لَا يُمْكِنُ ضَبْطُهَا وَاَمَّا مَسْاَلَةُ النَّجَاسَةِ فَقَدْ قَالَ الْمُعَلّٰى هِيَ عَلَى الْخِلَافِ فَيُقَدَّرُ بِالثَّلٰثِ فِي الْبَالِيْ
جن کا ضبط ممکن نہیں ہے اور رہا (کپڑے کی) نجاست کا مسئلہ تو معلی نے کہا کہ یہ بھی اختلافی ہے۔ پس پرانی نجاست میں تین دن کے ساتھ
وَبِيَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ فِي الطَّرِيِّ وَلَوْ سُلِّمَ
اور تازہ نجاست میں ایک دن رات کے ساتھ مقدار مقرر کی جائے گی۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ (اس میں اختلاف نہیں)
فَالثَّوْبُ بِمَرْاٰى عَيْنِهِ وَالْبِئْرُ غَائِبَةٌ عَنْ بَصَرِهِ فَيَفْتَرِقَانِ
تو کپڑا اس کی نظر گاہ میں ہے اور کنواں اس کی نظر سے غائب ہے تو دونوں صورتوں میں فرق ہو گیا

کنویں میں مرا ہوا جانور دیکھا تو اس پانی سے طہارت کر کے پڑھی ہوئی نمازوں کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر لوگوں نے کسی کنویں میں مرا ہوا جانور دیکھا اور یہ دریافت نہیں ہو سکا کہ کب گرا ہے اور ابھی تک پھولا پھٹا بھی نہیں تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر اس کنویں کے پانی سے وضو کر کے نمازیں پڑھی ہوں تو ایک دن ایک رات کی نمازیں لوٹائے اور جس چیز کو اس کنویں کا پانی لگا ہو اس کو دھو ڈالے اور اگر وہ جانور پھول گیا یا پھٹ کر پاش پاش ہو گیا تو تین دن تین

رات کی نمازوں کا اعادہ کرے یہ حکم حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبینؒ کا مذہب یہ ہے کہ ان لوگوں پر کسی چیز کا اعادہ واجب نہیں ہے یہاں تک کہ تحقیق ثابت ہو جائے کہ یہ جانور کب گرا ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ کنویں کا پانی بالیقین پاک تھا مگر اس میں مرا ہوا جانور پانے کی وجہ سے گذشتہ ایام میں اس کے ناپاک ہونے میں شک واقع ہو گیا کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جانور کنویں میں ابھی کچھ پہلے گرا ہو اور ابھی تک اس کا پانی استعمال نہیں کیا۔ اور یہ بھی امکان ہے کہ چند یوم پہلے گرا ہو اور اس پانی سے وضو کر کے نمازیں پڑھی ہوں بہر حال گذشتہ ایام میں اس کے ناپاک ہونے میں شک واقع ہو گیا اور یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا لہٰذا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ جانور کب گرا ہے گذشتہ ایام میں اس کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں کیا جائے گا ہاں اگر اس کے گرنے کا وقت معلوم ہو گیا تو گرنے کے وقت سے ناپاک ہو جائے گا کیونکہ ایک یقین دوسرے یقین سے زائل ہو جاتا ہے اور یہ حکم ایسا ہے جیسے کسی نے اپنے کپڑے پر نجاست دیکھی اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ نجاست کب لگی ہے تو اس شخص پر نماز وغیرہ کا اعادہ واجب نہیں ہوتا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جانور کا پانی میں گرنا اس کی موت کا ظاہری سبب ہے اور قاعدہ ہے کہ مسبب اگر مخفی ہو تو ظاہری سبب پر حکم لگانا واجب ہوتا ہے لہٰذا اس جانور کی موت کو پانی میں گرنے کی طرف منسوب کیا جائے گا یعنی یہ کہا جائے گا کہ یہ جانور پانی ہی میں مرا ہے۔ اگرچہ احتمال یہ بھی ہے کہ کسی اور سبب سے مر کر پانی میں گرا ہو لیکن یہ احتمال موہوم ہے اور موہوم چیز ظاہر کے مقابلہ میں معتبر نہیں ہوتی اس وجہ سے یہ احتمال بھی نا قابل اعتبار ہوگا۔ اور یہ ایسا ہے جیسے کسی شخص نے کسی کو زخم لگایا، وہ اس کی وجہ سے صاحب فراش ہو گیا حتی کہ مر گیا تو یہی کہا جائے گا کہ اس کی موت اُس زخم کی وجہ سے واقع ہوئی ہے اگرچہ احتمال اس کے علاوہ کا بھی ہے لیکن اس جانور کا پھول پھٹ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس جانور کو مرے دیر ہو گئی ہے اور تقادم اور دیری کی ادنیٰ مدت تین دن ہیں چنانچہ اگر کسی شخص کو بغیر نماز جنازہ دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر تین دن تک نماز پڑھی جا سکتی ہے اور تین دن کے بعد قبر پر نماز پڑھنا درست نہیں کیونکہ تین دن کی مدت میں نعش پھول پھٹ جاتی ہے۔ اس وجہ سے دیری کی ادنیٰ مدت تین دن کے ساتھ مقدر کی گئی ہے۔

اور جس صورت میں پھولنا، پھٹنا نہیں پایا گیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جانور نزدیکی زمانہ میں گر کر مرا ہے اور مقادیر کی کم از کم مدت ایک دن ایک رات ہے۔ کیونکہ اس سے کم ساعتیں ہیں جن کا ضبط کرنا ممکن نہیں ہے اس وجہ سے ہم نے اس کی مقدار ایک دن رات مقرر کی ہے۔

وَاَمَّا مَسْئَلَةُ النَّجَاسَةِ سے صاحبین رحمہما اللہ کے قیاس کا جواب ہے مصنف ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے دو جواب دیئے ہیں اول تو یہ کہ کپڑے پر نجاست لگ جانے کا مسئلہ بھی اتفاقی نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ ہے چنانچہ فقیہ عصر اور محدث بے مثل معلی بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے لہٰذا امام صاحبؒ کے نزدیک پرانی نجاست کی صورت میں تین رات دن کی مقدار سے اور تازہ نجاست کی صورت میں ایک دن ایک رات سے مقدار مقرر کی جائے گی حتی کہ اگر اسی ناپاک کپڑے میں نمازیں پڑھی ہوں تو ان کا اعادہ واجب ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے اس میں اختلاف نہیں تو بھی نجاست لگے ہوئے کپڑے پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ کپڑا بدن پر ہونے کی وجہ سے ہمہ وقت اس کی نظروں کے سامنے رہتا ہے اگر نجاست پہلے سے لگی ہوتی تو اسی وقت دیکھ لی ہوتی، پس اس وقت دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی لگی ہے اور کنواں اس کی نظر سے غائب رہتا ہے ہو سکتا ہے کہ جانور پہلے سے مرا ہو مگر اس کو علم نہیں ہوا۔ حاصل یہ کہ ان دونوں صورتوں میں فرق ہے اس وجہ سے کنویں کے مسئلہ کو کپڑے کے مسئلہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قیاس مع الفارق درست نہیں۔ واللہ اعلم۔ جمیل۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فَصْلٌ فِی الْاَسَارِ وَغَیْرِھَا

ترجمہ:۔ (یہ) فصل آسار وغیرہ (کے بیان) میں ہے۔

تشریح:۔ جب مصنف ہدایہ پانی کے اندر جانوروں کے گرنے کی وجہ سے پانی کے ناپاک ہونے اور نہ ہونے کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب اس فصل میں پانی کے ساتھ لعاب کے مل جانے کی وجہ سے اس کے پاک اور ناپاک ہونے کو بیان فرمائیں۔ آسار سُؤْر کی جمع ہے معنی ہیں بچا ہوا کھانا یا پانی وغیرہ جس کو عرف میں جوٹھا کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک سؤر کی چار قسمیں ہیں (۱) پاک جیسے آدمی اور ماکول اللحم کا جوٹھا (۲) مکروہ جیسے بلی کا جوٹھا (۳) ناپاک جیسے خنزیر اور درندوں کا جوٹھا (۴) مشکوک فیہ جیسے گدھے اور خچر کا جوٹھا۔

وَعَرَقُ كُلِّ شَيْءٍ مُعْتَبَرٌ بِسُؤْرِهٖ لِاَنَّهُمَا يَتَوَلَّدَانِ مِنْ لَحْمِهٖ فَاَخَذَ اَحَدُهُمَا حُكْمَ صَاحِبِهٖ.
ترجمہ:۔ اور ہر جاندار کا پسینہ اس کے جوٹھے کے لحاظ سے معتبر ہے کیونکہ لعاب اور پسینہ دونوں اس کے گوشت سے پیدا ہوتے ہیں پس ایک نے دوسرے کا حکم لے لیا۔

جاندار کے پسینے کا حکم

تشریح:۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ مصنف فرماتے وَسُؤْرُ كُلِّ شَيْءٍ مُعْتَبَرٌ بِعَرَقِهٖ کیونکہ کلام سؤر کے بیان میں ہے نہ کہ عرق (پسینہ) کے بیان میں صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ مصنف آسار کے ضمن میں عرق (پسینہ) کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اگر مصنف وَسُؤْرُ كُلِّ شَيْءٍ مُعْتَبَرٌ بِعَرَقِهٖ فرماتے تو اس کے بعد یہ کہنا واجب تھا عَرَقُ الْاٰدَمِيِّ كَذَا وَعَرَقُ الْكَلْبِ كَذَا وَغَيْرِهٖ تو اس صورت میں یہ فصل بیان عرق کے لئے ہوگی نہ کہ بیان سؤر کیلئے حالانکہ یہ فصل سؤر (جوٹھا) کو بیان کرنے کے لئے منعقد کی گئی ہے نہ کہ عرق کو بیان کرنے کیلئے۔

بہر حال مسئلہ یہ ہے کہ ہر جاندار کے پسینہ کو اس کے سؤر پر قیاس کیا جائے گا یعنی جو حکم سؤر کا ہوگا وہی اس کے پسینہ کا ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ پسینہ اور سؤر یعنی لعاب دونوں گوشت سے پیدا ہوتے ہیں لہٰذا دونوں کا حکم یکساں ہوگا لیکن اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے حالانکہ اس کا پسینہ پاک ہے تو قیاس کہاں ہوا۔

جواب یہ ہے کہ پاک ہونے میں شک نہیں بلکہ پاک کرنے والا ہونے میں شک ہے یعنی اس میں شک ہے کہ گدھے کا جوٹھا پانی اس لائق رہتا ہے کہ اس سے طہارت حاصل کی جائے یا نہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ بذات خود پاک ہے لہٰذا اس کا پسینہ بھی پاک ہوگا۔

وَسُؤْرُ الْآدَمِيِّ وَمَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ لِأَنَّ الْمُخْتَلَطَ بِهِ اللُّعَابُ وَقَدْ تَوَلَّدَ
اور آدمی کا اور ماکول اللحم جانور کا پس خوردہ پاک ہے کیونکہ اس (جوٹھے) میں ملی ہوئی چیز لعاب ہے اور لعاب
مِنْ لَحْمٍ طَاهِرٍ فَيَكُوْنُ طَاهِراً وَ يَدْخُلُ فِيْ هٰذَا الْجَوَابِ الْجُنُبُ وَالْحَائِضُ وَالْكَافِرُ
پاک گوشت سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا وہ پاک ہوگا اور جنبی حائضہ اور کافر اس حکم میں داخل ہوگا

آدمی، ماکول اللحم جانور، جنبی، حائضہ اور کافر کے جوٹھے کا حکم

تشریح:۔ اس عبارت میں سؤر (جوٹھے پانی) کی چار قسموں میں سے پہلی قسم کا بیان ہے یعنی آدمی کا جوٹھا پاک ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر جنبی ہو یا حائضہ۔ اسی طرح ان جانوروں کا جوٹھا پاک ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے جیسے گائے، بکری اونٹ وغیرہ۔ دلیل یہ ہے کہ پانی، لعاب دہن ملنے کی وجہ سے جوٹھا ہوتا ہے اور لعاب پیدا ہوتا ہے گوشت سے، اور ان جانوروں کا گوشت پاک ہے لہٰذا لعاب بھی پاک ہوگا اور جب لعاب پاک ہے تو جس چیز میں ان کا لعاب مخلوط ہوگا وہ چیز بھی پاک ہوگی۔

سؤر آدمی کے پاک ہونے پر حدیث رسول اللہ ﷺ شاہد عدل ہے: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِقَدَحٍ مِنْ لَبَنٍ فَشَرِبَ وَنَاوَلَ الْبَاقِيَ أَعْرَابِيًّا كَانَ مِنْ يَمِينِهِ فَشَرِبَهُ ثُمَّ نَاوَلَ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَشَرِبَهُ "حضور ﷺ کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے پیا اور باقی ایک اعرابی کو دیدیا، جو آپ ﷺ کی داہنی طرف تھا، اس نے پیا پھر اس نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیدیا انہوں نے بھی پیا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آدمی کا جوٹھا پاک ہے۔ اور عقلی بات یہ ہے کہ آدمی کی ذات پاک ہے لہٰذا اس کا جوٹھا بھی پاک ہوگا۔ رہی یہ بات کہ اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی کے گوشت کا نہ کھایا جانا اس کی کرامت کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کی نجاست کی وجہ سے جنبی آدمی کے جوٹھے پانی کا پاک ہونا بھی حدیث سے ثابت ہے: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَقِيَ حُذَيْفَةَ فَمَدَّ يَدَهُ لِيُصَافِحَهُ فَقَبَضَ يَدَهُ وَقَالَ إِنِّيْ جُنُبٌ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْمُؤْمِنُ لَا يَنْجَسُ.

روایت ہے کہ حضور ﷺ کی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی۔آپ ﷺ نے مصافحہ کے واسطے اپنا ہاتھ بڑھایا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ سکیڑ لیا اور کہا کہ (اللہ کے پاک رسول) میں جنبی ہوں (شریعت اسلام کے بانی اعظم ﷺ) نے فرمایا کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا ہے۔اور سؤر حائض کے پاک ہونے پر حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے استدلال کیا گیا ہے۔اِنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا شَرِبَتْ مِنْ اِنَاءٍ فِيْ حَالِ حَيْضِهَا فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَمَهٗ عَلٰى مَوْضِعِ فِيْهَا وَشَرِبَ.

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حالت حیض میں ایک برتن سے پانی پیا پس حضور ﷺ نے اسی جگہ اپنا منہ رکھ کر پانی پیا جس جگہ سے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیا تھا۔پس حائضہ کا جوٹھا اگر ناپاک ہوتا تو حضور ﷺ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جوٹھا پانی کیوں نوش فرماتے درآنحالیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حالت حیض میں تھیں۔

اور کافر کا پاک ہونا بھی حدیث سے ثابت ہے: رُوِيَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَنْزَلَ وَفْدَ ثَقِيْفٍ فِي الْمَسْجِدِ وَكَانُوْا مُشْرِكِيْنَ.

روایت کیا گیا ہے کہ ثقیف کا ایک وفد مسجد میں آکر ٹھہرا حالانکہ وہ لوگ مشرک تھے پس اگر عین مشرک نجس ہوتا تو آنحضرت ﷺ ان لوگوں کو مسجد میں قیام کی اجازت نہ دیتے۔اور رہا باری تعالیٰ کا قول اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ تو اس سے مراد اعتقادی نجاست ہے نہ کہ ظاہر بدن کا نجس ہونا۔

وَسُؤْرُ الْكَلْبِ نَجِسٌ وَيُغْسَلُ الْاِنَاءُ مِنْ وُلُوْغِهٖ ثَلٰثًا لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُغْسَلُ الْاِنَاءُ

اور کتے کا جوٹھا ناپاک ہے اور اس کے منہ ڈالنے کی وجہ سے برتن تین مرتبہ دھویا جائے گا کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ کتے کے منہ

مِنْ وُلُوْغِ الْكَلْبِ ثَلٰثًا وَلِسَانُهٗ يُلَاقِي الْمَاءَ دُوْنَ الْاِنَاءِ فَلَمَّا تَنَجَّسَ الْاِنَاءُ

ڈالنے سے برتن تین بار دھویا جائے اور (چپڑ وقت) کتے کی زبان پانی سے متصل ہوتی ہے نہ کہ برتن سے پس جب برتن ناپاک ہو گیا

فَالْمَاءُ اَوْلٰى وَهٰذَا يُفِيْدُ النَّجَاسَةَ وَالْعَدَدَ فِي الْغَسْلِ وَهُوَ

تو پانی بدرجہ اولیٰ (ناپاک ہوگا)۔اور یہ حدیث (پانی کے) ناپاک ہونے کا اور دھونے میں (تین کے) عدد کا فائدہ دیتی ہے اور یہ (حدیث)

حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي اشْتِرَاطِ السَّبْعِ وَلِاَنَّ مَا يُصِيْبُهٗ بَوْلُهٗ يَطْهُرُ بِالثَّلٰثِ

سات مرتبہ کی شرط لگانے میں امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے۔اور اس لئے کہ جس چیز کو کتے کا پیشاب لگ جائے وہ تین بار (دھونے) سے

فَمَا يُصِيْبُهٗ سُؤْرُهٗ وَهُوَ دُوْنَهٗ اَوْلٰى

پاک ہو جاتی ہے پس جس چیز کو اس کا جوٹھا لگ جائے حالانکہ وہ (نجس ہونے میں پیشاب سے) کمتر ہے تو وہ بدرجہ اولیٰ (تین بار دھونے سے پاک ہو جائے گی)

وَالْاَمْرُ الْوَارِدُ بِالسَّبْعِ مَحْمُوْلٌ عَلٰی اِبْتِدَاءِ الْاِسْلَامِ

اور سات کے عدد پر وارد ہونے والا امر سو وہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے

کتے کے جوٹھے کا حکم

تشریح:۔ اس عبارت میں کتے کے جوٹھے پانی کا حکم مذکور ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے علاوہ تمام کے نزدیک کتے کا جوٹھا ناپاک ہے۔ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس برتن کا تین بار دھونا واجب ہے۔ البتہ امام مالکؒ سؤر کلب کی طہارت کے قائل ہیں۔ حاصل یہ کہ یہاں دو باتیں ہیں۔

(۱) کتے کے جوٹھے کی نجاست (۲) اس کے منہ ڈالنے سے برتن کا تین بار دھونا۔ اس پر حضور ﷺ کے قول سے استدلال کیا جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس برتن کو تین بار دھویا جائے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ کتے کی زبان پانی سے ملتی ہے نہ کہ برتن سے پس جب کتے کے برتن میں منہ ڈالنے سے برتن ناپاک ہو گیا تو پانی بدرجہ اولیٰ ناپاک ہو جائے گا۔ بعض حضرات نے اعتراض کیا کہ ممکن ہے کہ حدیث میں ولوغ کے معنی چاٹنا ہو تو اس صورت میں زبان برتن کے ساتھ متصل ہوگی نہ کہ پانی کے ساتھ لہٰذا اس حدیث سے استدلال بالاولویت تام نہیں ہوگا۔

جواب یہ ہے کہ ولوغ کے حقیقی معنی کتے کا نوک زبان سے پانی وغیرہ پینا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب تک معنی حقیقی کے خلاف قرینہ نہ پایا جائے تو حقیقی معنی ہی مراد ہوں گے۔ بہر حال حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں، ایک یہ کہ کتے کا لعاب ناپاک ہے۔ دوم یہ کہ دھونے کی تعداد میں تین مرتبہ ہے۔ یہ حدیث امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے۔ کیونکہ امام شافعیؒ سات بار دھونا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور دلیل عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث اِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اِذَا وَلَغَ الْکَلْبُ فِیْ اِنَائِکُمْ فَاغْسِلُوْہُ سَبْعًا وَعَفِّرُوْہُ الثَّامِنَۃَ بِالتُّرَابِ ہے یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو تم اس کو سات بار دھوؤ اور آٹھویں بار اس کو مٹی سے مانجھو۔

لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں ولوغ کلب سے سات مرتبہ دھونے کا حکم تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اور بات دراصل یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں حضور ﷺ نے کتوں کے بارے میں لوگوں پر سختی کر دی تھی تاکہ کتوں کے جمع کرنے سے باز رہیں پھر جب عادت جاتی رہی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعیؒ پر حجت الزامی پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ جس چیز کو کتے کا پیشاب لگے وہ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتی ہے تو جس چیز کو اس کا جوٹھا لگ جائے حالانکہ وہ اس کے پیشاب سے کمتر ہے تو بدرجہ اولیٰ تین مرتبہ

دھونے سے پاک ہو جائے گی۔ کتے کے جوٹھے کو اس کے پیشاب سے کم اس لئے کہا کہ کتے کے پیشاب کی طہارت کا کوئی قائل نہیں ہے اور اس کے جوٹھے کو امام مالکؒ طاہر کہتے ہیں، واللہ اعلم۔

وَسُؤْرُ الْخِنزِيرِ نَجِسٌ لِاَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ عَلٰى مَا مَرَّ
اور خنزیر کا جوٹھا ناپاک ہے کیونکہ خنزیر نجس العین ہے جیسا کہ گذر چکا
وَسُؤْرُ سِبَاعِ الْبَهَائِمِ نَجِسٌ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِيمَا سِوَى الْكَلْبِ وَالْخِنزِيرِ
اور بہائم درندوں کا جوٹھا ناپاک ہے کتے اور خنزیر کے علاوہ میں امام شافعیؒ نے اختلاف کیا ہے
لِاَنَّ لَحْمَهُمَا نَجِسٌ وَمِنْهُ يَتَوَلَّدُ اللُّعَابُ وَهُوَ الْمُعْتَبَرُ فِي الْبَابِ
کیوں کہ ان (درندوں) کا گوشت ناپاک ہے اور لعاب اسی (گوشت) سے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی (گوشت ہی) اس باب میں معتبر ہے

خنزیر اور دوسرے درندوں کے پس خوردہ کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ ہمارے نزدیک درندوں (شیر، چیتا، بھیڑیا، ہاتھی وغیرہ) کا جوٹھا ناپاک ہے۔ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ کتے اور خنزیر کے علاوہ تمام درندوں کا جوٹھا پاک ہے، امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے ان حوضوں کے بارے میں میں دریافت کیا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہیں آپ ﷺ سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ کتے اور درندے وہاں پانی پینے کے واسطے آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَهَا مَا اَخَذَتْ فِي بُطُونِهَا وَلَنَا مَا بَقِيَ شَرَابٌ وَطَهُورٌ۔ یعنی جو انہوں نے اپنے پیٹ میں لے لیا وہ ان کیلئے ہے اور جو باقی رہ گیا وہ ہمارے پینے کیلئے ہے اور پاک ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے اَنَتَوَضَّأُ بِمَا اَفْضَلَتِ الْحُمُرُ فَقَالَ نَعَمْ وَبِمَا اَفْضَلَتِ السِّبَاعُ كُلُّهَا کیا ہم گدھوں کے بچے ہوئے پانی سے وضو کر لیا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اور درندوں کے بچے ہوئے سے بھی ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ درندوں کا جوٹھا پاک ہے۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے اِنَّ عُمَرَ وَعَمْرَو بْنَ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا وَرَدَا حَوْضًا فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ اَتَرِدُ السِّبَاعُ مَائَكَ هٰذَا فَقَالَ عُمَرُ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُخْبِرْنَا فَلَوْلَا اَنَّهُ كَانَ اِذَا اُخْبِرَ بِوُرُوْدِ السِّبَاعِ يَتَعَذَّرُ عَلَيْنَا اِسْتِعْمَالُهُ لِمَا نَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ. حضرت عمر اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں حضرات ایک حوض کے پاس تشریف لے گئے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اے مالک حوض کیا تیرے اس پانی پر درندے آتے ہیں (اس کے جواب دینے سے پہلے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے حوض کے مالک ہم کو خبر نہ دینا کیونکہ اگر درندوں کی آمد کی خبر دی گئی تو ہم دونوں پر اس کا استعمال متعذر ہو جائے گا کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ درندوں کا جوٹھا ناپاک ہے۔ ہماری طرف سے عقلی دلیل یہ ہے کہ درندوں کا گوشت ناپاک ہے اور لعاب اسی سے پیدا ہوتا ہے اور لعاب کے پاک اور ناپاک ہونے میں گوشت ہی معتبر ہے یعنی اگر گوشت ناپاک ہے تو اس کا لعاب بھی ناپاک ہوگا اور اگر گوشت پاک ہے تو اس کا لعاب بھی پاک ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ کی پیش کردہ احادیث کا جواب یہ ہے کہ درندوں کے جوٹھے پانی کے پاک ہونے کا حکم ابتدائے اسلام میں ان کے گوشت کی تحریم سے پہلے تھا، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ سوال بڑے حوضوں کے بارے میں تھا اور اس کے ہم بھی قائل ہیں کہ بڑا حوض ناپاک نہیں ہوتا ہے۔

وَسُؤْرُ الْهِرَّةِ طَاهِرٌ مَكْرُوْهٌ وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهُ غَيْرُ مَكْرُوْهٍ لِاَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُصْغِيْ لَهَا الْاِنَاءَ
اور بلی کا جوٹھا پاک ہے (مگر) مکروہ ہے اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ وہ غیر مکروہ ہے اس لئے کہ حضور ﷺ بلی کے سامنے برتن جھکا دیتے
فَتَشْرَبُ مِنْهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ وَلَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْهِرَّةُ سَبُعٌ وَالْمُرَادُ بَيَانُ الْحُكْمِ
پس وہ اس سے پی لیتی پھر آپ ﷺ اس سے وضو فرماتے اور طرفین کی دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ بلی درندہ ہے اور مقصد حکم کو بیان کرنا ہے
اِلَّا اَنَّهُ سَقَطَتِ النَّجَاسَةُ لِعِلَّةِ الطَّوَافِ فَبَقِيَتِ الْكَرَاهَةُ وَمَا رَوَاهُ مَحْمُوْلٌ عَلٰى مَا قَبْلَ التَّحْرِيْمِ
مگر علت طواف کی وجہ سے نجاست ساقط ہو گئی اور کراہت باقی رہ گئی۔ اور وہ روایت جس کو ابو یوسفؒ نے روایت کیا ہے وہ ما قبل التحریم پر محمول ہے
ثُمَّ قِيْلَ كَرَاهَتُهُ لِحُرْمَةِ اللَّحْمِ وَقِيْلَ لِعَدَمِ تَحَامِيْهَا النَّجَاسَةَ
پھر کہا گیا کہ اس کی کراہت، گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سے ہے اور کہا گیا کہ نجاست سے اس کے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے ہے
وَهٰذَا يُشِيْرُ اِلَى التَّنَزُّهِ وَالْاَوَّلُ اِلَى الْقُرْبِ مِنَ التَّحْرِيْمِ
اور یہ (نجاست سے بد پرہیزی) مکروہ تنزیہی کی طرف مشیر ہے اور قول اول مکروہ تحریمی کے قریب ہونے کی طرف (مشیر) ہے

بلی کے جوٹھے کا حکم

تشریح:۔ بلی کے جوٹھے میں فقہاء احناف کا اختلاف ہے چنانچہ طرفین رحمہا اللہ نے کہا کہ بلی کا جوٹھا پاک ہے مگر مکروہ ہے پھر امام طحاویؒ کراہت تحریمی کے قائل ہیں اور امام کرخیؒ کراہت تنزیہی کے قائل ہیں۔ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ بلی کا جوٹھا غیر مکروہ ہے اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ بلی کے سامنے پانی کا برتن جھکا دیتے وہ اس سے پانی پی لیتی پھر آپ ﷺ اس سے وضو کر لیتے۔ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد ابو یوسفؒ نے کہا كَيْفَ اَكْرَهُ مَعَ هٰذَا الْحَدِيْثِ۔ اس حدیث کے رہتے ہوئے بلی کے جوٹھے کو کیسے مکروہ قرار دوں۔

ایک اور حدیث ہے عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَتَوَضَّأُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ قَدْ اَصَابَتْ مِنْهُ الْهِرَّةُ قَبْلَ ذٰلِكَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اکرم ﷺ ایک برتن میں وضو کرتے حالانکہ اس سے پہلے بلی اس میں سے پی چکی تھی۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ بلی کا جوٹھا بلا کراہت پاک ہے۔ اور طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اَلْهِرَّةُ سَبُعٌ بلی ایک درندہ ہے۔ اس قول سے اللہ کے رسول کا مقصد بلی کی پیدائش اور صورت بیان کرنا نہیں ہے بلکہ حکم بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت احکام و شرائع بیان کرنے کے لئے ہوئی ہے نہ کہ خلقت اور صورت بیان کرنے کے لئے۔ پس جب بلی کا حکم وہ ہے جو درندہ کا ہے تو درندہ کے مانند اس کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہیے تھا حالانکہ آپ اس کی نجاست کے قائل نہیں ہیں۔

صاحب ہدایہ نے جواب میں فرمایا کہ قیاس کا تقاضا تو یہی تھا لیکن علت طواف کی وجہ سے بلی کے جوٹھے کی نجاست ساقط ہوگئی اور کراہت باقی رہ گئی۔ علت طواف سے یا تو ضرورت مراد ہے یعنی ضرورت کی وجہ سے نجاست ساقط ہوگئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر اجازت طلب کرنا واجب کیا ہے جو کسی کے گھر میں داخل ہونے کا ارادہ کرے لیکن ضرورت کی وجہ سے مملوکین اور نابالغ بچوں سے اوقات ثلثہ (نماز صبح سے پہلے، دوپہر بوقت قیلولہ، عشاء کی نماز کے بعد) کے علاوہ میں اس حکم کو ساقط کر دیا گیا چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔

اے ایمان والو! (تمہارے پاس آنے کیلئے) تمہارے مملوکوں اور تم میں سے جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے (ایک تو) نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب (سونے کیلئے) دوپہر کو اپنے (بعض) کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردوں کے (وقت) ہیں اور ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ (بلا اجازت چلے آنے میں) ان پر کوئی الزام ہے کیونکہ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ علت طواف سے حدیث عائشہ کی طرف اشارہ ہو۔ حدیث یہ ہے: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ تُصَلِّيْ وَفِيْ بَيْتِهَا قَصْعَةٌ مِنْ هَرِيْسَةٍ فَجَاءَتْ هِرَّةٌ وَاَكَلَتْ مِنْهَا فَلَمَّا فَرَغَتْ مِنْ صَلَاتِهَا دَعَتْ جَارَاتٍ لَهَا فَكُنَّ يَتَحَامَيْنَ مِنْ مَوْضِعِ فَمِهَا فَمَدَّتْ يَدَهَا وَاَخَذَتْ مَوْضِعَ فَمِهَا وَاَكَلَتْ وَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَلْهِرَّةُ لَيْسَتْ بِنَجِسَةٍ اِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِيْنَ وَالطَّوَّافَاتِ عَلَيْكُمْ فَمَا لَكُنَّ لَا تَاْكُلْنَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ نماز پڑھ رہی تھیں اور ان کے گھر میں ہریسہ (ایک قسم کا کھانا جو

گوشت اور گندم ملا کر تیار کیا جاتا ہے) ایک پیالہ میں رکھا تھا پس بلی آکر اس میں سے کھانے لگی پس جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نماز سے فارغ ہوئیں تو اپنے پڑوس کی عورتوں کو بلایا وہ اس جگہ سے پرہیز کرنے لگیں جہاں بلی نے منہ مارا تھا، پس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اسی جگہ سے لیا اور کھالیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ بلی ناپاک نہیں ہے وہ تمہارے پاس چکر لگاتی رہتی ہے تمہیں کیا ہو گیا تم کیوں نہیں کھاتی ہو۔

حاصل یہ ہے کہ مقتضی قیاس تو یہی تھا کہ بلی کا جوٹھا ناپاک ہو مگر اس حدیث کی وجہ سے اس کی نجاست ساقط ہو گئی ہے البتہ کراہت باقی رہی۔ اور امام ابو یوسفؒ کی پیش کردہ حدیث ماقبل التحریم پر محمول ہے۔ پھر امام طحاویؒ کی دلیل اس بات پر کہ بلی کا جوٹھا مکروہ تحریمی ہے یہ ہے کہ بلی کے جوٹھے پانی میں کراہت اس کے گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سے آئی ہے اور ظاہر ہے کہ تحریم کی وجہ سے جو کراہت ہوگی وہ کراہت تحریمی ہوگی نہ کہ کراہت تنزیہی۔ اور کراہت تنزیہی پر امام کرخیؒ کی دلیل یہ ہے کہ بلی کے جوٹھے میں کراہت اس لئے پیدا ہوئی کہ وہ نجاست سے احتیاط نہیں کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ عدم احتیاط سے جو کراہت پیدا ہوگی وہ تنزیہی ہوگی نہ کہ تحریمی۔

وَلَوْ اَكَلَتِ الْفَارَةَ ثُمَّ شَرِبَتْ عَلٰى فَوْرِهٖ الْمَاءَ يَتَنَجَّسُ اِلَّا اِذَا مَكَثَتْ سَاعَةً لِغَسْلِهَا فَمَهَا
اور اگر بلی نے چوہا کھا کر پھر اسی وقت پانی پی لیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا مگر جبکہ تھوڑی دیر ٹھہری رہی (تو پانی ناپاک نہیں ہوگا) اس لئے کہ بلی نے اپنا منہ اپنے
بِلُعَابِهَا وَالْاِسْتِثْنَاءُ عَلٰى مَذْهَبِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَيَسْقُطُ اِعْتِبَارُ الصَّبِّ لِلضَّرُوْرَةِ
لعاب سے دھو ڈالا۔ اور استثناء ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے مذہب پر ہے اور ضرورت کی وجہ سے بہانے کا اعتبار ساقط ہو جائے گا

بلی نے چوہا کھا کر فوراً پانی میں منہ ڈال دیا یا تھوڑی دیر ٹھہر کر پانی میں منہ ڈالا تو پانی کا کیا حکم ہے

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ بلی نے چوہا کھا کر بلا توقف برتن میں منہ ڈال کر پانی پی لیا تو یہ پانی ناپاک ہو جائیگا ہاں اگر تھوڑی دیر توقف کیا پھر پانی پیا تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ البتہ امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی ناپاک ہو جائے گا۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ان کے نزدیک بہنے والی پاک چیزوں سے نجاست کا زائل کرنا جائز ہے لہٰذا بلی نے جب چوہا کھا کر توقف کیا تو اس نے اپنی زبان سے ہونٹوں کی نجاست صاف کر دی اور اس کو نگل گئی، پھر اس کے بعد برتن میں منہ ڈالا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی نزدیک عضو پاک کرنے کیلئے بہانا شرط ہے اور وہ یہاں پایا نہیں گیا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے بہانے کا اعتبار ساقط ہو گیا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ بغیر پانی کے نجاست زائل نہیں ہوتی اس لئے ایسی بلی کا جوٹھا ہر حال میں ناپاک ہوگا خواہ اس نے لعاب سے اپنا منہ صاف کیا ہو یا صاف نہ کیا ہو۔

وَسُؤْرُ الدَّجَاجَةِ الْمُخَلَّاةِ مَكْرُوْهٌ لِاَنَّهَا تُخَالِطُ النَّجَاسَةَ وَلَوْ كَانَتْ مَحْبُوْسَةً بِحَيْثُ لَا يَصِلُ مِنْقَارُهَا
اور باہر پھرنے والی مرغی کا جوٹھا مکروہ ہے کیونکہ وہ (مخلاۃ مرغی) نجاست سے ملتبس رہتی ہے اور اگر مرغی اس طرح محبوس ہو کہ اس کی چونچ

إِلَى مَا تَحْتَ قَدَمَيْهَا لَا يُكْرَهُ لِوُقُوْعِ الْأَمْنِ عَنِ الْمُخَالَطَةِ وَكَذَا سُؤْرُ سِبَاعِ الطَّيْرِ
اس کے پنجوں کے نیچے تک نہ پہنچے تو اختلاط نجاست سے امن واقع ہونے کی وجہ سے مکروہ نہیں ہوگا اور اسی طرح شکاری پرندوں کا جوٹھا (مکروہ) ہے۔
لِأَنَّهَا تَأْكُلُ الْمَيْتَاتِ فَأَشْبَهَ الدَّجَاجَةَ الْمُخَلَّاةَ وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ أَنَّهَا إِذَا كَانَتْ مَحْبُوْسَةً
کیونکہ یہ شکاری پرندے مردار جانور کھاتے ہیں تو مخلاۃ مرغی کے مشابہ ہو گئے۔ اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ یہ (شکاری پرندے) اگر قید ہوں
يَعْلَمُ صَاحِبُهَا أَنَّهُ لَا قَذَرَ عَلَى مِنْقَارِهَا لَا يُكْرَهُ لِوُقُوْعِ الْأَمْنِ عَنِ الْمُخَالَطَةِ
ان کا مالک جانتا ہے کہ ان کی چونچ پر نجاست نہیں تو (ان کا جوٹھا نجاست سے) مخالطت سے امن واقع ہونے کی وجہ سے مکروہ نہ ہوگا
وَاسْتَحْسَنَ الْمَشَايِخُ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ
اور مشائخ نے اس روایت کو مستحسن کہا ہے

مرغی کے جوٹھے کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ نجاستوں اور غلاظتوں پر پھرنے والی مرغی کا جوٹھا بھی مکروہ ہے دلیل یہ ہے کہ مخلاۃ مرغی نجاست سے مختلط رہتی ہے اس لئے اس کا جوٹھا کراہت سے خالی نہیں ہوگا اور اگر مرغی کو پنجرے وغیرہ میں قید کر لیا گیا ایسے طور پر کہ اس کی چونچ اس کے پنجوں تک نہ پہنچے تو اس کا جوٹھا مکروہ نہیں ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ کراہت، اختلاط نجاست کی وجہ سے تھی اور قید کرنے کی وجہ سے اختلاط سے مامون ہو گئی اس لئے اس کا جوٹھا مکروہ نہیں ہوگا۔ یہی حکم شکاری پرندوں کے جوٹھے کا ہے یعنی شکاری پرندوں کا جوٹھا بھی مکروہ ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ شکاری پرندے مردار جانور کھاتے ہیں لہٰذا یہ بھی مخلاۃ مرغی کے مشابہ ہو گئے۔

صاحب عنایہؒ نے لکھا ہے کہ درندوں کے جوٹھے پر قیاس کا تقاضا تو یہی تھا کہ شکاری پرندوں کا جوٹھا بھی ناپاک ہو مگر استحساناً اس کو ناپاک نہیں کہا اور وجہ استحسان یہ ہے کہ پرندے اپنی چونچ سے پیتے ہیں اور وہ خشک ہڈی ہے اس کے برخلاف درندے کہ وہ اپنی زبان سے پیتے ہیں اور وہ لعاب کی وجہ سے تر ہوتی ہے پس درندے جب اپنا منہ پانی میں ڈالیں گے تو ان کے منہ کا ناپاک لعاب پانی کے ساتھ مخلوط ہوگا اور اس کی وجہ سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر شکاری پرندہ قید کر لیا گیا اور اس کے مالک کو یقین ہے کہ اس کی چونچ پر گندگی نہیں ہے تو اس کا جوٹھا بھی مکروہ نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں اختلاط نجاست سے امن واقع ہو گیا۔ مشائخ نے اس روایت کو مستحسن قرار دیا اور اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حسن بن زیادہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظمؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ پرندہ اگر مردار نہ

کھاتا ہو تو اس کے جوٹھے پانی سے وضو کرنا مکروہ نہیں ہے۔

وَسُؤْرُ مَا يَسْكُنُ الْبُيُوْتَ كَالْحَيَّةِ وَالْفَارَةِ مَكْرُوْهٌ لِاَنَّ حُرْمَةَ اللَّحْمِ
اور ان جانوروں کا جوٹھا جو گھروں میں رہتے ہیں جیسے سانپ، چوہا مکروہ ہے اس لئے کہ (ان کے) گوشت کا حرام ہونا (ان کے)
اَوْجَبَتْ نَجَاسَةَ السُّؤْرِ اِلَّا اَنَّهُ سَقَطَتِ النَّجَاسَةُ لِعِلَّةِ الطَّوَافِ فَبَقِيَتِ الْكَرَاهَةُ وَالتَّنْبِيْهُ عَلَى الْعِلَّةِ فِي الْهِرَّةِ
جوٹھے کے نجس ہونے کو واجب کرتا ہے لیکن علت طواف کی وجہ سے یہ نجاست ساقط ہوگئی اور کراہت باقی رہی اور بلی کے مسئلہ میں علت پر تنبیہ موجود ہے

گھروں میں رہنے والے جانوروں کے جوٹھے کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ گھر میں رہنے والے جانوروں مثلاً سانپ، چوہا وغیرہ کا جوٹھا پانی بھی مکروہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ان کے گوشت کا حرام ہونا تو اس بات کا مقتضی تھا کہ ان کا جوٹھا ناپاک ہو لیکن طواف (گھومنے) کی وجہ سے نجاست ساقط ہوگئی البتہ کراہت باقی رہی۔ وَالتَّنْبِيْهُ عَلَى الْعِلَّةِ سے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ سَوَاكِنُ الْبُيُوْت کے جوٹھے سے سقوط نجاست کی علت، طواف کا ہونا کیسے معلوم ہوا۔

جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے سؤر ہرہ سے نجاست ساقط ہونے کی علت طواف بیان فرمائی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ اور یہ علت سَوَاكِنُ الْبُيُوْت میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے کیونکہ گھر کے روشندان اور دوسرے شگاف بند کردینے سے بلی کا داخل ہونا ممکن نہیں رہے گا۔ اور سَوَاكِنُ الْبُيُوْت سانپ، چوہا وغیرہ کو چکر لگانے سے روکنا ممکن نہیں ہے۔ پس جب علت طواف کی وجہ سے بلی کے جوٹھے سے نجاست ساقط ہوگئی تو سَوَاكِنُ الْبُيُوْت سے بدرجہ اولی نجاست ساقط ہو جائیگی۔

وَسُؤْرُ الْحِمَارِ وَالْبَغْلِ مَشْكُوْكٌ فِيْهِ قِيْلَ الشَّكُّ فِيْ طَهَارَتِهِ لِاَنَّهُ لَوْ كَانَ طَاهِرًا لَكَانَ طَهُوْرًا
اور گدھے اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہے کہا گیا کہ شک اس کی طہارت میں ہے اس لئے کہ اگر پاک ہوتا تو جب تک لعاب پانی پر غالب نہ ہو
مَالَمْ يَغْلِبِ اللُّعَابُ عَلَى الْمَاءِ وَقِيْلَ الشَّكُّ فِيْ طَهُوْرِيَّتِهِ لِاَنَّهُ لَوْ وَجَدَ الْمَاءَ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ غَسْلُ رَاْسِهِ
تو پاک کرنے والا بھی ہوتا اور کہا گیا کہ شک اس کے مطہر ہونے میں ہے اس لئے کہ اگر پانی پائے تو اس پر اپنے سر کا دھونا واجب نہیں ہے
وَكَذَا لَبَنُهُ طَاهِرٌ وَعَرَقُهُ لَا يَمْنَعُ جَوَازَ الصَّلٰوةِ وَاِنْ فَحُشَ فَكَذَا سُؤْرُهُ وَهُوَ الْاَصَحُّ
اور ایسے ہی اس کا دودھ پاک ہے اور اس کا پسینہ جواز صلوٰۃ کیلئے مانع نہیں اگر چہ کثیر ہو، پس ایسے ہی اس کا جوٹھا ہے اور زیادہ صحیح ہے
وَيُرْوٰى نَصُّ مُحَمَّدٍ عَلٰى طَهَارَتِهِ وَسَبَبُ الشَّكِّ تَعَارُضُ الْاَدِلَّةِ فِيْ اِبَاحَتِهِ وَحُرْمَتِهِ
اور اسکی طہارت پر امام محمدؒ کی تصریح مروی ہے اور شک کا سبب اس کے مباح ہونے اور اس کے حرام ہونے میں دلائل کا باہم متعارض ہونا ہے

اَوْ اِخْتِلَافُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ فِيْ نَجَاسَتِهٖ وَطَهَارَتِهٖ وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ نَجِسٌ
یا (شک کا سبب) اس کے پاک ہونے اور ناپاک ہونے میں صحابہ کا اختلاف ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ گدھے کا جوٹھا ناپاک ہے
تَرْجِيْحًا لِلْحُرْمَةِ وَالنَّجَاسَةِ وَالْبَغْلُ مِنْ نَسْلِ الْحِمَارِ فَيَكُوْنُ بِمَنْزِلَتِهٖ
(اس لئے) کہ حرمت اور نجاست راجح ہے اور خچر گدھے کی نسل سے ہے لہٰذا وہ بھی گدھے کے مرتبہ میں ہوگا

گدھے اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہے

تشریح:۔ عبارت میں گدھے پالتو گدھا مراد ہے اور خچر سے وہ خچر مراد ہے جس کی ماں گدھی ہو۔ چنانچہ اگر اس کی ماں گھوڑی یا گائے ہو تو اس کا جوٹھا پاک ہے (شرح نقایہ)۔ اب حاصل مسئلہ یہ ہے کہ پالتو گدھا اور خچر جو گدھی کے پیٹ سے پیدا ہوا ان دونوں کا جوٹھا مشکوک ہے یہ حکم اکثر مشائخ کے نزدیک ہے ورنہ شیخ ابوطاہر دباسؒ نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ احکام خداوندی میں سے کوئی حکم مشکوک نہیں پس شیخ ابوطاہرؒ کے نزدیک گدھے کا جوٹھا پاک ہے اگر اس میں کپڑا ڈوب جائے تو اس کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے البتہ اس میں احتیاط کی جائے گی چنانچہ فرمایا کہ اگر اس کے علاوہ دوسرا پانی نہ ہو تو وضو اور تیمم دونوں کو جمع کرے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ طاہر و مطہر دونوں ہے اور دلیل میں کہا کہ جس جانور کی کھال قابل انتفاع ہے اس کا جوٹھا پاک ہے۔ رہی یہ بات کہ اکثر مشائخ کے نزدیک شک اس پانی کی طہارت (پاک ہونے میں) ہے یا مطہر (پاک کرنے والا) ہونے میں سو اس بارے میں اختلاف ہے بعض مشائخ نے کہا کہ گدھے کے لعاب کی طہارت میں شک ہے یعنی اس کا لعاب پاک ہے یا نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اگر سور حمار پاک ہوتا تو جس پانی میں وہ ملتا وہ پانی مطہر بھی رہتا تا وقتیکہ لعاب پانی پر غالب ہو جائے جیسا کہ پانی کے اندر پاک چیزوں کے ملنے کا حکم ہے حالانکہ بغیر غلبہ کے اس سے طہارت حاصل کرنا کافی نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ شک اس کے پاک ہونے میں ہے۔

اور بعض حضرات مشائخ رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ گدھے کے لعاب کے مطہر اور طہور ہونے میں شک ہے یعنی لعاب حمار خود تو پاک ہے لیکن اس میں شک ہے کہ پاک کرنے والا ہے یا نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے پہلے گدھے کے جوٹھے سے سر کا مسح کیا تھا پھر آب مطلق دستیاب ہو گیا تو اس پر اپنا سر کا دھونا واجب نہیں، اگر گدھے کے جوٹھے کی طہارت میں شک ہوتا تو اس شخص پر سر کا دھونا واجب ہوتا پس معلوم ہوا کہ گدھے کا جوٹھا بذات خود تو پاک ہے مگر دوسری چیز کو پاک کر سکتا ہے یا نہیں اس میں شک ہے۔

مصنف ہدایہ نے کہا کہ گدھی کا دودھ بھی پاک ہے، لیکن یہ حکم ظاہر الروایۃ کے مطابق نہیں ہے بلکہ امام محمدؒ سے روایت ہے اور ظاہر الروایۃ میں کہا ہے کہ گدھی کا دودھ ناپاک ہے۔ اور گدھے کے پسینہ میں حضرت امام اعظمؒ سے تین روایات ہیں (۱) یہ کہ پاک ہے گدھے کا پسینہ جواز صلوٰۃ کے لئے مانع نہیں ہے (۲) یہ کہ نجاست خفیفہ ہے (۳) نجاست غلیظہ ہے۔ لیکن روایات مشہورہ کے مطابق پاک ہے لہٰذا ایسے ہی اس کا جوٹھا بھی پاک ہوگا کیونکہ پسینہ اور لعاب دونوں گوشت سے پیدا ہوتے ہیں لہٰذا دونوں کا حکم یکساں ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہی صحیح ہے کہ شک سؤر حمار کی طہوریت میں ہے نہ کہ اس کی طہارت میں، حضرت امام محمدؒ نے بھی سؤر حمار کی طہارت پر صراحت فرمائی ہے چنانچہ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ چار چیزوں میں اگر کپڑا ڈوب جائے تو ناپاک نہیں ہوگا اور وہ چار چیزیں یہ ہیں (۱) سؤر حمار (۲) آب مستعمل (۳) گدھی کا دودھ (۴) ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ گدھے کے جوٹھے میں شک کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ اس کے مباح ہونے اور حرام ہونے میں دلائل مختلف ہیں چنانچہ مروی ہے۔ اِنَّ غَالِبَ بْنَ اَبْجَرَ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَقَالَ لَمْ یَبْقَ لِیْ مَالٌ اِلَّا حُمَیْرَاتٌ فَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کُلْ مِنْ سَمِیْنِ مَالِکَ. غالب ابن ابجر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا اور کہا کہ میرے پاس گدھوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے مال میں سے جو موٹے تازے ہیں ان کو کھالے۔ یہ حدیث گدھے کے گوشت کی حلت پر دلالت کرتی ہے۔

اور روایت کیا گیا کہ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ حَرَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْاَھْلِیَّۃِ یَوْمَ خَیْبَرَ یعنی خیبر کے دن حضور ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام کر دیا ہے۔ اس حدیث سے بصراحت ثابت ہوا کہ گدھوں کا گوشت حرام ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ گدھے کے جوٹھے کے پاک اور ناپاک ہونے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہے چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کا ناپاک ہونا منقول ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کا پاک ہونا مروی ہے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گدھے کا گوشت بغیر کسی شک کے حرام ہے اور اس کا جوٹھا نجس ہے کیونکہ یہاں مُحَرِّمْ اور مُبِیْح دونوں جمع ہو گئے اور ایسی صورت میں مُحَرِّمْ کو مُبِیْح پر ترجیح دی جاتی ہے جیسے ایک عادل آدمی نے خبر دی کہ یہ گوشت مجوسی کا ذبیحہ ہے اور دوسرے نے کہا کہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت یہ ہے کہ گدھے کا جوٹھا ناپاک ہے کیونکہ حرمت اور نجاست راجح ہے اور خچر چونکہ گدھے کی نسل سے ہے اس لئے خچر کا حکم وہی ہوگا جو گدھے کا ہے۔

فَاِنْ لَمْ یَجِدْ غَیْرَھُمَا یَتَوَضَّأُ بِھِمَا وَیَتَیَمَّمُ وَیَجُوْزُ اَیُّھُمَا قَدَّمَ
پھر اگر (متوضی) ان دونوں کے علاوہ نہ پائے تو ان دونوں سے وضو کرے اور تیمم کرے اور جائز ہے کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے مقدم کرے
وَقَالَ زُفَرُؒ لَا یَجُوْزُ اِلَّا اَنْ یُّقَدِّمَ الْوُضُوْءَ لِاَنَّہٗ مَاءٌ وَاجِبُ الْاِسْتِعْمَالِ فَاَشْبَہَ الْمَاءَ الْمُطْلَقَ
اور امام زفرؒ نے کہا کہ جائز نہیں مگر یہ کہ وضو کو مقدم کرے، کیونکہ وہ واجب الاستعمال پانی ہے وہ آب مطلق کے مشابہ ہو گیا
وَلَنَا اَنَّ الْمُطَھِّرَ اَحَدُھُمَا فَیُفِیْدُ الْجَمْعُ دُوْنَ التَّرْتِیْبِ وَسُؤْرُ الْفَرَسِ
اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک پاک کرنے والا ہے پس یہ مفید جمع ہوگا نہ کہ مفید ترتیب۔ اور گھوڑے کا جوٹھا

طَاهِرٌ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ لَحْمَهُ مَأْكُولٌ وَكَذَا عِنْدَهُ
صاحبین کے نزدیک پاک ہے کیونکہ (صاحبین کے نزدیک) گھوڑے کا گوشت کھایا جاتا ہے اور ایسا ہی ہے امام صاحب کے نزدیک صحیح
فِي الصَّحِيحِ لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ لِإِظْهَارِ شَرَفِهِ
روایت میں کیونکہ (اس کے گوشت کی) کراہت اس کی شرافت کو ظاہر کرنے کیلئے ہے

آبِ مشکوک کے علاوہ دوسرا پانی نہ ہو تو طہارت کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر متوضی کے پاس آبِ مشکوک کے علاوہ دوسرا پانی نہ ہو تو حکم یہ ہے کہ آبِ مشکوک سے وضو کرے اور تیمم کرے اور دونوں میں سے جس کو چاہے مقدم کرے اور جس کو چاہے مؤخر کرے۔ امام زفرؒ نے کہا ہے کہ صرف وضو مقدم کرنا جائز ہے۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ آبِ مشکوک واجب الاستعمال ہے لہٰذا یہ آبِ مطلق کے مشابہ ہو گیا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ آبِ مشکوک سے وضو کرنا اور تیمم کرنا دونوں چیزوں میں سے ایک چیز پاک کرنے والی ہے یعنی دونوں میں سے ایک سے طہارت متحقق ہو گی پس اگر آبِ مشکوک سے طہارت متحقق ہو گئی تو مٹی استعمال کرنے میں کوئی فائدہ نہیں خواہ مقدم کرے یا مؤخر کرے اور اگر پاک کرنے والی مٹی ہے تو تقدیم و تاخیر کوئی مضر نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جب دونوں میں سے ایک مطہر ہے تو ان دونوں کو جمع کرنا مفید ہو گا ترتیب مفید نہیں ہو گی۔

اور گھوڑا نر ہو یا مادہ اس کا جوٹھا صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک پاک ہے کیونکہ اس کا گوشت ماکول ہے اور جس کا گوشت ماکول ہو اس کا جوٹھا پاک ہوتا ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ سے چار روایات ہیں (۱) یہ کہ اس کے علاوہ دوسرے پانی سے وضو کرنا پسندیدہ ہے (۲) یہ کہ اس کے گوشت کی طرح اس کا جوٹھا بھی مکروہ ہے (۳) یہ کہ سورِ حمار کی طرح مشکوک ہے (۴) یہ کہ پاک ہے اور یہی صحیح مذہب ہے۔ رہی یہ بات کہ امام صاحب کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے لہٰذا اس کا جوٹھا پاک کیسے ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ گھوڑے کے گوشت کی کراہت اس کی کرامت اور شرافت کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ جہاد کا آلہ ہے نجاست کی وجہ سے نہیں ہے اس وجہ سے اس کے گوشت کی کراہت اس کے جوٹھے میں مؤثر نہیں ہو گی۔

فَإِنْ لَمْ يَجِدْ إِلَّا نَبِيذَ التَّمْرِ قَالَ أَبُوْحَنِيْفَةَ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَلَا يَتَيَمَّمُ لِحَدِيْثِ لَيْلَةِ الْجِنِّ
پھر اگر (متوضی) سوائے نبیذِ تمر کے کوئی پانی نہ پائے تو ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس سے وضو کرے اور تیمم نہ کرے حدیث لیلۃ الجن کی وجہ سے
فَإِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَوَضَّأَ بِهِ حِيْنَ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ يَتَيَمَّمُ وَلَا يَتَوَضَّأُ بِهِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ
کہ حضور ﷺ نے جب پانی نہ پایا تو اس (نبیذ تمر) سے وضو کیا۔ اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ تیمم کرے اور اس سے وضو نہ کرے اور یہی ایک روایت ابوحنیفہؒ سے ہے
وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ عَمَلًا بِآيَةِ التَّيَمُّمِ لِأَنَّهَا أَقْوٰى أَوْ هُوَ مَنْسُوْخٌ بِهَا
اور اسی کے امام شافعیؒ قائل ہیں آیتِ تیمم پر عمل کرنے کی وجہ سے کیونکہ آیت زیادہ قوی ہے یا حدیث مذکور اس آیت سے منسوخ ہے

لِاَنَّهَا مَدَنِيَّةٌ وَلَيْلَةُ الْجِنِّ كَانَتْ بِمَكَّةَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَتَوَضَّأُ بِهٖ وَيَتَيَمَّمُ لِاَنَّ فِي الْحَدِيْثِ اِضْطِرَابًا وَ
کیونکہ آیت تیمم مدنی ہے اور لیلۃ الجن کا واقعہ مکہ میں ہوا اور امام محمدؒ نے کہا کہ نبیذ تمر سے وضو کرے اور تیمم (بھی) کرے کیونکہ حدیث میں اضطراب ہے
فِي التَّارِيْخِ جَهَالَةٌ فَوَجَبَ الْجَمْعُ اِحْتِيَاطًا قُلْنَا لَيْلَةُ الْجِنِّ كَانَتْ غَيْرَ وَاحِدَةٍ فَلَا يَصِحُّ دَعْوَى النَّسْخِ
اور تاریخ میں جہالت ہے پس احتیاطاً دونوں کو جمع کرنا واجب ہوا۔ ہم نے (جواباً) کہا کہ لیلۃ الجن متعدد تھیں لہٰذا نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں
وَالْحَدِيْثُ مَشْهُوْرٌ عَمِلَتْ بِهِ الصَّحَابَةُ وَبِمِثْلِهٖ يُزَادُ عَلَى الْكِتَابِ وَاَمَّا الْاِغْتِسَالُ بِهٖ
اور حدیث مشہور ہے صحابہ نے اس پر عمل کیا ہے اور ایسی مشہور حدیث سے کتاب اللہ پر زیادتی کی جاتی ہے۔ رہا نبیذ تمر سے غسل کرنا
فَقَدْ قِيْلَ يَجُوْزُ عِنْدَهٗ اِعْتِبَارًا بِالْوُضُوْءِ وَ قِيْلَ لَا يَجُوْزُ لِاَنَّهٗ فَوْقَهٗ
تو کہا گیا کہ امام صاحب کے نزدیک وضو پر قیاس کرکے جائز ہے اور کہا گیا کہ غسل جائز نہیں کیونکہ غسل وضو سے بڑھ کر ہے

نبیذ تمر سے وضو اور غسل کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر نبیذ تمر کے علاوہ دوسرا کوئی پانی موجود نہ ہو تو حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں تین روایات منقول ہیں (۱) جامع صغیر اور زیادات میں مذکور ہے کہ نبیذ تمر سے وضو کرے اور تیمم نہ کرے (۲) امام صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک نبیذ تمر سے وضو کرنا اور مٹی سے تیمم کرنا زیادہ پسندیدہ ہے۔ .... شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس قول میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر صرف نبیذ تمر سے وضو کیا اور تیمم نہیں کیا تو جائز ہے اور اگر اس کا برعکس کیا تو جائز نہیں، البتہ دونوں کا جمع کرنا مستحب ہے (۳) نوح ابن ابی مریم اور حسن بن زیاد رحمہما اللہ نے روایت کیا کہ تیمم کر لے اور نبیذ تمر سے وضو نہ کرے۔ اسی قول کو امام ابو یوسفؒ نے اختیار کیا ہے اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نبیذ تمر سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے۔

امام ابو حنیفہؒ کی پہلی روایت کی وجہ حدیث لیلۃ الجن ہے وہ یہ ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ ذَاتَ لَيْلَةٍ ثُمَّ قَالَ لِيَقُمْ مَعِيَ مَنْ لَمْ يَكُنْ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ فَقَامَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَحَمَلَهٗ اَيْ اَخَذَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَعَ نَفْسِهٖ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خَرَجْنَا مِنْ مَكَّةَ وَخَطَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَوْلِيْ خَطًّا وَقَالَ لَا تَخْرُجْ عَنْ هٰذَا الْخَطِّ فَاِنَّكَ اِنْ خَرَجْتَ عَنْهُ لَمْ تَلْقَنِيْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ ذَهَبَ يَدْعُو الْجِنَّ اِلَى الْاِيْمَانِ وَيَقْرَأُ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنَ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَقَالَ لِيْ هَلْ بَقِيَ مَعَكَ مَاءٌ اَتَوَضَّأُ بِهٖ فَقُلْتُ لَا اِلَّا نَبِيْذُ التَّمْرِ فِيْ اِدَاوَةٍ

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ تَمَرَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَمَاءٌ طَھُوْرٌ وَاَخَذَہٗ وَتَوَضَّأَ بِہٖ وَصَلَّی الْفَجْرَ. (عنایہ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک رات حضور ﷺ نے خطبہ دیا پھر فرمایا کہ میرے ساتھ (چلنے کیلئے) وہ شخص کھڑا ہو جس کے دل میں ایک ذرہ برابر کبر نہ ہو پس ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے ساتھ لیا چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مکہ سے نکل گئے اور حضور ﷺ نے میرے گرد ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ اس خط سے نہ نکلنا اس لئے کہ اگر تو اس خط سے باہر نکل گیا تو قیامت تک مجھ کو نہیں پاسکو گے۔ پھر آپ ﷺ جنات کو ایمان کی دعوت دینے لگے اور ان کے سامنے قرآن پڑھنے لگے حتی کہ فجر طلوع ہوگئی پھر آپ ﷺ طلوع فجر کے بعد واپس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ کیا کچھ بچا ہوا پانی ہے کہ میں اس سے وضو کروں، میں نے کہا کہ نہیں مگر برتن میں نبیذ تمر ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھجور پاکیزہ اور پانی طہور ہے۔ پھر اس کو لے کر آپ ﷺ نے وضو کیا اور فجر کی نماز ادا کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نبیذ تمر کے سوا آب مطلق نہ ہو تو نبیذ تمر سے وضو کیا جائے اور تیمم کرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ اللہ کے پاک رسول ﷺ نے کیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ آیت تیمم فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا میں تطہیر کا حکم مٹی کی طرف آب مطلق نہ ہونے کی صورت میں منتقل کیا گیا ہے اور نبیذ تمر آب مطلق نہیں ہے لہٰذا یہ حدیث آیت تیمم کی وجہ سے مردود ہوگی کیونکہ آیت حدیث کے مقابلہ میں اقویٰ ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ حدیث لیلۃ الجن آیت تیمم سے منسوخ ہے کیونکہ آیت تیمم مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے اور لیلۃ الجن کا واقعہ مکہ میں رہتے ہوئے پیش آیا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ بعد والا حکم، حکم سابق کے واسطے ناسخ ہوتا ہے لہٰذا نبیذ تمر سے وضو کرنے کا حکم آیت تیمم سے منسوخ ہوگا۔

حضرت امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث لیلۃ الجن میں اضطراب ہے چنانچہ بعض احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ لیلۃ الجن میں موجود تھے اور بعض احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ابن مسعود اس رات میں اللہ کے رسول کے ساتھ موجود نہیں تھے نیز واقعہ لیلۃ الجن کی تاریخ میں جہالت ہے یعنی معلوم نہیں کہ یہ واقعہ کب پیش آیا لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ دونوں پر عمل کیا جائے یعنی نبیذ تمر سے وضو بھی کیا جائے اور تیمم بھی کرلیا جائے۔

امام ابو یوسفؒ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ لیلۃ الجن صرف ایک نہیں بلکہ متعدد تھیں۔ صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے تیسیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جنات دو دفعہ حضور ﷺ کے پاس آئے تو بہت ممکن ہے کہ دوسری بار مدینہ میں آیت تیمم کے بعد آئے ہوں۔

نیز صاحب فتح القدیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ظاہر احادیث میں جو اس بارے میں وارد ہوئیں چھ مرتبہ کا ذکر ہے ایک مرتبہ بقیع الغرقد میں یہ واقعہ پیش آیا اس بار ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور دو مرتبہ مکۃ المکرمہ میں اور چوتھی بار مدینہ سے باہر اس بار زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ پس جب لیلۃ الجن کا واقعہ متعدد بار پیش آیا تو ہوسکتا ہے کہ جس واقعہ میں نبیذ تمر سے وضو کرنے کا ذکر ہے وہ مدینہ منورہ میں آیت تیمم کے نازل ہونے کے بعد کا ہو لہٰذا ایسی صورت

میں آیت تیمم سے اس حدیث کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیسے درست ہو سکتا ہے۔

صاحب ہدایہ کی طرف سے دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث مشہور ہے اور صحابہؓ کی ایک جماعت کا اس پر عمل رہا ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: اَلْوُضُوْءُ بِنَبِیْذِ التَّمْرِ وُضُوْءُ مَنْ لَمْ یَجِدِ الْمَاءَ یعنی نبیذ تمر سے وضو وہ شخص کرے گا جس کو آب مطلق دستیاب نہ ہو۔ اور مختلف طریقوں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اِنَّہٗ کَانَ لَا یَرَیٰ بَأْسًا بِالْوُضُوْءِ بِنَبِیْذِ التَّمْرِ حَالَ عَدَمِ الْمَاءِ یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی نہ ہونے کی صورت میں نبیذ تمر سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

اور عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا اِنَّہٗ قَالَ تَوَضَّئُوْا بِنَبِیْذِ التَّمْرِ وَلَا تَوَضَّئُوْا بِاللَّبَنِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ نبیذ تمر سے وضو کرو اور دودھ سے وضو نہ کرو۔ بہر حال یہ حدیث مشہور بھی ہے اور کبار صحابہ کی معمول بہا بھی۔ اور کتاب اللہ پر حدیث مشہور کے ساتھ زیادتی کی جا سکتی ہے۔

رہی یہ بات کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نبیذ تمر سے غسل کرنا جائز ہے یا نا جائز ہے تو اس بارے میں علماء احناف کا اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات نے کہا کہ وضو پر قیاس کر کے امام صاحب کے نزدیک غسل کرنا بھی جائز ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ نبیذ تمر سے غسل کرنا جائز نہیں کیونکہ جنابت کا حدث وضو کے حدث سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے وضو پر غسل کا قیاس نہیں ہو سکتا۔

وَالنَّبِیْذُ الْمُخْتَلَفُ فِیْہِ اَنْ یَّکُوْنَ حُلْوًا رَقِیْقًا یَسِیْلُ عَلَی الْاَعْضَاءِ کَالْمَاءِ وَمَا اشْتَدَّ مِنْہَا صَارَ حَرَامًا
اور وہ نبیذ جس میں اختلاف ہوا یہ ہے کہ وہ میٹھا (اور) اتنا پتلا ہو کہ اعضاء پر پانی کی طرح بہتا ہو اور جو نبیذ ایسا ہو کہ گاڑھا ہو گیا ہو تو وہ حرام ہے
لَا یَجُوْزُ التَّوَضُّؤُ بِہٖ وَاِنْ غَیَّرَتْہُ النَّارُ فَمَا دَامَ حُلْوًا فَھُوَ عَلَی الْخِلَافِ وَاِنِ اشْتَدَّ فَعِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ
اس سے وضو جائز نہیں ہے اور اگر نبیذ کو آگ نے متغیر کیا تو جب تک شیریں ہے تو وہ مختلف فیہ ہے اور اگر گاڑھا ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک
یَجُوْزُ التَّوَضُّؤُ بِہٖ لِاَنَّہٗ یَحِلُّ شُرْبُہٗ عِنْدَہٗ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا یَتَوَضَّأُ بِہٖ لِحُرْمَۃِ
اس سے وضو کرنا جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس سے وضو نہ کرے کیونکہ انکے نزدیک
شُرْبِہٖ عِنْدَہٗ وَ لَا یَجُوْزُ التَّوَضُّؤُ بِمَا سِوَاہُ مِنَ الْاَنْبِذَۃِ جَرْیًا عَلٰی قَضِیَّۃِ الْقِیَاسِ
اس کا پینا حرام ہے اور اس (نبیذ تمر) کے علاوہ دوسری نبیذوں سے وضو کرنا جائز نہیں ہے مقتضی قیاس پر جاری کرتے ہوئے

نبیذ کی حقیقت جس میں امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے

تشریح:۔ اس عبارت میں جس نبیذ میں امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے اس کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ امام محمدؒ نے نوادر میں ذکر کیا کہ جس نبیذ سے وضو کے جواز اور عدم جواز میں ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ پانی میں کھجوریں

ڈال دی جائیں یہاں تک کہ پانی شیریں اور پتلا ہو کر اعضاء پر پانی کی طرح بہہ جائے۔ نہ گاڑھا ہو اور نہ نشہ آور۔

اور اگر وہ گاڑھی اور کڑوی ہو گئی تو اس سے بالاجماع وضو کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ نشہ آور اور حرام ہے اور اگر اس کو آگ سے پکا لیا گیا تو جب تک وہ شیریں اور رقیق ہے، اعضاء پر پانی کی طرح بہتی ہے تو وہ امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ اور اگر پکانے سے گاڑھی ہو گئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے وضو کرنا جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ اس کا پینا حرام ہے اس لئے اس سے وضو کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ نبیذ تمر کے علاوہ دوسری نبیذوں سے وضو کرنا جائز نہیں ہے مثلاً کشمش اور انجیر کی نبیذ۔

دلیل یہ ہے کہ نبیذ تمر سے وضو کرنا خلاف قیاس حدیث سے ثابت ہے لہٰذا دوسرے نبیذیں موجب قیاس پر باقی رہیں گی۔ یعنی ان سے وضو کرنا ناجائز ہوگا۔

فوائد:۔ امام قدوریؒ نے شرح قدوری میں علمائے احناف سے نقل کیا ہے کہ تیمم کی طرح نبیذ تمر سے وضو کیلئے بھی نیت شرط ہے۔ کیونکہ نبیذ تمر پانی کا بدل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آب مطلق ہوتے ہوئے نبیذ تمر سے وضو کرنا جائز نہیں ہے اور اگر نبیذ سے وضو کیا پھر آب مطلق دستیاب ہو گیا تو سابقہ وضو باطل ہو جائے گا جیسا کہ پانی میسر آنے کی صورت میں تیمم باطل ہو جاتا ہے۔ جمیل احمد عفی عنہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بَابُ التَّيَمُّم

(یہ) باب تیمم کے (بیان میں) ہے

تشریح:۔ چونکہ پانی سے طہارت حاصل کرنا اصل ہے اور مٹی سے طہارت حاصل کرنا اس کا خلیفہ ہے اور خلیفہ اصل کے بعد ہوتا ہے اس لئے مصنف ہدایہ نے باب تیمم کو وضو کے بعد ذکر کیا۔ اس ترتیب کی دوسری وجہ قرآن پاک کا اتباع ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کی آیت إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ الخ میں وضو غسل اور تیمم کو اسی ترتیب کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

تیمم کے لغوی معنی مطلقاً ارادہ کرنا، اور حج کے لغوی معنی کسی معظم اور بڑی چیز کا ارادہ کرنا ہے۔ اور اصطلاح شرع میں تیمم کے معنی ہیں طہارت حاصل کرنے کے لئے پاک مٹی کا ارادہ کرنا۔

حضرت شیخ الادبؒ نے حاشیہ شرح نقایہ میں علامہ ابن الہمام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تیمم کی شرعی تعریف، چہرے اور دونوں ہاتھوں کا پاک مٹی سے مسح کرنا ہے۔ اور تیمم کا ثبوت کتاب وسنت دونوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا اور حضور ﷺ سے روایت کی گئی ہے۔ اِنَّهٗ قَالَ جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا اَيْنَمَا اَدْرَكَتْنِيَ الصَّلٰوةُ تَيَمَّمْتُ وَصَلَّيْتُ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ زمین کو میرے لئے مسجد اور طہور بنا دیا گیا جہاں بھی

نماز کا وقت آیا تیمم کر کے نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اور دوسری حدیث ہے اَلتُّرَابُ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ وَلَوْاِلٰی عَشَرِ حِجَجٍ مَالَمْ یَجِدِ الْمَاءَ مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے اگر چہ دس سال گذر جائیں جب تک کہ پانی دستیاب نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قصہ جس میں آیت تیمم نازل ہوئی اس کی جگہ اور وقت میں اختلاف ہے۔ چنانچہ وقت کے بارے میں تین قول ہیں (۱) ۴ھ (۲) ۵ھ (۳) ۶ھ۔ اور جگہ کے بارے میں دو قول ہیں (۱) غزوہ مریسیع جس کو غزوہ بنی مصطلق بھی کہتے ہیں (۲) غزوہ ذات الرقاع۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہار گم ہونے کا قصہ متعدد احادیث میں مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے خادم آپ کی دلچسپی کیلئے ایک حدیث مع ترجمہ نقل کرتا ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِالْبَیْدَاءِ اَوْبِذَاتِ الْجَیْشِ اِنْقَطَعَ عِقْدٌ لِیْ فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَی الْتِمَاسِهٖ وَاَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ وَلَیْسُوْا عَلٰی مَاءٍ وَلَیْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَاَتَی النَّاسُ اِلٰی اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَقَالُوْا لَا تَرٰی مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ اَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَبِالنَّاسِ وَلَیْسُوْا عَلٰی مَاءٍ وَلَیْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَجَاءَ اَبُوْبَکْرٍ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاضِعٌ رَاْسَهٗ عَلٰی فَخِذِیْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسَ وَلَیْسُوْا عَلٰی مَاءٍ وَلَیْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا فَعَاتَبَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَقَالَ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ یَّقُوْلَ وَجَعَلَ یَطْعَنُنِیْ بِیَدِهٖ فِیْ خَاصِرَتِیْ وَلَا یَمْنَعُنِیْ مِنَ التَّحَرُّکِ اِلَّا مَکَانُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی فَخِذِیْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰی اَصْبَحَ عَلٰی غَیْرِ مَاءٍ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اٰیَةَ التَّیَمُّمِ فَقَالَ اُسَیْدُ بْنُ حُضَیْرٍ مَا هِیَ بِاَوَّلِ بَرَکَتِکُمْ یَا اٰلَ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ فَبَعَثْنَا الْبَعِیْرَ الَّذِیْ کُنْتُ عَلَیْهِ فَاِذَا الْعِقْدُ تَحْتَهٗ۔ (بخاری، ج ۲)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجۃ النبی ﷺ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر کو گئی جب ہم مقام بیداء یا مقام ذات الجیش میں پہنچے تو میرا ہار گم ہو گیا پس رسول اللہ ﷺ اسی جگہ ٹھہر گئے اور لوگ ہار ڈھونڈنے لگے، اور یہاں پانی نہیں تھا اور ان کے ساتھ بھی پانی موجود نہ تھا۔ کچھ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر کہنے لگے کہ یہ عجیب بات ہوئی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور دوسرے لوگوں کو رکنا پڑا ہے اور نہ وہ پانی پر ہیں اور نہ ہی ان کے پاس پانی ہے اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور کہنے لگے کہ اے عائشہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو اور تمام لوگوں کو ایسی جگہ روک دیا ہے کہ جہاں پانی بھی دستیاب نہیں ہے اور نہ ہی ان کے پاس پانی موجود ہے اور انہوں نے مجھے سخت سست کہا۔ میں اس لئے خاموش رہی کہ رسول

اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے حالانکہ انہوں نے میری کوکھ میں ٹوچ بھی لیا تھا، آخر صبح کو رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے مگر پانی موجود نہیں تھا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (یعنی آیت تیمم) نازل فرمائی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اس آیت کے نزول کا سبب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کی بزرگی اور کرامت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم نے اونٹ کو اٹھایا تو ہار اس کے نیچے سے برآمد ہوا اور مجھے مل گیا۔

وَمَنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَهُوَ مُسَافِرٌ أَوْ خَارِجَ الْمِصْرِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمِصْرِ مِيلٌ أَوْ أَكْثَرُ

اور جو شخص پانی نہ پائے درانحالیکہ وہ شخص مسافر ہو یا شہر سے اتنا باہر ہو کہ اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل یا زیادہ فاصلہ ہو

يَتَيَمَّمُ بِالصَّعِيدِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

تو (ایسے شخص کیلئے جائز ہے کہ) پاک مٹی سے تیمم کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پھر اگر تم پانی نہ پاؤ تو تم تیمم کرو پاک مٹی سے

وَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ التُّرَابُ طَهُورُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ إِلَى عَشْرِ حِجَجٍ مَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَالْمِيلُ هُوَ الْمُخْتَارُ فِي الْمِقْدَارِ

اور (اس لئے کہ) حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مٹی مسلمان کے واسطے طہور ہے اگرچہ دس سال تک ہو جب تک کہ پانی نہ پاوے۔ اور ایک میل مقدار کے حق میں مختار ہے

لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُ الْحَرَجُ بِدُخُولِ الْمِصْرِ وَالْمَاءُ مَعْدُومٌ حَقِيقَةً

کیونکہ اس کے شہر جانے میں حرج لاحق ہوگا اور پانی درحقیقت معدوم ہے

وَالْمُعْتَبَرُ الْمَسَافَةُ دُونَ خَوْفِ الْفَوْتِ لِأَنَّ التَّفْرِيطَ يَأْتِي مِنْ قِبَلِهِ

اور معتبر مسافت ہے نہ کہ (نماز کے) فوت ہونے کا خوف کیونکہ کوتاہی اسی کی جانب سے آئی ہے

مسافر پانی نہ پائے یا مسافر اور شہر کے درمیان میل یا زیادہ کی مسافت ہو تو تیمم کا حکم

تشریح۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اتنا پانی نہ ہو جو رفع حدث کے لئے کافی ہو درانحالیکہ وہ شخص مسافر ہے یا مسافر نہ ہو لیکن شہر سے باہر ہے اور اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے یا ایک میل سے زیادہ کا تو ایسے شخص کیلئے جائز ہے کہ وہ پاک مٹی سے تیمم کرے۔ اس کی دو دلیلیں ہیں۔ اول باری تعالیٰ کا قول فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا یعنی اگر پانی موجود نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ اور دوسری دلیل حضور ﷺ کا قول یعنی مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے اگرچہ دس سال تک ہو جب تک پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ سفر کر کے اپنے اہل کے یہاں جاتے اور ان کو حدث جنابت لاحق ہوتا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی پس آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ إِلَى

عَشْرِ سِنِیْنَ مَالَمْ یَجِدِ الْمَاءَ فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْیُمِسَّہُ بَشَرَہٗ ۔ یعنی پاکیزہ زمین مسلمان کا وضو ہے اگر چہ وہ دس سال تک پانی نہ پاوے پھر جب پانی پاوے تو اپنے ظاہری بدن پر پہنچا دے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ ایک میل دور ہونا یہی قول مقدار کے حق میں مختار ہے کیونکہ شہر سے ایک میل دور جانے کے بعد اس کو شہر واپس لوٹنے میں حرج لاحق ہوگا اور تیمم کا مشروع ہونا حرج دور کرنے کیلئے ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔

وَالْمَاءُ مَعْدُوْمٌ حَقِیْقَۃً ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ آیت مطلق ہے اس میں کوئی مسافت مقرر نہیں ہے اور آپ نے ایک میل کی قید لگائی پس یہ مطلق کتاب کو رائے سے مقید کرنا ہوا حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں یہ منصوص ہے کہ پانی حقیقۃً معدوم ہو تو تیمم جائز ہے لیکن ہمیں یقین کے ساتھ یہ بات معلوم ہے کہ اگر پانی معدوم ہو مگر بغیر حرج کے اس پر قادر ہے مثلاً دروازے پر آدمی کے پاس پانی نہ ہو اور گھر میں ہو تو اس سے تیمم جائز نہیں ہوگا حتی کہ سو پچاس قدم تنگ ہونے سے تیمم جائز نہیں ہوسکتا، بلکہ اس قدر دور ہو کہ وہاں جانے میں حرج لاحق ہو تو اس سے جواز تیمم ہے اور اب در حقیقت پانی معدوم ہے اور اس کا اندازہ مذہب مختار کی بناء پر ایک میل ہے۔

اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ تیمم اس وقت جائز ہوگا جب پانی دو میل کی دوری پر ہو اور فقیہ ابو بکر محمد بن فضلؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

امام کرخیؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو کہ پانی والوں کی آواز سن لیتا ہے تو وہ قریب شمار ہوگا اس کے واسطے تیمم جائز نہیں ہے اور اگر ان کی آواز نہیں سن سکتا تو وہ بعید ہے اکثر مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور حسن بن زیادؒ نے کہا کہ اگر پانی جانب سفر یعنی آگے کی جانب ہے تو دو میل کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر دائیں جانب یا بائیں جانب یا پیچھے کی جانب ہے تو ایک میل معتبر ہوگا، تا کہ آمد و رفت کی وجہ سے دو میل ہو جائیں (کفایہ)

حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ اگر نماز فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم جائز ہے اگر چہ پانی ایک میل سے کم دوری پر ہو۔

صاحب ہدایہ نے اس قول کو رد کیا اور کہا کہ اعتبار مسافت کا ہے نہ کہ نماز فوت ہونے کا خوف کیونکہ اس قدر وقت تنگ کرنے کی کوتاہی اسی کی جانب سے آئی ہے لہٰذا پانی قریب ہونے کی صورت میں تیمم کرنے میں معذور نہ ہوگا۔

فائدہ:۔ صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ ایک میل تین فرسخ کا ہوتا ہے اور ایک فرسخ بارہ ہزار قدم کا۔ اور ابن شجاع نے کہا کہ میل ساڑھے تین ہزار گز سے چار ہزار گز تک کا ہوتا ہے واللہ اعلم۔

وَلَوْ کَانَ یَجِدُ الْمَاءَ اِلَّا اَنَّہٗ مَرِیْضٌ فَخَافَ اِنِ اسْتَعْمَلَ الْمَاءَ اِشْتَدَّ مَرَضُہٗ یَتَیَمَّمُ
اور اگر اس نے پانی تو پایا لیکن وہ بیمار ہے پس اسے خوف ہوا کہ اگر وہ پانی استعمال کرے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو وہ تیمم کرلے

لِمَا تَلَوْنَا وَلِاَنَّ الضَّرَرَ فِیْ زِیَادَةِ الْمَرَضِ فَوْقَ الضَّرَرِ فِیْ زِیَادَةِ ثَمَنِ الْمَاءِ

اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی اور اس لئے کہ بیماری کی زیادتی کا ضرر پانی کی قیمت کی زیادتی کے ضرر سے بڑھ کر ہے

وَذٰلِکَ یُبِیْحُ التَّیَمُّمَ فَهٰذَا اَوْلٰی وَلَا فَرْقَ بَیْنَ اَنْ یَشْتَدَّ مَرَضُهٗ بِالتَّحَرُّکِ اَوْ بِالْاِسْتِعْمَالِ

اور وہ (قیمت کی زیادتی کا ضرر) تیمم کو مباح کرتا ہے پس یہ بدرجہ اولیٰ مباح کرے گا اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس کا مرض حرکت سے بڑھے یا پانی کے استعمال سے

وَاعْتَبَرَ الشَّافِعِیُّ خَوْفَ التَّلَفِ وَهُوَ مَرْدُوْدٌ بِظَاهِرِ النَّصِّ

اور امام شافعیؒ نے (عضو کے) تلف ہونے کے خوف کا اعتبار کیا ہے اور یہ (اعتبار) ظاہر النص سے مردود ہے

مریض کے لئے تیمم کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس پانی موجود ہو لیکن وہ بیمار ہے اور پانی کے استعمال سے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے یا شفاء پانے میں تاخیر کا امکان ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کو تیمم کرنا جائز ہے۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ۔ الآیہ ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار تو نہیں البتہ پانی قیمتاً دستیاب ہے۔ پس اگر پانی فروخت کرنے والا ثمن مثل سے زائد مانگتا ہے تو ایسی صورت میں زیادتی ثمن کے ضرر کو دور کرنے کیلئے اس کے واسطے تیمم مباح کیا گیا ہے۔ اور بیماری کی زیادتی کا ضرر ثمن کی زیادتی کے ضرر سے بڑھا ہوا ہے پس جب ادنیٰ ضرر دور کرنے کیلئے تیمم کی اجازت دی گئی تو اعلیٰ ضرر دور کرنے کیلئے بدرجہ اولیٰ اجازت ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مرض میں اضافہ بدن کی حرکت کی وجہ سے ہو یا پانی کے استعمال کی وجہ سے دونوں برابر ہے یعنی دونوں صورتوں میں تیمم مباح ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تیمم اس وقت مباح ہوگا جبکہ پانی کے استعمال سے جان یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا غالب گمان ہو لیکن امام شافعیؒ کا مذہب ظاہر نص وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى سے مردود ہے کیونکہ آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے ہر مریض کے واسطے اباحت تیمم پر دلالت کرتی ہے لہٰذا جان یا عضو تلف ہونے کی قید لگانا کتاب اللہ پر زیادتی کرنا ہے اور یہ جائز نہیں لیکن اگر یہ کہا جائے کہ احناف نے بھی اشتداد مرض کا اعتبار کیا ہے حالانکہ آیت میں یہ قید مذکور نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں اشتداد مرض ملحوظ ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ اللہ تعالیٰ تم پر حرج ڈالنا نہیں چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ حرج اسی وقت لاحق ہوگا جب کہ مرض بڑھنے کا خوف ہو۔

وَلَوْ خَافَ الْجُنُبُ اِنِ اغْتَسَلَ اَنْ یَّقْتُلَهُ الْبَرْدُ اَوْ یُمْرِضَهٗ یَتَیَمَّمُ بِالصَّعِیْدِ وَهٰذَا

اور اگر جنبی کو یہ خوف ہو کہ اگر غسل کرے گا تو ٹھنڈک اس کو مار ڈالے گی یا اس کو بیمار کر دے گی تو وہ پاک مٹی سے تیمم کرے اور یہ (حکم)

اِذَا کَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ لِمَا بَیَّنَّا وَلَوْ کَانَ فِی الْمِصْرِ فَکَذٰلِکَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ
اس وقت ہے کہ جب وہ شہر سے باہر ہو بوجہ اس دلیل کے جو ہم نے بیان کی اور اگر شہر میں ہو تو بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسی طرح (حکم) ہے
خِلَافًا لَّهُمَا هُمَا يَقُوْلَانِ اِنَّ تَحَقُّقَ هٰذِهِ الْحَالَةِ نَادِرٌ فِی الْمِصْرِ فَلَا يُعْتَبَرُ
بخلاف صاحبینؒ کے، صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ شہر میں اس حالت کا تحقق ہونا کمیاب ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا
وَلَهٗ اَنَّ الْعِجْزَ ثَابِتٌ حَقِيْقَةً فَلَا بُدَّ مِنْ اِعْتِبَارِهٖ
اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عجز حقیقۃً ثابت ہے لہٰذا اس کا اعتبار کرنا ضروری ہے

اندیشۂ ہلاکت کی صورت میں جنبی کیلئے تیمم کا حکم

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جنبی آدمی کو اگر یہ خوف ہو کہ غسل کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گا یا بیمار پڑ جائے گا تو اس کے واسطے تیمم کرنا جائز ہے صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر یہ واقعہ شہر کے باہر پیش آیا تو بالاتفاق تیمم کی اجازت ہے دلیل سابق میں گذر چکی کہ شہر میں واپس جانے میں حرج لاحق ہوگا۔ اور اگر جنبی کو شہر میں رہتے ہوئے یہ خوف لاحق ہو تو بھی حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک یہی حکم ہے یعنی اس کے واسطے تیمم جائز ہے اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ شہر میں اگر یہ خوف لاحق ہو تو تیمم جائز نہیں ہے۔
صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شہر میں ایسی حالت کا تحقق ہونا نادر ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہ ہوگا یعنی شہر میں گرم پانی اور سردی سے حفاظت ممکن ہے اس لئے ہلاک ہونے یا مرض لاحق ہونے کا اعتبار غیر معتبر ہے۔ چنانچہ اگر شہر میں تیمم کی اجازت دے دی جائے تو عوام تھوڑی سی سردی میں اس کو حیلہ کرلیں گے۔
اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایسے خائف جنبی کے حق میں غسل کرنے سے عاجزی درحقیقت ثابت ہے اس لئے اس کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔

وَالتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ يَمْسَحُ بِاِحْدٰهُمَا وَجْهَهٗ وَبِالْاُخْرٰى يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ
اور تیمم دو ضرب ہیں ایک ضرب سے اپنے چہرہ کا اور دوسری ضرب سے اپنے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرے
لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ
اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ تیمم دو ضرب ہیں ایک ضرب چہرے کیلئے اور ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے
وَيَنْفُضُ يَدَيْهِ بِقَدْرِ مَا يَتَنَاثَرُ التُّرَابُ كَيْلَا يَصِيْرَ مُثْلَةً
اور اپنے دونوں ہاتھ اس قدر جھاڑے کہ مٹی جھڑ جائے تا کہ مثلہ نہ ہو جائے

تیمم کا طریقہ

تشریح: اس عبارت میں تیمم کی کیفیت کا ذکر ہے چنانچہ فرمایا کہ تیمم دو ضرب ہیں ایک ضرب سے چہرے کا مسح کرے اور دوسری سے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرے۔ امام زہریؒ نے کہا کہ بغل تک مسح کرے اور یہی ایک روایت امام مالکؒ سے ہے۔ اور حسن بن زیادؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا کہ دونوں ہاتھوں کا گٹوں تک مسح کرے۔

اور ابن سیرینؒ کے نزدیک تین ضرب ہیں ایک ضرب چہرے کیلئے ایک دونوں ہتھیلیوں کے لئے اور ایک ذراعین کیلئے۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ ایک ضرب چہرے کیلئے ایک ذراعین کے لئے اور ایک دونوں کے واسطے ہے۔

مذہب مختار کی دلیل حضور ﷺ کا قول اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ ہے۔

صاحبؒ ہدایہ نے فرمایا کہ زمین پر دونوں ہاتھ مار کر اس قدر جھاڑے کہ ان کی مٹی جھڑ جائے تا کہ مثلہ (بدشکل) نہ ہو جائے یعنی جس طرح مثلہ بدشکل ہو جاتا ہے اسی طرح مٹی ملنے کی وجہ سے بدصورت نہ ہو جائے۔

اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ ضَرَبَ بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِيْهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ . یعنی حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا اور ان پر پھونک ماری پھر ان سے اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں کا مسح کیا۔

اور ابن عمر اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور ﷺ کا تیمم نقل کیا ہے فرمایا کہ اس کی کیفیت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان کو اس قدر جھاڑے کہ مٹی جھڑ جائے پھر ان سے اپنے چہرے کا مسح کرے پھر دوسری بار زمین پر مارے اور ان کو جھاڑے اور اپنے بائیں ہاتھ کی چار انگلیوں کے باطن سے اپنے دائیں ہاتھ کے ظاہر کا اس طرح مسح کرے کہ انگلیوں کے پوروں سے شروع کر کے کہنیوں پر تمام کرے پھر اپنے بائیں ہتھیلی کے باطن سے اپنے دائیں ہاتھ کے باطن کا گٹے تک مسح کرے اور اپنے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے باطن کو اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ظاہر پر پھیرے پھر اسی طرح بائیں ہاتھ کا مسح کرے۔

وَلَا بُدَّ مِنَ الْاِسْتِيْعَابِ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِقِيَامِهِ مَقَامَ الْوُضُوْءِ
اور ظاہر الروایہ کے مطابق استیعاب یعنی پورے عضو کا مسح کرنا ضروری ہے کیونکہ تیمم وضو کے قائم مقام ہے
وَلِهٰذَا قَالُوْا يُخَلِّلُ الْاَصَابِعَ وَيَنْزِعُ الْخَاتَمَ لِيَتِمَّ الْمَسْحُ
اور اسی لئے فقہاء نے کہا کہ انگلیوں میں خلال کرے اور انگوٹھی کو اتار دے تا کہ مسح پورا ہو جائے

تیمم میں استیعاب کا حکم

تشریح: تیمم میں استیعاب شرط ہے چنانچہ اگر بغیر مسح کے کچھ بھی رہ گیا تو تیمم نہیں ہوگا جیسا کہ وضو میں ہے یہ حکم

ظاہر الروایہ کے مطابق ہے۔ اور حسن بن زیادؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا کہ اکثر کل کے قائم مقام ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ ممسوحات میں استیعاب شرط نہیں ہے جیسے کہ موزے اور سر کے مسح میں استیعاب شرط نہیں ہے۔ اور ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے کہا کہ انگلیوں میں خلال کرے اور اگر انگوٹھی ہو تو اس کو نکال دے تاکہ مسح بھرپور ہو جائے۔

اور وضو میں استیعاب شرط ہے لہذا جو اس کے قائم مقام ہے یعنی تیمم اس میں بھی استیعاب شرط ہوگا چنانچہ تیمم اگر وضو کا خلیفہ نہ ہوتا تو مسح کندھوں تک واجب ہوتا اس لئے کہ اللہ تعالی نے آیت تیمم میں فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ بغیر غایت کے ذکر کیا ہے۔

وَالْحَدَثُ وَالْجَنَابَةُ فِيْهِ سَوَاءٌ وَكَذَا الْحَيْضُ وَالنِّفَاسُ لِمَارُوِيَ اَنَّ قَوْمًا جَاءُوْا اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ
اور حدث اور جنابت تیمم میں برابر ہیں اور اسی طرح حیض و نفاس ہیں کیونکہ روایت کی گئی کہ ایک قوم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی
وَقَالُوْا اِنَّا قَوْمٌ نَسْكُنُ هٰذِهِ الرِّمَالَ وَلَا نَجِدُ الْمَاءَ شَهْرًا اَوْ شَهْرَيْنِ وَفِيْنَا الْجُنُبُ
اور کہا کہ ہم ایسی قوم ہیں کہ اس ریگستان میں رہتے ہیں اور ایک یا دو ماہ تک پانی نہیں پاتے ہیں حالانکہ ہم میں جنبی
وَالْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ فَقَالَ عَلَيْكُمْ بِاَرْضِكُمْ
اور حیض اور نفاس والی عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر اپنی زمین لازم ہے

حدث، جنابت، حیض و نفاس میں تیمم ایک ہی ہے

تشریح:۔ امام قدوریؒ نے کہا کہ جواز تیمم، کیفیت تیمم اور آلہ تیمم میں حدث (بے وضو ہونا) اور جنابت دونوں برابر ہیں یعنی جس طرح حدث اصغر میں تیمم مشروع ہے اسی طرح حدث اکبر میں بھی مشروع ہے اور جو کیفیت حدث اصغر کے تیمم کی ہے وہی کیفیت حدث اکبر کے تیمم کی ہے اور یہی حکم حائضہ اور نفاس والی عورت کا ہے۔

اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ تیمم فقط حدث اصغر کے لئے مشروع کیا گیا ہے۔ جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت کے لئے تیمم مشروع نہیں ہے۔ یہی حضرت عمر، ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہم سے مروی ہے۔ منشا اختلاف آیت تیمم وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَاءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا میں اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ ہے یعنی ملامست نساء سے کیا مراد ہے۔ قول اول کے قائلین کہتے ہیں کہ اس سے مراد جماع ہے اور دوسرے قول والے کہتے ہیں کہ اس سے مراد مس بالید ہے۔ قول ثانی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے مُحْدِث کے لئے تیمم مشروع کیا ہے اس لئے جنبی کیلئے مباح نہیں ہوگا اور جنبی کو مُحْدِث پر قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مُحْدِث کیلئے تیمم کی مشروعیت خلاف قیاس ہے اور جنبی کو مُحْدِث کے ساتھ لاحق بھی نہیں کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ جنبی کا حدث مُحْدِث کے حدث سے بہت بڑھ کر ہے حالانکہ الحاق کے لئے برابری شرط ہے۔

اور قول اول والوں کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں ملامست سے مجازاً جماع کے معنی مراد ہیں اور قرینہ آیت کا سیاق ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں حدث اور جنابت دونوں کا حکم بیان کیا ہے۔ ارشاد یٰایُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ یہاں تک حدث اصغر کا حکم مذکور ہے پھر فرمایا وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا اس جملہ میں جنابت یعنی حدث اکبر کا بیان ہے۔ پھر پانی نہ ہونے کی صورت میں حکم مٹی کی طرف منتقل کیا گیا ہے۔ اور اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ میں حدث اصغر کا ذکر ہے پس مناسب یہ ہے کہ لٰمَسْتُمُ کو حدث اکبر (جنابت) پر محمول کیا جائے تاکہ آیت وضو کی طرح آیت تیمم میں بھی دو طہارتیں اور دو حدث مذکور ہو جائیں اور تاکہ تکرار لازم نہ آئے اس لئے کہ باری تعالیٰ کے قول اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ میں تیمم کے حق میں حدث اصغر مذکور ہے۔ پس اگر لٰمَسْتُمُ کو بھی اسی معنی پر محمول کیا گیا تو خواہ مخواہ آیت میں تکرار ہوگا۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف مُحْدِث کیلئے تیمم مشروع کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جنبی کیلئے بھی مشروع کیا ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہم اس ریگستان میں رہتے ہیں اور ایک دو ماہ تک پانی میسر نہیں ہوتا حالانکہ ہم میں جنبی بھی ہوتے ہیں اور حیض ونفاس والی عورتیں بھی یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: عَلَیْکُمْ بِالْاَرْضِ تم پر تمہاری زمین لازم ہے یعنی تم مٹی سے تیمم کرلیا کرو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدث اکبر کیلئے بھی تیمم مشروع ہے۔

اور عمران بن الحصینؓ کی سند کے ساتھ صحیح بخاری میں ہے اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ رَاٰی رَجُلًا مُعْتَزِلًا لَمْ یُصَلِّ فِی الْقَوْمِ فَقَالَ یَا فُلَانُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تُصَلِّیَ فِی الْقَوْمِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَصَابَتْنِیْ جَنَابَۃٌ وَلَا مَاءَ فَقَالَ ﷺ عَلَیْکَ بِالصَّعِیْدِ فَاِنَّہٗ یَکْفِیْکَ یعنی حضور ﷺ نے ایک آدمی کو الگ دیکھا کہ وہ لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے کہا کہ اے فلاں تجھ کو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا ہے۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے جنابت لاحق ہوگئی ہے اور پانی موجود نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تجھ پر مٹی لازم ہے اس لئے کہ وہ تجھ کو کافی ہے۔ یہ حدیث بھی بین دلیل ہے کہ جنبی کے واسطے تیمم جائز ہے۔

وَیَجُوْزُ التَّیَمُّمُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَمُحَمَّدٍ بِکُلِّ مَا کَانَ مِنْ جِنْسِ الْاَرْضِ کَالتُّرَابِ وَالرَّمْلِ وَالْحَجَرِ وَالْجِصِّ وَالنُّوْرَۃِ وَالْکُحْلِ
اور امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک تیمم ہر اس چیز کے ساتھ جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ
وَالزَّرْنِیْخِ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ لَا یَجُوْزُ اِلَّا بِالتُّرَابِ وَالرَّمْلِ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ لَا یَجُوْزُ اِلَّا بِالتُّرَابِ الْمُنْبِتِ
اور ہڑتال، اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ تیمم صرف مٹی اور ریت سے جائز ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ صرف اگانے والی مٹی سے جائز ہے
وَھُوَ رِوَایَۃٌ عَنْ اَبِیْ یُوْسُفَ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا اَیْ تُرَابًا مُنْبِتًا قَالَہُ ابْنُ عَبَّاسٍؓ
اور یہی ایک روایت ابو یوسفؒ سے ہے اس لئے کہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے کہ صعید طیب یعنی اگانے والی مٹی سے تیمم کرو۔ ابن عباسؓ نے بھی یہی فرمایا ہے

غَيْرَ اَنَّ اَبَا يُوْسُفَ زَادَ عَلَيْهِ الرَّمْلَ بِالْحَدِيْثِ الَّذِيْ رَوَيْنَاهُ وَلَهُمَا اَنَّ الصَّعِيْدَ اِسْمٌ لِوَجْهِ الْاَرْضِ
مگر ابو یوسفؒ نے اس پر ریت کو اس حدیث کی وجہ سے زیادہ کیا ہے جسے ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ صعید روئے زمین کا نام ہے،
سُمِّيَ بِهِ لِصُعُوْدِهِ وَالطَّيِّبُ يَحْتَمِلُ الطَّاهِرَ فَحُمِلَ عَلَيْهِ
اس کا نام صعید اس کے اونچے ہونے کی وجہ سے رکھا گیا اور طیب پاک کا احتمال رکھتا ہے لہٰذا اسی پر محمول کیا جائے گا
لِاَنَّهُ اَلْيَقُ بِمَوْضِعِ الطَّهَارَةِ اَوْ هُوَ مُرَادٌ بِالْاِجْمَاعِ
کیونکہ یہ معنی مقام طہارت کے زیادہ مناسب ہے یا (یہ کہ) یہ (معنی) بالاجماع مراد ہیں

کن اشیاء پر تیمم جائز ہے اور کن پر جائز نہیں، اقوال فقہاء

تشریح۔ یہاں سے مَایَجُوْزُ بِہِ التَّیَمُّمُ کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہو اس کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے اور زمین کی جنس ہونے کی شناخت یہ ہے کہ جو چیز جل کر راکھ ہو جائے جیسے درخت اور جو پگھل کر نرم اور ٹھپے کے قابل ہو جائے جیسے لوہا، تو یہ زمین کی جنس سے نہیں ہے اس کے علاوہ چیزیں زمین کی جنس سے ہیں جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ (چونہ) قلعی کا چونہ، سرمہ، ہڑتال پہاڑی نمک، یاقوت، زمرد، زبرجد، وغیرہ یہ مذہب طرفین کا ہے حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ صرف مٹی اور ریت سے تیمم کرنا جائز ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فقط اگانے والی مٹی سے جائز ہے اور یہی امام ابو یوسفؒ کا قول مرجوع الیہ ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول صَعِیْدًا طَیِّبًا ہے اس طرح پر کہ صعید کے معنی مٹی اور طیب کا معنی منبت (اگانے والی) کے ہیں۔ یہی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کی ہے پس یہ تفسیر اس بات کی مقتضی ہے کہ تیمم فقط مٹی سے جائز ہو لیکن امام ابو یوسفؒ نے اس پر ریت کا اضافہ کیا ہے اس حدیث سے جو سابق میں گذر چکی یعنی عَلَیْکُمْ بِالْاَرْضِ۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ صعید نام ہے روئے زمین یعنی زمین کے بالائی حصہ کا، اور چونکہ بالائی حصہ بلند اور اونچا ہے اس لئے اس کا نام صعید رکھا گیا ہے۔ حاصل یہ کہ ہر وہ چیز جو صعید ہو یعنی زمین کی جنس سے ہو اس کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے۔

صعید کے یہی معنی خلیل نحوی سے مروی ہیں۔ اور زمخشری نے زجاج سے روایت کرتے ہوئے کشاف میں فرمایا کہ صعید روئے زمین کا نام ہے۔ اور معانی القرآن میں زجاج نے کہا کہ میرے علم کے مطابق اس معنی میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور صحاح میں بھی یہی معنی بیان کئے گئے ہیں اور رہی یہ بات کہ طیب کے معنی منبت کے ہیں۔ سو ہم کہتے ہیں کہ طیب طاہر کے معنی کا احتمال بھی رکھتا ہے چنانچہ باری تعالیٰ کے قول حَلٰلًا طَیِّبًا میں طیب بمعنی پاک ہے پس یہاں طیب اسی معنی پر محمول ہوگا کیونکہ یہ مقام، مقام

طہارت ہے اور یہ معنی مقام طہارت کے زیادہ مناسب ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ لفظ طیب، طاہر اور منبت دونوں کے درمیان مشترک ہے اور طاہر بالاجماع مراد ہے اس وجہ سے منبت کا معنی مراد نہیں ہوں گے کیونکہ ہمارے نزدیک عموم مشترک جائز نہیں ہے۔

ثُمَّ لَا يُشْتَرَطُ اَنْ يَّكُوْنَ عَلَيْهِ غُبَارٌ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ لِاِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا
پھر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ شرط نہیں کہ اس زمین پر غبار ہو اس آیت کے مطلق ہونے کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی ہے
وَكَذَا يَجُوْزُ بِالْغُبَارِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الصَّعِيْدِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ لِاَنَّهُ تُرَابٌ رَقِيْقٌ
اور اسی طرح طرفین کے نزدیک تیمم غبار کے ساتھ جائز ہے باوجودیکہ وہ مٹی پر قادر ہو، اس لئے کہ غبار تراب رقیق ہے

مٹی پر غبار ہونا شرط ہے یا نہیں

تشریح: فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مٹی پر غبار کا ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک میں صَعِيْدًا طَيِّبًا مطلق ہے غبار ہونے اور نہ ہونے کی کوئی تفصیل نہیں ہے لہٰذا مطلق مٹی سے تیمم کرنا جائز ہوگا خواہ اس پر غبار ہو یا نہ ہو۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک غبار کا ہونا شرط ہے۔ اور یہی قول امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کا ہے اور اسی کا قائل امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔ ان حضرات کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ اَىْ مِنَ التُّرَابِ ہے یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو مٹی سے کچھ لے کر حاصل یہ کہ مِنْهُ میں مِن تبعیضیہ ہے اور اس پر عمل اسی وقت ممکن ہوگا جبکہ غبار ہو لیکن جواب اس کا یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مِنْهُ کی ضمیر حدث کی طرف راجع ہو اور تراب کی طرف راجع نہ ہو۔ اب ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو حدث سے یعنی حدیث کی وجہ سے اور یہ بھی احتمال ہے کہ مِن ابتدائیہ ہو یعنی تیمم کی ابتداء مٹی سے ہوگی۔

یہی حکم طرفین کے نزدیک اس وقت ہے جبکہ مٹی پر قدرت کے باوجود غبار سے تیمم کرے اس کی صورت یہ ہوگی کہ کسی شخص نے اپنے غبار آلود کپڑے جھاڑے اور گرد وغبار اس کے چہرے اور ہاتھوں کو لگ گیا، پھر اس نے تیمم کی نیت سے ہاتھ پھیرا تو اس کا تیمم ہوگیا کیونکہ غبار بھی رقیق مٹی ہے پس جس طرح کثیف مٹی سے تیمم جائز ہے اسی طرح رقیق مٹی سے بھی جائز ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ قدرت علی الصعید کی صورت میں غبار کے ساتھ تیمم کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اور دلیل یہ بیان کی کہ غبار خالص مٹی نہیں ہے بلکہ من وجہ مٹی ہے۔ اور مامور بہ تیمم بالصعید ہے اس وجہ سے قدرت علی الصعید کے ہوتے ہوئے اس سے عدول کرنا جائز نہیں ہے البتہ عجز عن الصعید کے وقت اس سے تیمم کرنا جائز ہے جیسا کہ عجز عن الرکوع والسجود کے وقت اشارے سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

وَالنِّيَّةُ فَرْضٌ فِى التَّيَمُّمِ وَقَالَ زُفَرُ لَيْسَ بِفَرْضٍ لِاَنَّهُ خَلَفٌ عَنِ الْوُضُوْءِ فَلَا يُخَالِفُهُ فِىْ وَصْفِهِ
اور تیمم میں نیت فرض ہے۔ اور امام زفرؒ نے کہا کہ نیت فرض نہیں ہے کیونکہ تیمم وضو کا خلیفہ ہے لہٰذا وصف صحت میں تیمم وضو کا مخالف نہیں ہوگا۔

وَلَنَا اَنَّهٗ يُنْبِئُ عَنِ الْقَصْدِ فَلَا يَتَحَقَّقُ دُوْنَهٗ اَوْجُعِلَ طَهُوْرًا فِيْ حَالَةٍ مَخْصُوْصَةٍ
اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تیمم قصد کی خبر دیتا ہے پس تیمم بغیر قصد کے متحقق نہیں ہوگا، یا (ہماری دلیل یہ ہے کہ) مٹی کو حالت مخصوصہ میں طہور قرار دیا گیا ہے
وَالْمَاءُ طَهُوْرٌ بِنَفْسِهٖ عَلٰی مَا مَرَّ
اور پانی بنفسہ طہور ہے جیسا کہ گذرا

تیمم میں نیت فرض ہے

تشریح: ہمارے نزدیک تیمم کے لئے نیت فرض ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک فرض نہیں ہے۔ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے تیمم وضو کا خلیفہ ہے اور خلیفہ وصف صحت میں اصل کے مخالف نہیں ہوتا، پس جب وضو بغیر نیت کے درست ہے تو تیمم بھی بغیر نیت کے درست ہوگا اس لئے کہ اگر تیمم بغیر نیت درست نہ ہو تو خلیفہ کا اصل کے مخالف ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تیمم کے معنی لغت میں قصد اور ارادے کے آتے ہیں اور قصد نام ہے نیت کا، اور قاعدہ ہے کہ اسمائے شرعیہ میں معانی لغویہ کا اعتبار کیا جاتا ہے، اس لئے ہم نے کہا کہ تیمم میں نیت کرنا ضروری ہے۔ اور تیمم میں نیت کی تفسیر یہ ہے کہ طہارت کی نیت کرے یا حدث دور کرنے کی یا جنابت دور کرنے کی یا اباحت صلوٰۃ طلب کرنے کی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مٹی دو شرطوں کے ساتھ طہور ہے (۱) پانی نہ ہونے کے وقت (۲) یہ کہ تیمم نماز کے واسطے ہو کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا فَتَيَمَّمُوْا اور یہ قول مبنی ہے باری تعالیٰ کے قول اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ پر اور اس سے مراد فَاغْسِلُوْا لِلصَّلٰوةِ ہے لہٰذا یہاں بھی فَتَيَمَّمُوْا لِلصَّلٰوةِ مراد ہوگا پس جس طرح وجود آب کے وقت تیمم مفید طہارت نہیں اسی طرح عدم نیت کی صورت میں بھی مفید طہارت نہیں ہوگا۔

وَالْمَاءُ طَهُوْرٌ سے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیت میں پانی بھی مخصوص حالت (حالت صلوٰۃ) میں طہور قرار دیا گیا ہے لہٰذا وضو میں نیت کرنا شرط ہونا چاہیے۔

جواب یہ ہے کہ پانی بنفسہ طہور ہے یعنی اپنی طبیعت کے اعتبار سے عامل ہے اس لئے نیت کا محتاج نہیں ہوگا جیسا کہ نجاست عینیہ کو دور کرنے کے واسطے نیت شرط نہیں ہے۔

ثُمَّ اِذَا نَوَى الطَّهَارَةَ اَوِ اسْتِبَاحَةَ الصَّلٰوةِ اَجْزَاهُ وَلَا يُشْتَرَطُ نِيَّةُ التَّيَمُّمِ لِلْحَدَثِ
پھر جب (تیمم کرنے والا) طہارت کی یا استباحت صلوٰۃ کی نیت کرے تو کافی ہوگا اور حدث یا جنابت کے واسطے تیمم کی نیت کرنا
اَوْ لِلْجَنَابَةِ هُوَ الصَّحِيْحُ مِنَ الْمَذْهَبِ
شرط نہیں ہے یہی صحیح مذہب ہے

تیمم میں طہارت یا اباحۃ صلوٰۃ کی نیت بھی کافی ہے

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے طہارت حاصل کرنے کی نیت کی یا اباحت صلوٰۃ طلب کرنے کی نیت کی تو یہ کافی ہوگا اور حدث یا جنابت دور کرنے کی نیت کرنا تیمم کے لئے شرط نہیں ہے یہی صحیح مذہب ہے۔

اور امام ابوبکر رازیؒ نے کہا کہ حدث یا جنابت دور کرنے کی نیت کرنا تیمم کے واسطے شرط ہے کیونکہ ان دونوں کے واسطے ایک ہی صفت کے ساتھ تیمم کیا جاتا ہے لہٰذا دونوں میں سے ایک بغیر نیت کے ممتاز نہیں ہوگا جیسے فرض نماز کو نفل نماز سے ممتاز کرنے کیلئے نیت کی جاتی ہے اور مذہب صحیح کی دلیل یہ ہے کہ تیمم ایک طہارت ہے لہٰذا اس کے اسباب کی نیت کرنا لازم نہیں ہوگا جیسے وضو میں ہے۔

فَإِنْ تَيَمَّمَ نَصْرَانِيٌّ يُرِيْدُ بِهِ الْإِسْلَامَ ثُمَّ أَسْلَمَ لَمْ يَكُنْ مُتَيَمِّمًا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ
پس اگر نصرانی اسلام لانے کے ارادے سے تیمم کرے پھر اسلام لائے تو طرفین کے نزدیک وہ متیمم نہیں ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ نے کہا
هُوَ مُتَيَمِّمٌ لِأَنَّهُ نَوىٰ قُرْبَةً مَقْصُوْدَةً بِخِلَافِ التَّيَمُّمِ لِدُخُوْلِ الْمَسْجِدِ وَمَسِّ الْمُصْحَفِ
کہ وہ متیمم ہے کیونکہ اس نے قربت مقصودہ کی نیت کی ہے بخلاف اس تیمم کے جو دخول مسجد اور قرآن چھونے کی نیت سے ہو
لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقُرْبَةٍ مَقْصُوْدَةٍ وَلَهُمَا أَنَّ التُّرَابَ مَا جُعِلَ طَهُوْرًا إِلَّا فِيْ حَالِ إِرَادَةِ قُرْبَةٍ مَقْصُوْدَةٍ
اس لئے کہ وہ قربت مقصودہ نہیں ہے۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ مٹی کو طہور نہیں بنایا گیا مگر ایسی قربت مقصودہ کے ارادے کے وقت
لَا تَصِحُّ بِدُوْنِ الطَّهَارَةِ وَالْإِسْلَامُ قُرْبَةٌ مَقْصُوْدَةٌ يَصِحُّ بِدُوْنِهَا بِخِلَافِ سَجْدَةِ التِّلَاوَةِ
جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہوتی ہو۔ اور اسلام ایسی قربت مقصودہ ہے جو بغیر طہارت کے صحیح ہو جاتی ہے بخلاف سجدۂ تلاوت کے
لِأَنَّهَا قُرْبَةٌ مَقْصُوْدَةٌ لَا تَصِحُّ بِدُوْنِ الطَّهَارَةِ
کیونکہ سجدۂ تلاوت ایسی قربت مقصودہ ہے جو بغیر طہارت کے صحیح نہیں ہوتی

نصرانی نے تیمم کیا پھر اسلام لایا یہ تیمم کافی ہے یا نہیں؟ اقوال فقہاء

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ نصرانی نے اسلام لانے کے ارادے سے تیمم کیا پھر مسلمان ہو گیا تو طرفین کے نزدیک اس کا یہ تیمم معتبر نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ معتبر ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے قربت مقصودہ کی نیت کی ہے کیونکہ اسلام سب سے بڑی قربت ہے۔ اور مقصود اس لئے ہے کہ کسی دوسرے کے ضمن میں نہیں۔ اور قربت مقصودہ کی نیت سے جو تیمم کیا جاتا ہے وہ شرعاً معتبر ہوتا ہے لہٰذا اسلام لانے کے ارادے سے جو تیمم کیا گیا ہے وہ معتبر ہے۔ اگر اسلام لانے کے بعد اس سے نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر مسلمان نے مسجد میں داخل ہونے کے ارادے سے یا کلام پاک چھونے کے

ارادے سے تیمم کیا ہو تو یہ شرعاً معتبر نہیں چنانچہ اس تیمم سے اگر نماز پڑھنا چاہے تو نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ مسجد میں داخل ہونا یا قرآن پاک چھونا قربت مقصودہ نہیں ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ مٹی بذاتہ مطہر نہیں ہے بلکہ اس وقت مطہر ہے جبکہ ایسی قربت مقصودہ کا ارادہ کیا گیا ہو جو بغیر طہارت کے صحیح نہیں ہوتی، اور اسلام ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ بغیر طہارت کے صحیح ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف سجدۂ تلاوت ہے کیونکہ سجدۂ تلاوت ایسی قربت مقصودہ ہے جو بغیر طہارت کے صحیح نہیں ہوتا ہے لہٰذا سجدۂ تلاوہ کے ارادے سے اگر تیمم کیا گیا تو اس سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

صاحب نہایہ نے صاحب ہدایہ کی پیش کردہ طرفین کی دلیل پر نقض وارد کیا ہے۔ نقض کا حاصل یہ ہے کہ اگر کافر نے نماز ادا کرنے کے لئے تیمم کیا اور پھر مسلمان ہو گیا تو اس تیمم سے نماز پڑھنا جائز ہونا چاہئے کیونکہ نماز ایسی عبادت مقصودہ ہے جو بغیر طہارت صحیح نہیں ہوتی، حالانکہ اس تیمم سے اس کا نماز پڑھنا جائز نہیں ہے لہٰذا طرفین کا یہ کہنا کہ مٹی اس حال میں طہور قرار دی گئی ہے جبکہ اس سے ایسی عبادت مقصودہ کا ارادہ کیا گیا ہو جو بغیر طہارت صحیح نہیں ہوتی، غلط ہے، زیادہ بہتر دلیل یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ کافر نیت کا اہل نہیں ہے کیونکہ نیت کرنا عبادت ہے اور تیمم بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتا اس لئے کافر کا تیمم صحیح نہیں ہے۔

وَإِنْ تَوَضَّأَ لَا يُرِيْدُ بِهِ الْإِسْلَامَ ثُمَّ أَسْلَمَ فَهُوَ مُتَوَضِّئٌ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ بِنَاءً عَلَى اشْتِرَاطِ النِّيَّةِ
اور اگر وہ (کافر) وضو کرے حالانکہ وہ اسلام کا ارادہ نہیں کرتا پھر مسلمان ہو جائے تو وہ باوضو ہے۔ بخلاف امام شافعیؒ کے (اور اس اختلاف کی) بنیاد اشتراط نیت پر ہے

نصرانی نے وضو کیا پھر مسلمان ہو گیا باوضو شمار ہو گا یا نہیں؟ اقوال فقہاء

تشریح:۔ اگر نصرانی نے وضو کیا حالانکہ اس سے اس کا ارادہ اسلام لانے کا نہیں ہے پھر مسلمان ہو گیا تو ہمارے نزدیک یہ شخص باوضو ہے اگر اس سے نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک وضو میں نیت شرط نہیں ہے لہٰذا اس کا اہل نہ ہونا معتبر نہیں ہو گا اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا وضو معتبر نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک وضو میں نیت شرط ہے اور نصرانی نیت کا اہل نہیں ہے اور لفظ بناء سے امام شافعیؒ کی دلیل بیان کی گئی ہے البتہ ہماری دلیل بھی اسی سے مفہوم ہے۔

فَإِنْ تَيَمَّمَ مُسْلِمٌ ثُمَّ ارْتَدَّ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ثُمَّ أَسْلَمَ فَهُوَ عَلٰى تَيَمُّمِهٖ وَقَالَ زُفَرُؒ يَبْطُلُ تَيَمُّمُهٗ
پس اگر مسلمان تیمم کرے پھر العیاذ باللہ وہ مرتد ہو جائے پھر وہ مسلمان ہو جائے تو وہ اپنے تیمم پر باقی ہے۔ اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ اس کا تیمم باطل ہو جائے گا
لِأَنَّ الْكُفْرَ يُنَافِيْهِ فَيَسْتَوِيْ فِيْهِ الْاِبْتِدَاءُ وَالْاِنْتِهَاءُ كَالْمَحْرَمِيَّةِ فِي النِّكَاحِ وَلَنَا
کیونکہ کفر تیمم کے منافی ہے پس اس میں ابتداء اور انتہاء برابر ہو گی، (یہ) نکاح میں محرمیت کی طرح ہے اور ہماری دلیل یہ ہے
أَنَّ الْبَاقِيَ بَعْدَ التَّيَمُّمِ صِفَةُ كَوْنِهٖ طَاهِرًا فَاعْتِرَاضُ الْكُفْرِ عَلَيْهِ لَا يُنَافِيْهِ كَمَا لَوِ اعْتَرَضَ عَلَى الْوُضُوْءِ
کہ تیمم کے بعد باقی رہ جانے والی چیز اس کے پاک ہونے کی صفت ہے تو اس پر کفر کا طاری ہونا اس کے منافی نہیں ہے جیسا کہ اگر کفر وضو پر طاری ہو گیا (تو وضو باقی رہتا ہے)

وَاِنَّمَا لَا يَصِحُّ مِنَ الْكَافِرِ اِبْتِدَاءً لِعَدَمِ النِّيَّةِ مِنْهُ

اور کافر سے ابتداءً اس لئے صحیح نہیں کہ اس سے نیت نہیں ہو سکتی ہے

مسلمان نے تیمم کیا پھر العیاذ باللہ مرتد ہو گیا پہلا تیمم برقرار رہے گا یا نہیں؟ اقوال فقہاء

تشریح:۔ مسئلہ ایک شخص نے بحالت اسلام تیمم کیا پھر وہ مرتد ہو گیا پھر اسلام میں داخل ہو گیا تو یہ شخص اپنے تیمم پر باقی ہے کفر اختیار کرنے کی وجہ سے اس کا تیمم باطل نہیں ہوا۔ اور حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ اس کا تیمم باطل ہو گیا امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ کفر تیمم کے منافی ہے لہٰذا اس میں ابتداء اور انتہاء دونوں برابر ہوں گی یعنی جس طرح ابتداءً کفر تیمم کا منافی ہے اسی طرح انتہاءً اور بقاءً بھی منافی ہے لہٰذا جب ابتداءً کافر کا تیمم معتبر نہیں ہے تو بقاءً بھی کافر کا تیمم معتبر نہیں ہوگا۔

اور یہ ایسا ہے جیسے نکاح میں محرمیت یعنی اگر عورت و مرد میں پہلے سے حرمت ابدیہ ہو تو ان کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر نکاح کے بعد حرمت پیدا ہو گئی تو یہ نکاح باقی نہ رہے گا مثلاً دودھ پیتے دو بچوں کا نکاح ان کے باپ نے بحیثیت ولی کیا، پھر کسی عورت نے ان دونوں کو اپنا دودھ پلایا تو یہ نکاح باطل ہو گیا کیونکہ بقاءً محرمیت پائی گئی اگرچہ ابتداءً محرمیت نہیں تھی یا مثلاً زوجین بالغ تھے پھر بیوی نے اپنے شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر قدرت دی تو ان کا نکاح باطل ہو گیا کیونکہ بقاءً محرمیت پائی گئی ہے۔

امام زفرؒ کے مذہب پر ایک سوال کیا جا سکتا ہے وہ یہ کفر تیمم کے منافی اس لئے ہے کہ وہ عبادت ہے اور عبادت بغیر نیت متحقق نہیں ہوتی ہے۔ حالانکہ امام زفرؒ کے نزدیک تیمم کے حق میں نیت شرط نہیں ہے پس کفر کا تیمم پر طاری ہونا ایسا ہے جیسے کفر کا وضو پر طاری ہونا لہٰذا جس طرح کفر پیش آجانے کی وجہ سے وضو باطل نہیں ہوتا اسی طرح تیمم بھی باطل نہ ہونا چاہیے......... جواب یہ ہے کہ مذہب مختار کی بناء پر امام زفرؒ کے نزدیک تیمم کے لئے نیت شرط ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کفر اور تیمم کے درمیان منافات اس لئے ہے کہ کافر میں اہلیت معدوم ہے کیونکہ تیمم کی مشروعیت نماز کیلئے ہے اور کافر نماز کا اہل نہیں لہٰذا کافر کا تیمم باطل ہوگا نیت کرے یا نہ کرے اور اس میں ابتداء اور بقاء دونوں برابر ہیں۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تیمم کر لینے کے بعد فی نفسہٖ تیمم باقی نہیں رہا بلکہ وہ طہارت باقی ہے جو تیمم سے حاصل ہوئی تھی اور کفر کا طہارت پر طاری ہونا اس کے منافی نہیں جیسا کہ وضو کرنے کے بعد اگر یہ شخص کافر ہو گیا تو اس کا وضو باقی رہتا ہے۔ رہی یہ بات کہ ابتداءً کافر کا تیمم کیوں معتبر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کافر نیت کا اہل نہیں اور تیمم کیلئے نیت شرط ہے اس لئے کافر کا ابتداءً تیمم کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے لیکن اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مرتد ہونا اعمال کو اکارت اور باطل کرتا ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول ہے: لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ اور وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ اور وضو اور تیمم بھی منجملہ اعمال ہیں لہٰذا مرتد ہونے سے ان کو بھی اکارت ہو جانا چاہیے تھا۔ جواب: مرتد ہونا اعمال کا ثواب باطل کرتا ہے نہ کہ نفس اعمال جیسے ایک شخص نے ریاکاری کے طور پر وضو کیا تو اس سے حدث زائل ہو جاتا ہے اگرچہ اس وضو پر ثواب مرتب نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم (عنایہ) جمیل۔

وَيَنْقُضُ التَّيَمُّمَ كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ لِاَنَّهُ خَلَفٌ عَنْهُ فَاَخَذَ حُكْمَهُ
اور تیمم کو ہر وہ چیز توڑ دیتی ہے جو وضو کو توڑتی ہے کیونکہ یہ وضو کا خلیفہ ہے پس اس نے تیمم کا حکم لے لیا

نواقضِ تیمم

تشریح:۔ شیخ قدوریؒ نے کہا کہ جو چیز ناقض وضو ہے وہ ناقض تیمم بھی ہے دلیل یہ ہے کہ تیمم وضو کا خلیفہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ اصل بہ نسبت خلیفہ کے اقویٰ ہوتا ہے پس جو چیز اقویٰ کے واسطے ناقض ہوگی وہ اضعف کیلئے بدرجہ اولیٰ ناقض ہوگی لہٰذا ہر وہ چیز جو ناقض وضو ہے ناقض تیمم ضرور ہوگی۔

وَيَنْقُضُهُ اَيْضًا رُؤْيَةُ الْمَاءِ اِذَا قَدَرَ عَلٰى اِسْتِعْمَالِهٖ لِاَنَّ الْقُدْرَةَ هِيَ الْمُرَادُ بِالْوُجُوْدِ الَّذِيْ هُوَ غَايَةٌ لِطَهُوْرِيَّةِ التُّرَابِ
اور پانی کا دیکھنا بھی تیمم کو توڑ دیتا ہے بشرطیکہ وہ پانی کے استعمال پر قادر ہو کیونکہ اس وجود سے قدرت ہی مراد ہے جو طہوریت تراب کی غایت ہے
وَخَائِفُ السَّبُعِ وَالْعَدُوِّ وَالْعَطَشِ عَاجِزٌ حُكْمًا وَالنَّائِمُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَؒ قَادِرٌ تَقْدِيْرًا حَتّٰى لَوْ مَرَّ
اور درندے، دشمن اور پیاس سے ڈرنے والا حکماً عاجز ہے۔ اور سونے والا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حکماً قادر ہے حتیٰ کہ اگر سویا ہوا متیمم
النَّائِمُ الْمُتَيَمِّمُ عَلَى الْمَاءِ بَطَلَ تَيَمُّمُهُ عِنْدَهُ وَالْمُرَادُ مَا يَكْفِيْ لِلْوُضُوْءِ
پانی کے پاس سے گذرا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کا تیمم باطل ہو گیا اور پانی سے مراد اتنی مقدار ہے جو وضو کیلئے کافی ہو
لِاَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِمَا دُوْنَهُ اِبْتِدَاءً فَكَذَا اِنْتِهَاءً
اس لئے کہ اس سے کم ابتداءً معتبر نہیں پس اسی طرح انتہاءً بھی معتبر نہیں ہوگا

پانی کو دیکھنے والا جب قادر علی الماء ہو، ناقض وضو ہے

تشریح:۔ صاحب قدوری نے فرمایا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے وضو تو نہیں ٹوٹتا البتہ تیمم ٹوٹ جاتا ہے چنانچہ متیمم نے اگر پانی دیکھا اور وہ اس کے استعمال پر قادر بھی ہے تو یہ پانی اس کے تیمم کے لئے ناقض ہوگا۔ اور استعمال پر قدرت کی شرط اس لئے لگائی کہ آیت اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً اور حدیث اَلتُّرَابُ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ اِلٰى عَشْرِ حِجَجٍ مَالَمْ يَجِدِ الْمَاءَ میں وجود ماء سے مراد قدرت علی استعمال الماء ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ اگر پانی موجود ہو مگر درندے کا خوف ہے یعنی یہ خوف ہے کہ اگر پانی پر گیا تو درندہ ہلاک کر دے گا یا دشمن کا خوف ہے کہ اگر پانی پر گیا تو دشمن اس کو ہلاک کر دے گا یا اس کے مال کو ہلاک کر دے گا اور یا یہ کہ پانی اس قدر کم ہے کہ اگر اس نے وضو کر لیا تو پیاسا رہ جائیگا تو ان تمام صورتوں میں اس شخص کو پانی کے استعمال سے عاجز قرار دیا جائے گا اور اس کے واسطے تیمم کرنا جائز ہوگا۔

مصنف ہدایہؒ نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سویا ہوا آدمی پانی پر قادر شمار ہوگا۔ چنانچہ اگر متیمم سوتا ہوا پانی سے گذر گیا تو اس کا تیمم باطل ہوگا کیونکہ یہ شخص پانی کے استعمال سے ایسے عذر کی وجہ سے عاجز ہوا جو خود اس کی جانب سے پیدا ہوا ہے یعنی نیند اس لئے اس کو معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ جس پانی کو دیکھنے سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے اس سے پانی کی اتنی مقدار مراد ہے جو وضو کیلئے کافی ہو کیونکہ جب ابتداءً اس سے کم مقدار پانی کا اعتبار نہیں کیا گیا تو ایسے ہی انتہاءً اور بقاءً بھی اس سے کم مقدار معتبر نہیں ہوگی۔

وَلَا يَتَيَمَّمُ إِلَّا بِصَعِيْدٍ طَاهِرٍ لِأَنَّ الطَّيِّبَ أُرِيْدَ بِهِ الطَّاهِرُ وَلِأَنَّهُ آلَةُ التَّطْهِيْرِ
اور نہ تیمم کرے مگر پاک مٹی سے کیونکہ طیب سے طاہر ہی مراد ہے اور اس لئے کہ صعید پاک کرنے کا آلہ ہے
فَلَا بُدَّ مِنْ طَهَارَتِهِ فِيْ نَفْسِهِ كَالْمَاءِ.
لہٰذا پانی کی طرح خود اس کا پاک ہونا ضروری ہے۔

تیمم پاک مٹی سے جائز ہے

تشریح:۔ مسئلہ تیمم صرف پاک مٹی سے جائز ہے کیونکہ آیت فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا میں طیب سے مراد بالاجماع طاہر ہے اس لئے جس سے تیمم کرے گا اس کا پاک ہونا ضروری ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مٹی پاک کرنے کا آلہ ہے اس لئے اس کا خود بھی پاک ہونا ضروری ہے جیسے پانی کا پاک ہونا ضروری ہے۔

وَيُسْتَحَبُّ لِعَادِمِ الْمَاءِ وَهُوَ يَرْجُوْهُ أَنْ يُّؤَخِّرَ الصَّلٰوةَ إِلٰى اٰخِرِ الْوَقْتِ فَإِنْ وَجَدَ الْمَاءَ
اور پانی نہ پانے والے کے لئے مستحب ہے درآنحالیکہ وہ پانی کی اُمید رکھتا ہے یہ کہ نماز کو آخر وقت تک مؤخر کر دے، پس اگر وہ پانی پالے
يَتَوَضَّأُ وَإِلَّا تَيَمَّمَ وَصَلّٰى لِيَقَعَ الْأَدَاءُ بِأَكْمَلِ الطَّهَارَتَيْنِ فَصَارَ كَالطَّامِعِ فِي الْجَمَاعَةِ
تو وضو کرلے ورنہ تیمم کرکے نماز پڑھ لے تاکہ ادا دونوں طہارتوں میں سے اکمل طہارت کے ساتھ واقع ہو پس ایسا ہوگیا جیسے جماعت کا طمع کرنے والا (کہ اس کیلئے بھی تاخیر مستحب ہے)
وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ فِيْ غَيْرِ رِوَايَةِ الْأُصُوْلِ أَنَّ التَّاخِيْرَ حَتْمٌ لِأَنَّ غَالِبَ الرَّأْيِ كَالْمُتَحَقِّقِ
اور شیخین سے اُصول کی کتابوں کے علاوہ میں مروی ہے کہ مؤخر کرنا لازم ہے کیونکہ غالب الرائے متحقق کی طرح ہے
وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْعِجْزَ ثَابِتٌ حَقِيْقَةً فَلَا يَزُوْلُ حُكْمُهُ إِلَّا بِيَقِيْنٍ مِثْلِهِ
اور ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ عجز حقیقۃً ثابت ہے لہٰذا اس کا حکم زائل نہیں ہوگا مگر اسی جیسے یقین کے ساتھ

پانی ملنے کی اُمید ہو تو نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے

تشریح:۔ مسئلہ اگر پانی موجود نہ ہو اور یہ اُمید ہو کہ نماز کے آخر وقت تک پانی دستیاب ہو جائے گا تو اس صورت میں نماز

کو آخر وقت تک موخر کرنا مستحب ہے اور اگر یہ اُمید نہ ہو تو خواہ مخواہ نماز موخر نہ کرے۔ پس اگر اس کو پانی مل گیا تو وضو کر کے نماز ادا کرے اور اگر نہیں ملا تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ اور پانی ملنے کی اُمید کی صورت میں نماز کو موخر کرنا اس لئے مستحب ہے تا کہ وہ طہارتوں میں سے اکمل طہارت یعنی وضو کے ساتھ نماز ادا کی جاسکے۔ پس یہ ایسا ہے جیسے جماعت کی طمع کرنے والا انتظار کرتا ہے اور انتظار کرنا مستحب ہے اور روایت اصول کے علاوہ میں شیخینؒ سے مروی ہے کہ پانی ملنے کی اُمید پر نماز کا موخر کرنا لازم ہے کیونکہ ظن غالب تحقق کے مانند ہوتا ہے لہٰذا جس طرح وجود آب کی صورت میں تیمم جائز نہیں اسی طرح اگر پانی ملنے کا غالب گمان ہو تو بھی تیمم نہ کرے بلکہ نماز کو آخر وقت تک موخر کر دے۔ اگر وقت کے اندر اندر پانی مل گیا تو فبہا ورنہ تیمم کر کے نماز ادا کرے۔

اور ظاہر الروایۃ کی دلیل یہ ہے کہ پانی چونکہ موجود نہیں اس لئے حقیقۃً عجز ثابت ہے اور اس عجز کا حکم جواز تیمم ہے پس اس عجز کا حکم یعنی جواز تیمم اسی وقت زائل ہوگا جبکہ پانی موجود ہونے کا یقین ہو اور چونکہ پانی موجود ہونے کا یقین پایا نہیں گیا اس لئے نماز کو موخر کرنا بھی واجب نہیں ہوگا۔

وَيُصَلِّي بِتَيَمُّمِهِ مَاشَاءَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَتَيَمَّمُ لِكُلِّ فَرْضٍ لِاَنَّهُ
اور اپنے تیمم سے فرائض و نوافل میں سے جو نماز چاہے پڑھے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر فرض نماز کے لئے تیمم کرے کیونکہ تیمم
طَهَارَةٌ ضَرُوْرِيَّةٌ وَلَنَا اَنَّهُ طَهُوْرٌ حَالَ عَدَمِ الْمَاءِ فَيَعْمَلُ عَمَلَهُ مَا بَقِيَ شَرْطُهُ
طہارت ضروریہ ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مٹی پانی کے نہ ہونے کے وقت طہور ہے پس وہ اپنا کام کرتی رہے گی جب تک اس کی شرط باقی ہے

تیمم سے فرائض اور نوافل پڑھنے کا حکم

تشریح: مسئلہ ہمارے نزدیک ایک تیمم سے متعدد نمازیں ادا کر سکتا ہے خواہ وہ نمازیں فرض ہوں یا نفل ہوں ایک وقت میں ادا کرے یا متعدد اوقات میں، تاوقتیکہ ناقض تیمم نہ پایا جائے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک تیمم سے ایک فرض نماز ادا کر سکتا ہے اور دوسرا فرض ادا کرنے کے لئے دوبارہ تیمم کرنا ضروری ہوگا البتہ ایک تیمم سے نوافل متعدد ادا کئے جاسکتے ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت ضروریہ ہے کیونکہ مٹی فی نفسہ ملوث ہے نہ کہ مطہر لیکن تیمم کے ساتھ ضرورت کی وجہ سے نماز مباح کی گئی ہے پس جب ایک فرض ادا کیا تو ضرورت پوری ہوگئی۔ اور اب یہ ضرورت اس وقت لوٹے گی جب کہ دوسرا وقت آجائے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مٹی کا بشرط عدم ماء طہور ہونا نص سے ثابت ہے چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے اَلتُّرَابُ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ اور فرمایا جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا اور جو چیز کسی شرط کے ساتھ طہور ہو تو وہ اپنا عمل کرتی رہے گی جب تک شرط باقی رہے پس جب تک عدم وجدان ماء کی شرط پائی جائے گی مٹی طہور رہے گی۔

وَيَتَيَمَّمُ الصَّحِيْحُ فِي الْمِصْرِ اِذَا حَضَرَتْ جَنَازَةٌ وَالْوَلِيُّ غَيْرُهُ فَخَافَ اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ
اور تندرست آدمی شہر میں تیمم کرے جب کہ جنازہ حاضر ہو جائے اور ولی اس کے علاوہ ہو، پس اسے خوف ہو کہ اگر وہ وضو میں مشغول ہوا

اَنْ تَفُوْتَهُ الصَّلٰوةُ لِاَنَّهَا لَا تُقْضٰى فَيَتَحَقَّقُ الْعِجْزُ وَ كَذَا مَنْ حَضَرَ الْعِيْدَ
تو اس سے نماز فوت ہو جائیگی کیونکہ نماز جنازہ قضا نہیں کی جاتی پس عجز متحقق ہو جائیگا۔ اور اسی طرح جو شخص عید کی نماز کیلئے حاضر ہو
فَخَافَ اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ اَنْ يَفُوْتَهُ الْعِيْدُ يَتَيَمَّمُ لِاَنَّهَا لَا تُعَادُ
اور اسے خوف ہو کہ اگر وضو میں مشغول ہوا تو عید کی نماز فوت ہو جائیگی تو یہ شخص تیمم کرے کیونکہ عید کی نماز نہیں لوٹائی جاتی
وَقَوْلُهُ وَالْوَلِيُّ غَيْرُهُ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّهُ لَا يَجُوْزُ لِلْوَلِيِّ وَهُوَ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ هُوَ الصَّحِيْحُ
اور اس کے قول وَالْوَلِيُّ غَيْرُهُ سے اس طرح اشارہ ہے کہ یہ (تیمم) ولی کے لئے جائز نہیں ہے اور یہ امام ابو حنیفہؒ سے حسن کی روایت ہے یہی صحیح ہے
لِاَنَّ لِلْوَلِيِّ حَقَّ الْاِعَادَةِ فَلَا فَوَاتَ فِيْ حَقِّهٖ
کیونکہ ولی کیلئے اعادہ کا حق ہے پس اس کے حق میں فوت ہونا نہیں (پایا گیا)

نماز جنازہ اور نماز عید کے لئے تیمم کا حکم

تشریح مسئلہ۔ ایک تندرست آدمی شہر میں تیمم کر سکتا ہے اگر جنازہ حاضر ہوا اور ولی اس کے سوا دوسرا آدمی ہے۔ پس اس کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر وضو کرنے میں لگ گیا تو نماز جنازہ فوت ہو جائے گی اور اسی طرح نماز عید پڑھنے کیلئے آیا اور یہ خوف کیا کہ اگر وضو کے ساتھ مشغول ہوا تو عید کی نماز فوت ہو جائے گی تو یہ شخص تیمم کر کے نماز میں شریک ہو جائے۔

صاحب عنایہ نے فرمایا کہ ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ نماز جو لَا اِلٰى بَدَلٍ فوت ہوتی ہو تو پانی موجود ہونے کے باوجود تیمم کے ساتھ اس کا ادا کرنا جائز ہے اور ہمارے نزدیک نماز جنازہ ایسی ہی ہے کیونکہ اس کی قضا نہیں کی جاتی۔ اور اسی طرح عید کی نماز کی قضا نہیں ہے۔

مصنفؒ نے صحیح کی قید لگا کر مریض سے احتراز کیا ہے کیونکہ مریض کے لئے تیمم جائز ہے شہر میں ہو یا غیر شہر میں، ولی ہو یا غیر ولی ہو، فوت کا خوف ہو یا فوت کا خوف نہ ہو۔ اور مصر کی قید سے جنگل سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ جنگل میں تیمم جائز ہے۔ ولی ہو یا غیر ولی اس لئے کہ جنگل میں پانی بالعموم دستیاب نہیں ہوتا۔

اور قدوریؒ نے یہ جو کہا کہ ولی اس کے علاوہ ہو تو اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ولی کے واسطے نماز جنازہ کیلئے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہی امام ابو حنیفہؒ سے حسن بن زیادؒ نے روایت کیا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ ولی کو یہ حق حاصل ہے کہ نماز جنازہ کا اعادہ کرے لہٰذا اس کے حق میں فوت ہونے کا خوف نہیں ہے۔

اور ظاہر الروایہ میں ہے کہ ولی کیلئے بھی تیمم جائز ہے کیونکہ جنازہ میں انتظار مکروہ ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ قَالَ اِذَا فَجَأَتْكَ جَنَازَةٌ وَاَنْتَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ فَتَيَمَّمْ وَصَلِّ عَلَيْهَا فرمایا کہ اگر اچانک جنازہ آجائے اور تو بے وضو ہو تو تیمم کر اور نماز جنازہ پڑھ لے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ولی اور غیر ولی کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ ایسی حالت میں مطلقاً تیمم جائز ہے ولی ہو یا غیر ولی ہو۔

وَاِنْ اَحْدَثَ الْاِمَامُ اَوِ الْمُقْتَدِیُ فِیْ صَلٰوۃِ الْعِیْدِ تَیَمَّمَ وَ بَنٰی عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَؒ وَقَالَا
اور اگر نماز عید میں امام یا مقتدی کو حدث ہو جائے تو وہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تیمم کر کے بنا کرے۔ اور صاحبینؒ نے کہا
لَا یَتَیَمَّمُ لِاَنَّ اللَّاحِقَ یُصَلِّیْ بَعْدَ فَرَاغِ الْاِمَامِ فَلَا یَخَافُ الْفَوْتَ
کہ تیمم نہ کرے اس لئے کہ لاحق امام کے فارغ ہونے کے بعد بھی نماز پوری کر سکتا ہے لہٰذا فوت ہونے کا خوف نہ ہوا
وَلَهٗ اَنَّ الْخَوْفَ بَاقٍ لِاَنَّهٗ یَوْمُ زَحْمَةٍ فَیَعْتَرِیْهِ عَارِضٌ یُفْسِدُ عَلَیْهِ صَلَاتَهٗ
اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ خوف باقی ہے اس لئے کہ یہ دن ازدحام (یعنی بھیڑ) کا ہے شاید کوئی امر ایسا عارض ہو کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے
وَالْخِلَافُ فِیْمَا اِذَا شَرَعَ بِالْوُضُوْءِ وَلَوْ شَرَعَ بِالتَّیَمُّمِ تَیَمَّمَ وَ بَنٰی
اور اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ اس نے نماز وضو کے ساتھ شروع کی ہو، اور اگر تیمم کے ساتھ شروع کی تھی تو بالاتفاق تیمم کر کے بنا کرے
بِالْاِتِّفَاقِ لِاَنَّا لَوْ اَوْجَبْنَا الْوُضُوْءَ یَکُوْنُ وَاجِدًا لِلْمَاءِ فِیْ صَلَاتِهٖ فَیَفْسُدُ
اسلئے کہ اگر ہم نے وضو واجب کیا تو وہ اپنی نماز میں پانی پانے والا ہو گا پس نماز فاسد ہو جائے گی

امام اور مقتدی کو عید کی نماز میں حدث لاحق ہو جائے تو تیمم کا حکم

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ عید کی نماز میں اگر امام یا مقتدی کو حدث ہو گیا اور اس نے نماز وضو کے ساتھ شروع کی ہے تو اسکی صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تیمم کر کے بناء کرے۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ تیمم نہیں کرے گا بلکہ وضو کر کے اپنی نماز پوری کرے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص لاحق ہے اور لاحق اپنی نماز امام کے فارغ ہونے کے بعد بھی پوری کر سکتا ہے لہٰذا اس کے حق میں نماز فوت ہونے کا احتمال باقی نہیں رہا۔ اور جس شخص کو نماز لا الی بدل فوت ہونے کا خوف نہ ہو اس کو پانی کے موجود رہتے ہوئے تیمم کی اجازت نہیں ہے۔

اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ فوت ہونے کا خوف اب بھی باقی ہے کیونکہ عید کا دن ازدحام کا دن ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ کوئی مفسد صلوٰۃ عارض پیش آ جائے مثلاً کوئی شخص اس کو سلام کرے اور یہ جواب دیدے۔ یا کوئی اس کو مبارکباد پیش کرے اور یہ اس کو قبول کرلے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور عید کی نماز کی قضاء بھی نہیں ہے کیونکہ عید کی نماز جماعت کے ساتھ مشروع کی گئی ہے لہٰذا فوت ہونے کا خوف باقی رہا۔

صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان یہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ نماز وضو کے ساتھ شروع کی گئی ہو اور اگر تیمم کے ساتھ شروع کی تھی تو اب بالاتفاق تیمم کر کے بنا کرے کیونکہ اگر ہم اس پر وضو واجب کرتے ہیں تو اس نے نماز

میں پانی پایا پس نماز ہی فاسد ہو جائے گی۔

وَلَا يَتَيَمَّمُ لِلْجُمُعَةِ وَإِنْ خَافَ الْفَوْتَ لَوْ تَوَضَّأَ فَإِنْ أَدْرَكَ الْجُمُعَةَ
اور جمعہ کی نماز کیلئے تیمم نہ کرے اور اگر جمعہ فوت ہونے کا خوف ہوا گر وضو میں مشغول ہوگا پس اگر (وضو کر کے) وہ جمعہ پالے
صَلَّاهَا وَإِلَّا صَلَّى الظُّهْرَ أَرْبَعًا لِأَنَّهَا تَفُوتُ إِلَى خَلَفٍ وَهُوَ الظُّهْرُ بِخِلَافِ الْعِيدِ
تو اس کو پڑھ لے ورنہ ظہر کی چار رکعتیں پڑھ لے کیونکہ جمعہ اپنا خلیفہ چھوڑ کر فوت ہوتا ہے اور وہ ظہر ہے بخلاف نماز عید کے

جمعہ کیلئے تیمم کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر وضو کے ساتھ مشغول ہونے میں جمعہ کی نماز فوت ہونے کا خوف ہو تو بھی جمعہ کے لئے تیمم کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس پر وضو کرنا ضروری ہے۔ پس اگر اس نے وضو کر کے جمعہ پالیا تو الحمد للہ، جمعہ کی نماز ادا کرے اور اگر جمعہ نہیں ملا تو ظہر ادا کرے۔ دلیل یہ ہے کہ جمعہ اگرچہ فوت ہو گیا لیکن اس کا خلیفہ یعنی ظہر موجود ہے اس لئے پانی کے رہتے ہوئے محض فوت ہونے کے خوف سے تیمم کے ساتھ اس کا ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

اس کے برخلاف عید کی نماز ہے کہ اگر اس کے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم کر کے ادا کرلے کیونکہ عید کی نماز لا الی خلف فوت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ عید کی نماز کی قضا نہیں ہوتی۔

فوائد:۔ صاحب ہدایہؒ نے ظہر کو جمعہ کا خلیفہ کیا ہے۔ حالانکہ شیخینؒ کے نزدیک وقت کا فرض ظہر ہے اور جمعہ اس کا خلیفہ ہے۔ جواب:۔ صاحب ہدایہ نے اس طرف اشارہ کیا کہ امام محمدؒ کا مذہب مختار ہے اور ان کے نزدیک جمعہ کے دن جمعہ اصل ہے اور ظہر اس کا خلیفہ ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز صورۃً خلیفہ ہے اس لئے کہ جب جمعہ فوت ہو جاتا ہے تو ظہر پڑھی جاتی ہے نہ کہ برعکس اس وجہ سے صاحب ہدایہ نے ظہر کو جمعہ کا خلیفہ کہا ہے۔ واللہ اعلم (عنایہ)

وَكَذَا إِذَا خَافَ فَوْتَ الْوَقْتِ لَوْ تَوَضَّأَ لَمْ يَتَيَمَّمْ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْضِي مَا فَاتَهُ
اور اسی طرح اگر وقتی نماز فوت ہونے کا خوف کرے اگر وضو میں مشغول ہو تو تیمم نہ کرے (بلکہ) وضو کرے اور فوت شدہ نماز کی قضاء کرے
لِأَنَّ الْفَوَاتَ إِلَى خَلَفٍ وَهُوَ الْقَضَاءُ
کیونکہ (یہ) فوات الی خلف ہے اور وہ قضاء ہے

وقتی نماز کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم کرنے کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ اگر وضو میں مشغول ہونے کی وجہ سے وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو بھی تیمم نہ کرے بلکہ وضو کرے اور فوت شدہ نماز کی قضاء کریگا۔ کیونکہ وقتیہ کا فوت ہونا فوت الی خلف ہے۔ اور سابق میں گذر چکا کہ اگر فوت الی خلف کا خوف ہو تو

تیمم کے ساتھ اس کا ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرات نے اس عبارت پر تکرار کا اعتراض کیا ہے یعنی یہ حکم اول باب میں ان الفاظ کے ساتھ بیان ہو چکا والمعتبر المسافة دون خوف الفوت اس کا جواب یہ ہے کہ اول باب میں صاحب ہدایہ کا قول ہے اور یہاں قدوری کا قول ہے لہٰذا اب کوئی تکرار نہیں رہا۔

وَالْمُسَافِرُ اِذَا نَسِیَ الْمَاءَ فِیْ رَحْلِهٖ فَتَیَمَّمَ وَصَلّٰی ثُمَّ ذَکَرَ الْمَاءَ لَمْ یُعِدْهَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَمُحَمَّدٍ
اور جب مسافر اپنے کجاوے میں پانی بھول جائے پھر وہ تیمم کر کے نماز پڑھے پھر اسے پانی یاد آئے تو طرفین کے نزدیک نماز کا اعادہ نہ کرے
وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ یُعِیْدُهَا وَالْخِلَافُ فِیْمَا اِذَا وَضَعَهٗ بِنَفْسِهٖ اَوْ وَضَعَهٗ غَیْرُهٗ بِاَمْرِهٖ
اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ نماز کا اعادہ کرے اور اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ اس نے خود پانی رکھا ہو یا اس کے حکم سے دوسرے نے پانی رکھا ہو
وَذِکْرُهٗ فِی الْوَقْتِ وَبَعْدَهٗ سَوَاءٌ لَهٗ اَنَّهٗ وَاجِدٌ لِلْمَاءِ
اور اس کا وقت میں اور وقت کے بعد یاد کرنا برابر ہے۔ ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص پانی پانے والا ہے
فَصَارَ کَمَا اِذَا کَانَ فِیْ رَحْلِهٖ ثَوْبٌ فَنَسِیَهٗ وَلِاَنَّ رَحْلَ الْمُسَافِرِ مَعْدِنٌ لِلْمَاءِ عَادَةً فَیَفْتَرِضُ الطَّلَبُ
پس ایسا ہو گیا جیسے اس کے کجاوے میں کپڑا ہو پھر وہ اس کو بھول گیا ہو اور اس لئے کہ مسافر کا کجاوہ عادۃً پانی کا معدن ہوتا ہے پس طلب کرنا فرض ہوگا
وَلَهُمَا اَنَّهٗ لَا قُدْرَةَ بِدُوْنِ الْعِلْمِ وَهِیَ الْمُرَادُ بِالْوُجُوْدِ وَمَاءُ الرَّحْلِ مَعْدٌّ لِلشُّرْبِ
اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بغیر علم کے قدرت حاصل نہیں ہوتی ہے اور وجود سے قدرت ہی مراد ہے اور کجاوہ کا پانی پینے کے لئے رکھا جاتا ہے
لَا لِلْاِسْتِعْمَالِ وَمَسْأَلَةُ الثَّوْبِ عَلَی الْاِخْتِلَافِ وَلَوْ کَانَ عَلَی الْاِتِّفَاقِ فَفَرْضُ السَّتْرِ یَفُوْتُ لَا اِلٰی خَلَفٍ
نہ کہ استعمال کیلئے اور کپڑے کا مسئلہ (خود) مختلف فیہ ہے اور اگر متفق علیہ ہو تو ستر کا فرض لا الی خلف فوت ہوگا
وَالطَّهَارَةُ بِالْمَاءِ تَفُوْتُ اِلٰی خَلَفٍ وَهُوَ التَّیَمُّمُ
اور پانی سے طہارت حاصل کرنا الی خلف فوت ہوگا اور وہ تیمم ہے

مسافر کجاوے میں پانی بھول کر تیمم سے نماز پڑھ لے پھر پانی یاد آ جائے تو نماز کا اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ اقوال فقہاء

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسافر نے تیمم کے ساتھ نماز پڑھی حالانکہ اس کے کجاوے میں پانی موجود تھا اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس کی پانی کا علم تھا بایں طور کہ اس نے بذات خود پانی رکھا تھا یا دوسرے نے اس کے حکم سے رکھا تھا اور یا اس کو پانی کا علم نہیں تھا بایں طور کہ دوسرے نے بغیر اس کے حکم کے رکھ دیا تھا۔ پس اگر ثانی ہے تو بالاتفاق اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے

کیونکہ انسان دوسرے کے فعل کی وجہ سے کسی حکم کا مخاطب نہیں ہوتا۔ اور اگر پہلی صورت ہے اور یہ گمان کرکے کہ میرے کجاوے میں پانی نہیں، تیمم کرے نماز پڑھ لی حالانکہ اس کے کجاوے میں پانی تھا تو اس صورت میں بالاجماع تیمم جائز نہیں ہوا اور اس پر وضو کرکے نماز کا اعادہ واجب ہوگا، کیونکہ اس صورت میں کوتاہی اسی کی طرف سے آئی ہے۔

اور اگر یہ شخص پانی کجاوے میں رکھ کر بھول گیا اور تیمم کے ساتھ نماز پڑھی پھر یاد آیا تو طرفین کے نزدیک اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس پر اعادہ واجب ہے پانی خواہ وقت میں یاد آیا ہو یا وقت کے بعد یہی قول امام شافعیؒ کا ہے امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مسافر شخص پانی کا پانے والا ہے اور تیمم مشروع کیا گیا ہے اس شخص کیلئے جس کے پاس پانی نہ ہو اس لئے اس کا تیمم جائز نہیں ہوگا۔ اور یہ ایسا ہے جیسے کسی کے کجاوہ میں پاک کپڑا موجود ہو لیکن بھول گیا اور نماز برہنہ ہو کر ادا کی یا ناپاک کپڑے میں تو پاک کپڑا یاد آنے کے بعد اس شخص پر نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مسافر کا کجاوہ عادۃً پانی کا معدن ہوتا ہے یعنی عام طور سے کجاوہ میں پانی رکھا جاتا ہے اس لئے اس پر کجاوہ میں پانی تلاش کرنا واجب تھا پس جب اس نے تلاش نہیں کیا تو معذور نہ ہوگا اور اس پر اعادہ واجب ہوگا۔

اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ پانی پر قادر ہونا بغیر علم نہیں ہوسکتا، اور پانی کے حاصل ہونے سے یہی مراد ہے کہ پانی پر اس کو قدرت ہو پس جب اس کو معلوم ہی نہیں تو قدرت نہ ہوئی اور جب قدرت نہ ہوئی تو اس کو پانی حاصل نہیں ہوا۔ اور پانی حاصل نہ ہونے کی صورت میں تیمم جائز اور نماز صحیح ہوگی۔

اور رہا یہ کہنا کہ مسافر کا کجاوہ پانی کا معدن ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کجاوہ میں بالعموم پینے کا پانی رکھا جاتا ہے نہ کہ وضو اور غسل کے واسطے۔

وَمَسْئَلَۃُ الثَّوْبِ سے امام ابو یوسفؒ کے قیاس کا جواب ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ کپڑے کا مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے یعنی طرفین کے نزدیک جب پاک کپڑا بھول گیا تو نماز ننگے یا ناپاک کپڑے میں صحیح ہوگئی۔ پاک کپڑا یاد آنے پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ کپڑے کا مسئلہ متفق علیہ ہے تب بھی پانی کے مسئلہ کو کپڑے کے مسئلہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان فرق ہے۔ فرق یہ ہے کہ بدن کا چھپانا فرض ہے پس اگر یہ فرض ستر فوت ہوجائے تو اس کا کوئی خلیفہ نہیں ہوتا۔ اور اگر پانی کے ساتھ طہارت حاصل ہونا فوت ہوجائے تو اس کا خلیفہ یعنی تیمم موجود ہے۔

وَلَيْسَ عَلَى الْمُتَيَمِّمِ طَلَبُ الْمَاءِ إِذَا لَمْ يَغْلِبْ عَلٰى ظَنِّهٖ أَنَّ بِقُرْبِهٖ مَاءً لِأَنَّ الْغَالِبَ عَدَمُ الْمَاءِ

اور متیمم پر پانی تلاش کرنا واجب نہیں جبکہ اس کے گمان پر غالب نہ ہو کہ اس کے قریب پانی ہے کیونکہ میدانوں میں غالب

فِي الْفَلَوَاتِ وَلَا دَلِيْلَ عَلَى الْوُجُوْدِ فَلَمْ يَكُنْ وَاجِدًا وَإِنْ غَلَبَ عَلٰى ظَنِّهٖ أَنَّ هُنَاكَ مَاءً لَمْ يَجُزْ لَهٗ

پانی کا نہ ہونا ہے اور ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے تو وہ پانی کا پانے والا نہ ہوا اور اگر اس کے گمان پر غالب ہو کہ وہاں پانی ہے تو اس کیلئے تیمم کرنا

اَنْ یَّتَیَمَّمَ حَتّٰی یَطْلُبَہٗ لِاَنَّہٗ وَاجِدٌ لِلْمَاءِ نَظَرًا اِلَی الدَّلِیْلِ ثُمَّ یَطْلُبُ
جائز نہیں ہے یہاں تک کہ پانی کو تلاش کرے کیونکہ وہ دلیل کی طرف نظر کرتے ہوئے پانی کا پانے والا ہے پھر
مِقْدَارَ الْغَلْوَۃِ وَلَا یَبْلُغُ مِیْلًا کَیْلَا یَنْقَطِعَ عَنْ رُفْقَتِہٖ
ایک غلوۃ کی مقدار تلاش کرے اور ایک میل تک نہ پہنچے تاکہ اپنے ساتھیوں سے منقطع نہ ہو جائے

تیمم کرنے والے کیلئے پانی کی جستجو ضروری ہے یا نہیں
خواہ قریب میں ملنے کی اُمید ظن غالب ہو یا نہ ہو

تشریح:۔ ہمارے نزدیک تیمم کا ارادہ کرنے والے پر پانی کی جستجو واجب نہیں بشرطیکہ اس کو پانی قریب ہونے کا ظن غالب نہ ہو، اور امام شافعیؒ کے نزدیک دائیں اور بائیں طرف پانی تلاش کرنا شرط ہے کیونکہ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا میں تیمم کا حکم عدم وجدان کے وقت ہے اور عدمِ وجدان طلب کے بعد ہی متحقق ہوگا اس لئے تیمم کرنے سے پہلے پانی تلاش کرنا ضروری ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت میں عدم وجدان مطلق ہے طلب یا غیر طلب کی قید سے مُعرّیٰ ہے اس وجہ سے اَلْمُطْلَقُ یَجْرِیْ عَلٰی اِطْلَاقِہٖ کے قاعدے پر عمل کرتے ہوئے آیت کو طلب وغیرہ کی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا جائیگا۔ اور چونکہ عام طور سے میدانوں میں پانی وغیرہ نہیں ہوتا اور پانی ہونے پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے اس لئے یہی کہا جائے گا کہ یہ شخص پانی پانے والا نہیں ہے اور اس صورت میں تیمم کرنا جائز ہوتا ہے اس لئے بغیر پانی طلب کئے تیمم کرنا جائز قرار دیا گیا۔

اور امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ عدم وجود بغیر طلب نہیں ہوتا صحیح نہیں ہے یعنی وجود کے لئے طلب ضروری ہے یہ صحیح نہیں ہے بلکہ بغیر طلب بھی وجود متحقق ہو سکتا ہے جیسے حضور ﷺ نے فرمایا مَنْ وَجَدَ لُقَطَۃً فَلْیُعَرِّفْهَا جس شخص نے لقطہ پایا اس کو اس کی تشہیر کرنا چاہیے۔ حدیث میں اس شخص کو واجد (پانے والا) کہا گیا ہے اگرچہ اس کی طرف سے طلب نہیں پائی گئی ہے اور اگر ظن غالب یہ ہو کہ یہاں پانی موجود ہے تو اس کو تیمم کرنا جائز نہیں تاوقتیکہ وہ پانی طلب نہ کرے کیونکہ وہ دلیل پر نظر کرتے ہوئے پانی کا پانے والا ہے اور دلیل غلبہ ظن ہے اور عبادات میں ظن غالب علم کے قائم مقام ہوتا ہے پس اگر بالیقین قریب میں پانی کا ہونا معلوم ہوتا تو تیمم کرنا جائز نہ ہوتا اسی طرح جب قریب میں ہونے کا ظن غالب ہو تو بھی تیمم جائز نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ یہ شخص کتنی دور تک پانی تلاش کرے سو اس بارے میں صاحب ہدایہؒ کی تحقیق یہ ہے کہ ایک غلوۃ کی مقدار تلاش کرے اور ایک میل تک نہ جائے ورنہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جائیگا۔

فائدہ:۔ غلوۃ (لام کے فتحہ کے ساتھ) یہ ہے کہ تیر انداز اپنی کمان سے تیر پھینکے پس تیر چلانے کی جگہ اور اس کے گرنے

کی جگہ کے درمیان کا فاصلہ غلوہ ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ تین سو گز سے چار سو گز تک کا فاصلہ غلوہ ہے۔ جمیل۔

وَاِنْ كَانَ مَعَ رَفِيْقِهٖ مَاءٌ طَلَبَ مِنْهُ قَبْلَ اَنْ يَّتَيَمَّمَ لِعَدَمِ الْمَنْعِ غَالِبًا
اور اگر اس کے رفیق (سفر) کے پاس پانی ہو تو تیمم کرنے سے پہلے اس سے مانگ لے کیونکہ عام طور سے پانی سے انکار نہیں کیا جاتا
فَاِنْ مَنَعَهٗ مِنْهُ يَتَيَمَّمُ لِتَحَقُّقِ الْعِجْزِ وَلَوْ تَيَمَّمَ قَبْلَ الطَّلَبِ اَجْزَاهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ
پس اگر اس کو پانی سے روک دے تو عجز کے متحقق ہونے کی وجہ سے تیمم کرلے۔ اور اگر طلب کرنے سے پہلے تیمم کیا تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک (تیمم) اسے کافی ہوگا
لِاَنَّهٗ لَا يَلْزَمُهُ الطَّلَبُ مِنْ مِلْكِ الْغَيْرِ وَقَالَا لَا يُجْزِئُهٗ لِاَنَّ الْمَاءَ مَبْذُوْلٌ عَادَةً وَلَوْ اَبٰى اَنْ يُّعْطِيَهٗ
کیونکہ غیر کی ملک سے مانگنا لازم نہیں اور صاحبینؒ نے کہا کہ کافی نہیں ہوگا کیونکہ پانی عادۃً خرچ کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر اسے پانی دینے سے انکار کر دیا
اِلَّا بِثَمَنِ الْمِثْلِ وَعِنْدَهٗ ثَمَنُهٗ لَا يُجْزِئُهُ التَّيَمُّمُ لِتَحَقُّقِ الْقُدْرَةِ
مگر ثمن مثل کے عوض اور اس کے پاس ثمن مثل ہو تو اس کیلئے تیمم کرنا کافی نہ ہوگا
وَلَا يَلْزَمُهٗ تَحَمُّلُ الْغَبْنِ الْفَاحِشِ لِاَنَّ الضَّرَرَ مُسْقِطٌ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
اور غبن فاحش کا برداشت کرنا اس کو لازم نہیں ہے اس لئے کہ ضرر ساقط کیا گیا ہے، واللہ اعلم

رفیقِ سفر کے پاس پانی ہو تو تیمم سے پہلے مطالبہ کرے

تشریح:۔ مسئلہ اگر رفیق سفر کے پاس پانی ہو تو حکم یہ ہے کہ تیمم کرنے سے پہلے اس سے پانی مانگے اگر اس نے پانی دیدیا تو وضو کر کے نماز پڑھے ورنہ تیمم کرلے۔ دلیل یہ ہے کہ پانی سے بالعموم منع نہیں کیا جاتا، بلکہ مانگنے پر دے دیا جاتا ہے۔ اس لئے تیمم کرنے سے پہلے مانگنا مناسب ہے اور چونکہ انکار کی صورت میں عجز حقیقۃً پایا گیا اسلئے اس صورت میں تیمم کرے گا۔

بعض حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اگر اس کو اس بات کا غالب گمان ہو کہ پانی مانگنے پر دیدیا جائے گا تو اس پر اپنے ساتھی سے پانی مانگنا واجب ہے۔ ورنہ نہیں (کفایہ)

اور اگر اپنے ساتھی سے پانی مانگنے سے پہلے ہی تیمم کرلیا تو حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک یہ تیمم کافی ہوگا۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ کافی نہیں ہوگا۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ پانی ایسی چیز ہے جس سے عام طور پر انکار نہیں کیا جاتا اس لئے ساتھی کے پاس ہونے سے اس کو بھی قادر سمجھا جائیگا اور امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کی ملک میں سے کچھ مانگنا اس پر لازم نہیں ہے نیز سوال میں ذلت بھی ہے اس لئے بھی اس کو اپنے ساتھی سے پانی طلب کرنا لازم نہیں ہوگا۔

اور اگر اس کا ساتھی قیمۃً پانی دیتا ہے اور یہ شخص قیمۃً پانی لینے پر قادر بھی ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں (۱) یہ کہ وہ مثل قیمت

کے عوض فروخت کرتا ہے (۲) یہ کہ غبن یسیر کے ساتھ فروخت کرتا ہے (۳) یہ کہ غبن فاحش کے ساتھ فروخت کرتا ہے۔ پہلی اور دوسری صورت میں تیمم جائز نہیں ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں پانی پر قدرت پائی گئی اس لئے کہ پانی کی قیمت پر قادر ہونا پانی پر قادر ہونا ہے اس وجہ سے جواز تیمم ممتنع ہوگا۔

اور تیسری صورت میں اس کے لئے تیمم جائز ہے کیونکہ غبن فاحش برداشت کرنے میں اس کو ضرر لاحق ہوگا حالانکہ ضرر ساقط کر دیا گیا ہے اس لئے کہ مسلمان کا مال اسی طرح قابل احترام ہے جیسا کہ اس کی جان قابل احترام ہے اور جان کے سلسلہ میں ضرر ساقط ہے لہٰذا مال کا ضرر بھی ساقط ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

(یہ) باب موزوں پر مسح کرنے کے (احکام کے بیان میں) ہے

تشریح: مصنفؒ نے تیمم کے بعد متصلاً مسح علی الخفین کے احکام چند وجوہ سے ذکر فرمائے ہیں

(۱) ان دونوں میں سے ہر ایک طہارت مسح ہے۔

(۲) ان دونوں میں سے ہر ایک بدل ہے تیمم وضو کا بدل ہے اور مسح علی الخفین غسل رجلین کا بدل ہے۔

(۳) تیمم اور مسح دونوں رخصت موقتہ ہیں۔

(۴) ان دونوں میں سے ہر ایک عارض ہے کیونکہ اصل غسل ہے۔

(۵) تیمم اور مسح علی الخفین میں سے ہر ایک میں بعض اعضاء وضو پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

رہی یہ بات کہ تیمم کو مسح علی الخفین پر کیوں مقدم کیا گیا ہے سو اس کی چند وجہیں ہیں:۔

(۱) یہ کہ تیمم کا ثبوت کتاب سے ہے اور مسح کا ثبوت سنت سے ہے اس لئے تیمم اقوی اور مستحق تقدیم ہے۔

(۲) یہ کہ تیمم بدلیت میں کامل ہے کیونکہ تیمم تمام افعال وضو کا قائم مقام ہے اور مسح ایسا نہیں ہے بلکہ ایک عضو یعنی غسل رجلین کا قائم مقام ہے اس لئے بھی تیمم تقدیم کا زیادہ مستحق ہے۔

(۳) تیمم کا محل ہاتھ و چہرہ ہے اور مسح کا محل دونوں پیر ہیں اور پیر غسل میں ہاتھوں اور چہرے سے مؤخر ہیں اس وجہ سے بھی تیمم کو مقدم کرنا اور مسح کو مؤخر کرنا مناسب ہے۔

(۴) تیمم اور مسح ان دونوں میں سے ہر ایک حدث کو زائل کرتا ہے لیکن تیمم حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کو زائل کرتا ہے اور مسح فقط حدث اصغر کو زائل کرتا ہے نہ کہ حدث اکبر کو پس تیمم ازالہ حدث میں اقوی ہوا اور مسح اس کے مقابلہ میں اضعف ہوا، اور

ظاہر ہے کہ اقوی غیر اقوی پر مقدم ہوتا ہے اس لئے تیمم کو مقدم کیا گیا اور مسح علی الخفین کو موخر کیا گیا۔

(۵) پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمم وضو کی طرح فرض ہے اور مسح موزے پہننے کی حالت میں فرض نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ شئی مفروض غیر مفروض پر مقدم ہوتی ہے اسلئے تیمم کو مقدم کیا گیا اور مسح کو موخر کیا گیا۔

"مسح علی الخفین" کی مشروعیت احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اس سلسلہ میں قولی اور فعلی دونوں طرح کی احادیث مروی ہیں۔

فعلی حدیث یہ ہے کہ حضرت ابوبکر، عمر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک کثیر جماعت نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا ہے۔

اور قولی حدیث یہ ہے کہ حضرت عمر، علی اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت نے روایت کی ہے اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ یَمْسَحُ الْمُقِیْمُ یَوْمًا وَلَیْلَۃً وَالْمُسَافِرُ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْھَا یعنی نبی ﷺ نے فرمایا کہ مقیم ایک دن رات مسح کرے اور مسافر تین دن اور تین رات۔

وَقَالَ الْمُغِیْرَۃُ بْنُ شُعْبَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ سَفَرٍ وَکُنْتُ اَصُبُّ الْمَاءَ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِ جُبَّۃٌ شَامِیَّۃٌ ضَیِّقَۃُ الْکُمَّیْنِ فَاَخْرَجَ یَدَیْہِ مِنْ تَحْتِ ذَیْلِہٖ وَمَسَحَ عَلٰی خُفَّیْہِ فَقُلْتُ اَنَسِیْتَ غَسْلَ الْقَدَمَیْنِ فَقَالَ بِھٰذَا اَمَرَنِیْ رَبِّیْ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے کسی سفر میں وضو کیا اور میں آپ ﷺ پر پانی ڈال رہا تھا اور اس وقت آپ ﷺ شامی جبہ پہنے ہوئے تھے جس کی آستینیں تنگ تھیں آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ دامن کے نیچے سے نکال کر اپنے موزوں پر مسح کیا میں نے کہا کیا آپ ﷺ قدموں کا دھونا بھول گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو اسی کا حکم دیا ہے۔

اور حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَاْمُرُنَا اِذَا کُنَّا سَفْرًا اَیْ مُسَافِرِیْنَ اَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْھِنَّ اِلَّا عَنْ جَنَابَۃٍ وَلٰکِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم سفر میں ہوتے تو حضور ﷺ ہم کو حکم فرماتے کہ ہم اپنے موزے نہ نکالیں تین دن اور تین رات نہ کہ جنابت کی وجہ سے لیکن پیشاب پاخانہ اور نیند کی وجہ سے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ میں نے ستر صحابہ کو پایا تمام کے تمام مسح علی الخفین کو جائز سمجھتے تھے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ النعمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَاقُلْتُ بِالْمَسْحِ حَتّٰی جَاءَ فِیْہِ مِثْلُ ضَوْءِ النَّھَارِ میں مسح علی الخفین کا قائل اس وقت تک نہیں ہوا جب تک کہ احادیث دن کے اُجالے کی طرح مجھ تک نہ پہنچ گئیں۔ اور امام صاحبؒ سے روایت ہے کہ جو شخص مسح علی الخفین کے جواز کا معتقد نہیں وہ مبتدع ہے۔

اور امام کرخیؒ نے فرمایا کہ مجھے اس کے کافر ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ وہ احادیث جو مسح علی الخفین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

اور مروی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے اہل سنت والجماعت کے مذہب کے بارے میں دریافت کیا گیا آپؒ نے فرمایا ھُوَ اَنْ يُّفَضِّلَ الشَّيْخَيْنِ يَعْنِىْ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ عَلٰى سَائِرِ الصَّحَابَةِ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَاَنْ يُّحِبَّ الْخَتَنَيْنِ يَعْنِىْ عُثْمَانَ وَعَلِيًّا رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا وَاَنْ يَّرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ شیخین یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تمام صحابہؓ پر فضیلت دینا اور حضور ﷺ کے دونوں دامادوں یعنی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے محبت کرنا اور مسح علی الخفین کو جائز سمجھنا۔

صاحب کفایہؒ نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا یہ مقولہ حضرت انسؓ کے قول سے ماخوذ ہے حضرت انسؓ نے فرمایا کہ اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ تُفَضِّلَ الشَّيْخَيْنِ وَتُحِبَّ الْخَتَنَيْنِ وَتَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ یعنی سنت یہ ہے کہ تو شیخین کو فضیلت دے اور دونوں دامادوں سے محبت کرے اور موزوں پر مسح کو جائز کہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مسح علی الخفین کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے بایں طور کہ آیت وضو میں ارجلکم، روسکم پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور چونکہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے پیروں کا حکم وہ ہوگا جو سر کا حکم ہے اور سابق میں گذر چکا کہ سر کا مسح کرنا فرض ہے لہٰذا پیروں پر بھی مسح کرنا فرض ہونا چاہیے تھا۔

لیکن چونکہ جر کی قراءت، نصب کی قراءت کے معارض ہے اس لئے دونوں قراءتوں پر عمل کرنے کیلئے کہا گیا کہ ان دو قراءتوں کو دو حالتوں میں محمول کیا جائے گا۔ یعنی جب موزے نہ ہوں تو قراءت نصب پر عمل ہوگا یعنی پیروں کا دھونا فرض ہوگا۔ اور جب موزے پہنے ہوں تو قراءت جر پر عمل ہوگا یعنی موزوں پر مسح کرنا ثابت ہوگا۔

صاحب کفایہؒ نے کہا کہ یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ آیت میں الی الکعبین کی قید ہے حالانکہ مسح بالاجماع اس مقدار کے ساتھ مقدر نہیں ہے پس اس آیت سے مسح علی الخفین پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ جمیل۔

اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ جَائِزٌ بِالسُّنَّةِ وَالْاَخْبَارُ فِيْهِ مُسْتَفِيْضَةٌ حَتّٰى قِيْلَ اِنَّ مَنْ
دونوں موزوں پر مسح کرنا سنت سے جائز و ثابت ہے اور اس بارے میں اخبار پھیلی ہوئی اور مشہور ہیں حتیٰ کہ کہا گیا کہ جس نے مسح علی الخفین کو
لَمْ يَرَهُ كَانَ مُبْتَدِعًا لٰكِنْ مَنْ رَاٰهُ ثُمَّ لَمْ يَمْسَحْ اَخْذًا بِالْعَزِيْمَةِ كَانَ مَاجُوْرًا
جائز نہ جانا وہ (دین میں) بدعتی ہے لیکن جس نے اس کو جائز جانا پھر اس نے عزیمت کو اختیار کرتے ہوئے مسح نہ کیا تو اسے ثواب ہوگا

موزوں پر مسح کی شرعی حیثیت

تشریح:۔ شیخ قدوریؒ نے کہا کہ مسح علی الخفین کا جواز سنت سے ثابت ہے اور اس بارے میں قولی اور فعلی بہت سی احادیث مشہور ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص مسح علی الخفین کے جواز کا اعتقاد نہ رکھتا ہو تو وہ بدعتی ہوگا البتہ اگر کسی نے مسح علی الخفین کو جائز تو جانا مگر عزیمت پر عمل کرنے کی وجہ سے مسح نہ کیا تو یہ شخص عنداللہ ماجور اور مستحق اجر و ثواب ہوگا۔

عین الہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر مسح نہ کرنے میں اس کی طرف خارجی یا رافضی ہونے کا شبہ جاتا ہو تو اس کو مسح کرنا افضل ہے۔

وَيَجُوْزُ مِنْ كُلِّ حَدَثٍ مُوْجِبٍ لِلْوُضُوْءِ اِذَا لَبِسَهُمَا عَلٰى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ ثُمَّ اَحْدَثَ

اور (مسح علی الخفین) ہر اس حدث سے جائز ہے جو موجب وضوء ہو جبکہ دونوں موزوں کو پوری طہارت پر پہنا ہو پھر (اس کے بعد) اس کو حدث ہوا ہو

خَصَّهٗ بِحَدَثٍ مُوْجِبٍ لِلْوُضُوْءِ لِاَنَّهٗ لَا مَسْحَ مِنَ الْجَنَابَةِ عَلٰى مَا

صاحب قدوری نے اس کو ایسے حدث کے ساتھ خاص کیا جس سے فقط وضو واجب ہو کیونکہ جنابت (کی صورت میں) مسح کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ ہم اس کو

نُبَيِّنُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَبِحَدَثٍ مُتَاَخِّرٍ لِاَنَّ الْخُفَّ عُهِدَ مَانِعاً

انشاء اللہ بیان کریں گے اور ایسے حدث کے ساتھ (خاص کیا) جو (طہارت کاملہ پر پہننے کے) بعد واقع ہو کیونکہ موزہ مانع عن الحدث ہو کر معلوم ہوا ہے

وَلَوْ جَوَّزْنَاهُ بِحَدَثٍ سَابِقٍ كَالْمُسْتَحَاضَةِ اِذَا لَبِسَتْ ثُمَّ خَرَجَ الْوَقْتُ وَالْمُتَيَمِّمِ اِذَا لَبِسَ ثُمَّ رَأَى الْمَاءَ

اور اگر ہم حدث سابق پر اسے جائز قرار دیں جیسے مستحاضہ کہ جب وہ موزہ پہنے پھر وقت نکل جائے اور (جیسے) متیمم جب وہ (موزہ) پہنے پھر پانی پائے

كَانَ رَافِعاً وَقَوْلُهٗ اِذَا لَبِسَهُمَا عَلٰى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ لَا يُفِيْدُ اِشْتِرَاطَ الْكَمَالِ وَقْتَ اللُّبْسِ

تو موزہ رافع (حدث) ہوگا۔ اور اس کا قول "کہ دونوں موزوں کو طہارت کاملہ پر پہنا ہو" پہننے کے وقت کمال طہارت کی شرط کا فائدہ نہیں دیتا

بَلْ وَقْتَ الْحَدَثِ وَهٰذَا الْمَذْهَبُ عِنْدَنَا حَتّٰى لَوْ غَسَلَ رِجْلَيْهِ وَلَبِسَ خُفَّيْهِ ثُمَّ اَكْمَلَ الطَّهَارَةَ

بلکہ حدث کے وقت (کمال طہارت کی شرط کا فائدہ دیتا ہے) اور یہی ہمارا مذہب ہے حتی کہ اگر اس نے پہلے دونوں پاؤں دھوئے پھر دونوں موزے پہنے پھر طہارت پوری کی

ثُمَّ اَحْدَثَ يُجْزِئُهُ الْمَسْحُ وَهٰذَا لِاَنَّ الْخُفَّ مَانِعٌ حُلُوْلَ الْحَدَثِ بِالْقَدَمِ

پھر اسے حدث ہوا تو اس کو موزوں پر مسح کرنا کافی ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ موزہ قدم میں حلول حدث کیلئے مانع ہے

فَيُرَاعٰى كَمَالُ الطَّهَارَةِ وَقْتَ الْمَنْعِ حَتّٰى لَوْ كَانَتْ نَاقِصَةً عِنْدَ ذٰلِكَ كَانَ الْخُفُّ رَافِعاً

پس منع کے وقت کمال طہارت کی رعایت کی جائے گی حتی کہ اگر طہارت اس وقت ناقص ہوئی تو موزہ رافع حدث ہوگا

مُحدِث کیلئے موزہ پر مسح کرنا جائز ہے جنبی کیلئے جائز نہیں

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنا مُحدِث کیلئے جائز ہے محدث خواہ مرد ہو یا عورت جبکہ دونوں کو پوری طہارت پر پہنا ہوا۔ اور جس شخص پر غسل واجب ہے اس کے لئے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

صاحب قدوری نے مسح علی الخفین کے جواز کو دو باتوں کے ساتھ خاص کیا ہے ایک تو یہ کہ حدث موجب للوضوء ہو کیونکہ اگر طہارت کاملہ پر موزے پہنے پھر ایسا حدث پیش آیا جو غسل واجب کرتا ہے تو اس صورت میں مسح علی الخفین جائز نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حدث وضو کرنے کے بعد پیش آیا ہو کیونکہ موزہ حدث سرایت کرنے سے روکتا ہے حدث کو دور نہیں کرتا اور اگر حدث سابق پر

مسح علی الخفین جائز قرار دیا جائے مثلاً مستحاضہ عورت نے موزے پہنے پھر وقت نکل گیا اور متیمم جب اس نے موزے پہنے پھر اس نے پانی پایا تو موزہ رافع حدث ہو جائے گا حالانکہ موزہ رافع حدث نہیں ہے بلکہ مانع حدث ہے۔

اور قدوریؒ کا قول اِذَا لَبِسَهُمَا عَلٰى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ اس بات کا فائدہ نہیں دیتا کہ موزہ پہننے کے وقت طہارت کاملہ شرط ہے بلکہ حدث کے وقت طہارت کاملہ کا ہونا ضروری ہے یہی ہمارا مذہب ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے پہلے اپنے پاؤں دھو کر موزے پہنے پھر باقی وضو پورا کیا پھر حدث ہوا تو اس کو موزوں پر مسح کرنا جائز ہے کیونکہ موزے پہنتے وقت اگرچہ طہارت کاملہ نہیں پائی گئی لیکن حدث کے وقت طہارت کاملہ پائی گئی۔ دلیل یہ ہے کہ موزہ قدم میں حدث حلول کرنے کو روکتا ہے لہٰذا منع کے وقت کمال طہارت کی رعایت کی جائیگی حتی کہ اگر اس وقت طہارت ناقص ہوئی تو موزہ رافع حدث ہو جائے گا۔

وَيَجُوْزُ لِلْمُقِيْمِ يَوْماً وَلَيْلَةً وَلِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا
اور مقیم کیلئے ایک دن اور ایک رات مسح جائز ہے اور مسافر کیلئے تین دن تین رات
لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَمْسَحُ الْمُقِيْمُ يَوْماً وَلَيْلَةً وَالْمُسَافِرُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا
کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مقیم ایک دن اور ایک رات مسح کرے اور مسافر تین دن اور ان کی راتیں (مسح کرے)

مقیم اور مسافر کیلئے مسح کی مدت

تشریح: اس عبارت میں مدت مسح کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ مدت مسح مقیم کے حق میں ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے حق میں تین دن اور تین راتیں ہیں۔ اور امام مالکؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مقیم موزوں پر بالکل مسح نہ کرے اور مسافر کا مسح مؤبد ہے یعنی وقت کی کوئی تحدید نہیں ہے جب تک چاہے مسح کرتا رہے۔ امام سرخسیؒ نے فرمایا کہ یہی قول حسن بصریؒ کا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ مقیم کا حکم مسافر کے حکم کے مانند ہے۔

پہلی روایت کے مطابق مقیم کے حق میں دلیل یہ ہے کہ مسح مشروع کیا گیا ہے ضرورت کی وجہ سے اور مقیم کے حق میں کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے مقیم کے واسطے موزوں پر مسح کرنا نا جائز ہے۔ اور مسافر کے حق میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے حدیث یہ ہے کہ **قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ يَوْمًا قَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ يَوْمَيْنِ فَقَالَ نَعَمْ حَتّٰى اِنْتَهَيْتُ اِلٰى سَبْعَةِ اَيَّامٍ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِذَا كُنْتَ فِيْ سَفَرٍ فَامْسَحْ مَابَدَالَكَ**

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول کیا میں ایک دن موزوں پر مسح کر لیا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ پھر میں نے کہا کہ دو دن آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔ یہاں تک کہ (میں کہتا کہتا) سات دن تک پہنچ گیا پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو سفر میں ہو تو جب تک چاہے مسح کرتا رہا کر۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر کے حق میں کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔اور ہماری دلیل حدیث مشہور ہے یعنی حضور ﷺ کا قول یَمْسَحُ الْمُقِیْمُ یَوْمًا وَلَیْلَةً وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْهَا اور عامۃ العلماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت صفوان بن عسال المرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ لِیْ مَاجَاءَ بِکَ فَقُلْتُ طَلَبُ الْعِلْمِ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِنَّ الْمَلَائِکَةَ تَضَعُ اَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا یَصْنَعُ فَمَاذَا جِئْتَ فَسَلْ قَالَ فَسَاَلْتُهٗ عَنِ الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ فَقَالَ لِلْمُقِیْمِ یَوْمٌ وَلَیْلَةٌ وَلِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةُ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْهَا. (کفایہ)۔

حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تجھ کو کیا چیز لے کر آئی ہے میں نے کہا کہ طلب علم، آپ ﷺ نے فرمایا کہ طالب علم کے کام سے راضی ہو کر فرشتے اس کیلئے پر بچھاتے ہیں پس جس مقصد کیلئے آئے ہو دریافت کرو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے مسح علی الخفین کے بارے میں دریافت کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ مقیم کے واسطے ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے واسطے تین دن اور تین راتیں ہیں۔

حضرت امام مالکؒ کی طرف سے پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے بارے میں امام بخاریؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث مجہول ہے۔امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ اس کے رجال غیر معروف ہیں۔امام ابوداؤدؒ نے کہا کہ اس کی سند میں اختلاف ہے اور قوی نہیں ہے۔دار قطنی نے کہا اس کی سند غیر ثابت ہے۔اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ اس کی سند میں اضطراب ہے۔پس اس شاذ حدیث کی وجہ سے احادیث مشہورہ کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔علاوہ ازیں اس حدیث سے حضور ﷺ کی مراد یہ ہے کہ مسح مؤبد ہے یعنی غیر منسوخ ہے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس مدت میں موزے نہ نکالے۔

اور امام مالکؒ کا یہ کہنا کہ مقیم کے حق میں مسح علی الخفین کی ضرورت نہیں حالانکہ مسح علی الخفین ضرورت کی وجہ سے مشروع کیا گیا ہے۔ہمیں یہ تسلیم نہیں بلکہ مقیم کے حق میں بھی ضرورت ثابت ہے اس لئے کہ مقیم جب صبح کے وقت موزے پہن کر اپنی ضرورت کیلئے گھر سے باہر جائے گا تو شام کو گھر کی طرف لوٹ کر آنے سے پہلے اس پر موزوں کا نکالنا شاق ہوگا،پس اس ضرورت کے پیش نظر اس کے حق میں بھی مسح مشروع کیا گیا ہے۔

قَالَ وَابْتِدَاؤُهَا عَقِیْبَ الْحَدَثِ لِاَنَّ الْخُفَّ مَانِعٌ سِرَایَةَ الْحَدَثِ فَتُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ مِنْ وَقْتِ الْمَنْعِ
فرمایا اور مسح کی ابتداء حدث کے بعد سے ہے کیونکہ موزہ تو حدث کے سرایت کرنے سے مانع ہے پس منع کے وقت سے مدت معتبر ہوگی۔

مدت مسح کی ابتداء کب سے شروع ہوگی

تشریح:۔مدت مسح کی ابتداء کب سے ہوگی اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ عامۃ العلماء کا مذہب یہ ہے کہ

مدت مسح کی ابتدا حدث کے وقت سے ہوگی۔اور بعض کے نزدیک موزہ پہننے کے وقت سے ابتدا ہوگی اسی کے قائل حسن بصریؒ ہیں۔ اور بعض کے نزدیک مسح کے وقت سے ابتدا ہوگی یہی قول امام اوزاعیؒ، ابوثورؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔ثمرۂ اختلاف اس مثال میں ظاہر ہوگا کہ ایک شخص نے طلوع فجر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنا، پھر طلوع شمس کے بعد حدث ہوا۔ پھر زوال کے بعد وضو کر کے موزوں پر مسح کیا۔ تو علماء العلماء کے مذہب پر مقیم اگلے دن طلوع شمس کے بعد تک مسح کرے گا۔اور حسن بصریؒ کے مذہب پر اگلے دن کی طلوع فجر تک مسح کرے، اور امام اوزاعیؒ کے مذہب پر اگلے دن زوال کے بعد تک مسح کرے۔

حسن بصریؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسح کا جواز موزہ پہننے کی وجہ سے ہے لہٰذا مدت مسح کی ابتدا بھی موزہ پہننے کے وقت سے ہوگی اور امام اوزاعیؒ وغیرہ کی دلیل یہ ہے کہ مسح کی مدت کی مقدار مسح کی وجہ سے ہے اس لئے مدت مسح کی ابتدا مسح کرنے کے وقت سے معتبر ہوگی۔ اور علماء العلماء کی دلیل یہ ہے کہ موزہ حدث سرایت کرنے سے مانع ہے پس مدت کا اعتبار اسی وقت سے ہوگا جس وقت سے اس نے حدث سرایت کرنے سے روکا ہے اور یہ حدث کے بعد سے شروع ہے کیونکہ اس سے پہلے وضو کی طہارت تھی اس لئے مدت مسح کی ابتدا حدث کے بعد سے معتبر ہوگی۔

وَالْمَسْحُ عَلٰى ظَاهِرِهِمَا خُطُوْطًا بِالْاَصَابِعِ يَبْدَأُ مِنْ قِبَلِ الْاَصَابِعِ
اور مسح دونوں موزوں کے ظاہری رخ پر ہے درآنحالیکہ وہ انگلیوں کے ساتھ خطوط ہوجائیں (اس طرح کہ پاؤں کی) انگلیوں سے شروع کرے
اِلَى السَّاقِ لِحَدِيْثِ مُغِيْرَةَؓ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى خُفَّيْهِ وَمَدَّهُمَا
پنڈلیوں کی طرف حدیث مغیرہؓ کی وجہ سے کہ حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں موزوں پر رکھے اور ان دونوں ہاتھوں کو
مِنَ الْاَصَابِعِ اِلٰى اَعْلَاهُمَا مَسْحَةً وَاحِدَةً وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَثَرِ الْمَسْحِ عَلٰى خُفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ خُطُوْطًا بِالْاَصَابِعِ
انگلیوں سے اُن کے اوپر کی طرف کھینچا ایک بار مسح کیا اور گویا میں اثر مسح کو رسول اللہ ﷺ کے موزے پر دیکھتا ہوں خطوط انگلیوں کے ساتھ
ثُمَّ الْمَسْحُ عَلَى الظَّاهِرِ حَتْمٌ حَتّٰى لَا يَجُوْزُ عَلٰى بَاطِنِ الْخُفِّ وَعَقِبِهِ وَسَاقِهِ لِاَنَّهُ مَعْدُوْلٌ بِهِ عَنِ الْقِيَاسِ
پھر ظاہری موزے پر مسح کرنا ضروری ہے حتی کہ باطن موزہ اور اس کی ایڑی اور اس کی پنڈلی پر جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ معدول عن القیاس ہے
فَيُرَاعٰى جَمِيْعُ مَا وَرَدَ بِهِ الشَّرْعُ وَالْبِدَايَةُ مِنَ الْاَصَابِعِ اِسْتِحْبَابٌ اِعْتِبَارًا بِالْاَصْلِ وَهُوَ الْغُسْلُ
لہٰذا جس پر شریعت وارد ہوئی وہ پورے کا پورا ملحوظ ہوگا اور اصل پر قیاس کرتے ہوئے انگلیوں سے شروع کرنا مستحب ہوگا اور وہ (اصل) دھونا ہے
وَفَرْضُ ذٰلِكَ مِقْدَارُ ثَلٰثِ اَصَابِعَ مِنْ اَصَابِعِ الْيَدِ وَقَالَ الْكَرْخِيُّؒ مِنْ اَصَابِعِ الرِّجْلِ
اور اس کا فرض ہاتھ کی انگلیوں میں سے تین انگلیوں کی مقدار ہے۔ اور امام کرخیؒ نے کہا کہ پاؤں کی انگلیوں میں سے (تین انگلیوں کی مقدار ہے)
وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ اِعْتِبَارًا لِاٰلَةِ الْمَسْحِ
اور قول اول اصح ہے آلۂ مسح کا اعتبار کرتے ہوئے

مسح کا طریقہ

تشریح: ۔ صاحب قدوریؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک موزوں کے ظاہری رُخ پر مسح کرنا ضروری ہے اس کی صورت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھے پھر ان دونوں کو پنڈلی کی طرف ٹخنوں کے اوپر کھینچ کر لے جائے اور انگلیوں کو کشادہ رکھے موزوں پر مسح کرنے کا یہی مسنون طریقہ ہے۔

اور اگر ایک انگلی سے تین مرتبہ مسح کیا ہر بار نیا پانی لیا اور نئی جگہ مسح کیا تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہوگا۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ موزے کے ظاہر اور باطن پر مسح کرنا مسنون ہے دلیل یہ روایت ہے اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَسَحَ اَعْلَى الْخُفِّ وَاَسْفَلَهٗ یعنی رسول اللہ ﷺ نے موزے کے اوپر اور نیچے دونوں رخوں پر مسح کیا ہے۔

ہماری دلیل حدیث مغیرہؓ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں موزوں پر رکھ کر ان کو کھینچ کر اوپر کی طرف لے گئے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ گویا میں حضور ﷺ کے موزے پر ان نشانات کو دیکھتا ہوں جو انگلیوں سے پیدا ہو گئے تھے۔ اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے ایک بار مسح کیا۔ اسی لئے علماء نے کہا کہ تکرار مسح علی الخفین غیر مشروع ہے ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّیْنِ عَلٰی ظَاهِرِهِمَا حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ظاہر خفین پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ مسح کا محل موزے کا ظاہر ہے نہ کہ باطن۔ اس لئے ظاہر خف پر مسح کرنا واجب ہوگا۔

اور اگر موزے کے باطن پر مسح کیا یا اس کی ایڑی پر یا اس کی پنڈلی پر تو جائز نہیں ہوگا کیونکہ موزے پر مسح کرنا خلاف قیاس ثابت ہے لہٰذا جس پر شریعت وارد ہوئی ہے اس کی پوری پوری رعایت کی جائے گی اور چونکہ شریعت کا ورود موزے کے ظاہر پر ہوا اس لئے موزے کے ظاہر پر مسح کرنا مشروع ہوگا نہ کہ باطن پر۔ اسی کی طرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اشارہ کرتا ہے لَوْ کَانَ الدِّیْنُ بِالرَّاْیِ لَکَانَ بَاطِنُ الْخُفِّ اَوْلٰی بِالْمَسْحِ مِنْ ظَاهِرِهٖ وَلٰکِنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَمْسَحُ عَلٰی ظَاهِرِ الْخُفَّیْنِ دُوْنَ بَاطِنِهِمَا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر دین عقل اور رائے پر موقوف ہوتا تو موزے کے باطن پر مسح کرنا اولیٰ ہوتا بہ نسبت اس کے ظاہر کے لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں کے ظاہر پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے نہ کہ ان کے باطن پر۔

اور انگلیوں سے مسح کی ابتدا کرنا مستحب ہے چنانچہ اگر پنڈلی سے شروع کیا تو بھی جائز ہوگا وجہ استحباب غسل (دھونے) پر قیاس ہے یعنی جس طرح پاؤں دھونے کی ابتدا انگلیوں سے مستحب ہے اسی طرح مسح علی الخفین میں بھی انگلیوں سے ابتدا کرنا مستحب ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ فرض تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ انگلیاں پاؤں کی معتبر ہیں یا ہاتھ کی، پس عامۃ العلماء کا مذہب یہ ہے کہ مقدار مسح میں ہاتھ کی انگلیوں کا اعتبار ہے۔

اور امام کرخیؒ نے فرمایا کہ پاؤں کی انگلیاں معتبر ہیں کیونکہ مسح پاؤں پر واقع ہوتا ہے اور تین انگلیاں ممسوح کا اکثر ہے اور قاعدہ ہے کہ اکثر کل کے حکم میں ہوتا ہے لہٰذا پاؤں کی تین انگلیاں پورے پاؤں کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ جیسے موزے کی پھٹن میں پاؤں کی انگلیوں کا اعتبار کیا گیا ہے۔

مصنف ہدایہؒ نے کہا کہ علامۃ العلماء کا قول زیادہ صحیح ہے اور یہ حضرات آلۂ مسح (ہاتھ) کا اعتبار کرتے ہیں واضح ہو کہ ہر موزے پر تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا فرض ہے چنانچہ اگر کسی نے ایک موزے پر دو انگلیوں کی مقدار مسح کیا اور دوسرے پر پانچ انگلیوں کی مقدار مسح کیا تو جائز نہیں ہوگا۔

وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلٰى خُفٍّ فِيْهِ خَرْقٌ كَثِيْرٌ يَتَبَيَّنُ مِنْهُ قَدْرُ ثَلٰثِ اَصَابِعَ مِنْ اَصَابِعِ الرِّجْلِ
اور ایسے موزے پر مسح کرنا جائز نہیں کہ جس میں اتنی زیادہ پھٹن ہو کہ اس سے پاؤں کی انگلیوں میں سے تین انگلیوں کی مقدار ظاہر ہو جائے
وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ جَازَ وَقَالَ زُفَرُؒ وَالشَّافِعِيُّؒ لَا يَجُوزُ وَاِنْ قَلَّ لِاَنَّهٗ لَمَّا وَجَبَ غَسْلُ الْبَادِيْ
اور اگر پھٹن اس سے کم ہو تو جائز ہے۔ اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ جائز نہیں اگر چہ پھٹن کم ہو، کیونکہ جب ظاہر کا دھونا واجب ہے
يَجِبُ غَسْلُ الْبَاقِيْ وَلَنَا اَنَّ الْخِفَافَ لَا تَخْلُوْ عَنْ قَلِيْلِ خَرْقٍ عَادَةً فَيَلْحَقُهُمُ الْحَرَجُ
تو باقی کا دھونا بھی واجب ہوگا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ موزے عام طور پر معمولی پھٹن سے خالی نہیں ہوتے اس لئے لوگوں کو اتارنے میں
فِي النَّزْعِ وَتَخْلُوْ عَنِ الْكَثِيْرِ فَلَا حَرَجَ وَالْكَثِيْرُ اَنْ يَنْكَشِفَ قَدْرُ ثَلٰثِ اَصَابِعِ الرِّجْلِ
حرج لاحق ہوگا اور کثیر پھٹن سے خالی ہوتے ہیں تو (اتارنے میں) کوئی حرج نہیں ہوگا۔ اور کثیر مقدار یہ ہے کہ پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار
اَصْغَرِهَا هُوَ الصَّحِيْحُ لِاَنَّ الْاَصْلَ فِي الْقَدَمِ هُوَ الْاَصَابِعُ وَالثَّلٰثُ اَكْثَرُهَا فَتُقَامُ مَقَامَ الْكُلِّ
(پاؤں) کھل جائے۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ قدم میں اصل یہی انگلیاں ہیں۔ اور تین انگلیاں ان میں سے اکثر ہیں پس تین انگلیاں کل کے قائم مقام ہوں گی
وَاعْتِبَارُ الْاَصْغَرِ لِلْاِحْتِيَاطِ وَلَا مُعْتَبَرَ بِدُخُوْلِ الْاَنَامِلِ اِذَا كَانَ لَا يَنْفَرِجُ عِنْدَ الْمَشْيِ
اور چھوٹی انگلیوں کا اعتبار احتیاط کی وجہ سے ہے اور پوروں کے داخل ہو جانے کا کچھ اعتبار نہیں جب کہ چلنے کے وقت کھلتا نہ ہو
وَيُعْتَبَرُ هٰذَا الْمِقْدَارُ فِيْ كُلِّ خُفٍّ عَلٰى حِدَةٍ فَيُجْمَعُ الْخَرْقُ فِيْ خُفٍّ وَاحِدٍ وَلَا يُجْمَعُ فِيْ خُفَّيْنِ
اور اس مقدار کا ہر موزے میں علیحدہ اعتبار کیا جائے گا پس ایک موزے میں پھٹن جمع کیے جائیں گے اور دو موزوں میں جمع نہ کیے جائیں گے
لِاَنَّ الْخَرْقَ فِيْ اَحَدِهِمَا لَا يَمْنَعُ قَطْعَ السَّفَرِ بِالْاٰخَرِ بِخِلَافِ النَّجَاسَةِ الْمُتَفَرِّقَةِ
کیونکہ دونوں میں سے ایک میں شگاف ہونا دوسرے کے ساتھ سفر طے کرنے سے مانع نہیں ہے۔ برخلاف متفرق نجاست کے

لِاَنَّهُ حَامِلٌ لِلْكُلِّ وَانْكِشَافُ الْعَوْرَةِ نَظِيْرُ النَّجَاسَةِ
کیونکہ یہ شخص پوری نجاست کا اٹھانے والا ہے اور ستر کا کھلنا نجاست کی نظیر ہے

کتنی مقدار موزہ میں پھٹن ہو جس پر مسح درست نہیں

تشریح: اگر موزے میں شگاف پیدا ہو گیا تو اس پر مسح کے جواز اور عدم جواز میں چار مذہب ہیں:-

(۱) ہمارے نزدیک شگاف کے قلیل اور کثیر ہونے میں فرق ہے یعنی اگر شگاف قلیل ہو تو اس پر مسح کرنا جائز ہے اور اگر کثیر ہو تو اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک عدم جواز مسح میں قلیل و کثیر دونوں برابر ہیں، یعنی شگاف قلیل ہو یا کثیر دونوں صورتوں میں مسح کرنا ناجائز ہے اور یہی قیاس ہے۔

(۳) سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں مسح جائز ہے۔

(۴) امام اوزاعیؒ نے فرمایا کہ شگاف پیدا ہونے کی وجہ سے پاؤں کا جو حصہ کھل گیا اس کو دھوئے اور جو حصہ نہیں کھلا اس کا مسح کرے۔ چونکہ امام اوزاعیؒ کے نزدیک ایک عضو میں غسل اور مسح دونوں کا جمع کرنا جائز ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ جو حصہ کھلا ہوا ہے اس کا دھونا واجب ہے اور جو حصہ نہیں کھلا اس کا مسح واجب ہے۔

اور سفیان ثوریؒ کی دلیل یہ ہے کہ موزہ قدم میں حدث سرایت کرنے سے مانع ہے پس جب تک اس پر موزہ کا اطلاق صحیح ہے تو اس پر مسح کرنا جائز ہے خواہ اس میں شگاف قلیل ہو یا کثیر ہو امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ شگاف کی وجہ سے پاؤں کا جو حصہ ظاہر ہو گیا اس کا دھونا واجب ہے اور چونکہ مسح اور غسل دونوں کا ایک عضو میں جمع کرنا جائز نہیں اس لئے موزہ نکال کر باقی کا دھونا بھی واجب ہوگا۔

صاحب عنایہؒ نے فرمایا کہ ان دونوں حضرات کی دلیل قیاس ہے یعنی جب خرق کثیر مانع مسح ہے تو خرق قلیل بھی مانع مسح ہوگی جیسے حدث مطلقاً ناقض مسح ہے قلیل ہو یا کثیر ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ موزے عادۃً معمولی شگاف سے خالی نہیں ہوتے پس معمولی شگاف کی وجہ سے اگر موزے نکالنے کا حکم دیا جائے تو لوگ حرج میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس لئے اگر موزے میں معمولی شگاف ہو تو اس کو معاف کر دیا گیا اور چونکہ خرق کثیر سے موزے بالعموم خالی ہوتے ہیں پس خرق کثیر کی صورت میں موزہ نکالنے میں کوئی حرج لاحق نہیں ہوگا اس وجہ سے اس کو معاف نہیں کیا گیا۔

رہا یہ کہ خرق قلیل اور کثیر کا معیار کیا ہے تو اس بارے میں صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اگر پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار پاؤں کھل گیا یا اس سے زائد کھل گیا تو یہ خرق کثیر ہے اور اگر اس سے کم مقدار کھلا ہے تو یہ خرق قلیل ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے اور حسن بن زیادؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہاتھ کی انگلیاں معتبر ہیں۔ اور شمس الائمہ حلوانیؒ نے کہا کہ اگر شگاف بڑی انگلیوں پر ہو تو خرق کثیر میں تین بڑی انگلیاں معتبر ہوں گی اور اگر چھوٹی انگلیوں پر ہو تو چھوٹی تین انگلیاں معتبر ہوں گی۔ قول اصح کی

دلیل یہ ہے کہ قدم میں اصل انگلیاں ہی ہیں چنانچہ اگر کسی نے دوسرے کے پاؤں کی انگلیاں کاٹ ڈالیں تو اس پر پوری دیت واجب ہوگی بہرحال پاؤں میں انگلیاں اصل ہیں اور تین انگلیاں پانچ انگلیوں میں سے اکثر ہیں اور شی کا اکثر بمنزلہ کل کے ہوتا ہے لہٰذا تین انگلیاں کل کے قائم مقام ہوں گی، پس تین انگلیوں کی مقدار کھلنے سے گویا پورا پاؤں کھل گیا اس لئے اس کا دھونا واجب ہوا اور چھوٹی انگلیوں کا اعتبار احتیاط پر مبنی ہے۔

اور اگر موزے میں ایسا شگاف ہے کہ اس میں تین انگلیاں داخل ہو جاتی ہیں لیکن رفتار کے وقت پاؤں نہیں کھلتا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا یعنی ایسے موزے پر مسح کرنا جائز ہے۔ مصنف ہدایہؒ نے کہا کہ مقدار ہر موزہ میں علیحدہ علیحدہ معتبر ہے چنانچہ اگر ایک موزے میں چھوٹے چھوٹے متعدد شگاف ہو گئے تو ان کو جمع کیا جائے گا پس اگر سب مل کر اس مقدار کو پہنچ گئے تو اس پر مسح کرنا جائز ہوگا اور اگر دونوں موزوں میں چھوٹے چھوٹے شگاف ہو گئے تو ان کو جمع نہیں کیا جائے گا یعنی اگر دونوں موزوں کے شگاف مل کر اس مقدار کو پہنچ جاتے ہوں تو بھی ان پر مسح کرنا جائز ہوگا کیونکہ ایک موزے میں شگاف ہونا دوسرے کے ساتھ سفر طے کرنے سے مانع نہیں ہے۔

اس کے برخلاف متفرق نجاست ہے یعنی اگر دونوں موزوں پر تھوڑی تھوڑی نجاست لگی ہو درآنحالیکہ دونوں میں سے ہر ایک کی نجاست ایک درہم سے کم ہے مگر دونوں مل کر ایک درہم سے زائد ہو جاتی ہے تو اس صورت میں نماز جائز نہیں ہوگی، کیونکہ یہ شخص پوری نجاست کا اٹھانے والا ہے اور جو شخص ایک درہم سے زائد نجاست کا اٹھانے والا ہو خواہ وہ متفرق ہو خواہ مجتمع ہو تو اس پر طہارت واجب ہے بغیر طہارت کے نماز درست نہیں ہوگی اور عورت یعنی بدن کا وہ حصہ جس کا چھپانا فرض ہے اس کا کھلنا نجاست کی نظیر ہے چنانچہ اگر عورت کی شرم گاہ سے کچھ کھلا اور کچھ پیٹ سے، کچھ پنڈلی سے اور کچھ بالوں سے پس اگر یہ سب مل کر چوتھائی عضو کے برابر ہو جائے تو اس کی نماز جائز نہیں ہے۔

وَلَا يَجُوْزُ الْمَسْحُ لِمَنْ وَّجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ لِحَدِيْثِ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ
اور اس شخص کیلئے مسح کرنا جائز نہیں جس پر غسل واجب ہوا صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے انہوں نے فرمایا
كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنَا اِذَا كُنَّا سَفْرًا اَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَّلَيَالِيْهَا اِلَّا عَنْ جَنَابَةٍ
کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو حکم فرمایا کرتے جب ہم مسافر ہوتے کہ ہم اپنے موزوں کو تین دن اور تین راتیں نہ اتاریں مگر جنابت سے
وَلٰكِنْ عَنْ بَوْلٍ اَوْ غَائِطٍ اَوْ نَوْمٍ وَّلِاَنَّ الْجَنَابَةَ لَا تَتَكَرَّرُ عَادَةً فَلَا حَرَجَ فِي النَّزْعِ بِخِلَافِ الْحَدَثِ لِاَنَّهُ يَتَكَرَّرُ
لیکن پیشاب پاخانہ یا نیند سے اور اس لئے کہ جنابت عادۃً مکرر نہیں ہوتی لہٰذا موزہ نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا بخلاف حدث کے کہ وہ مکرر ہوتا ہے

جنبی کیلئے موزوں پر مسح جائز نہیں

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص پر غسل واجب ہوا اس کے واسطے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی صورت یہ

ہے کہ ایک شخص نے وضو کر کے موزے پہنے پھر جنبی ہو گیا پھر اس کو اتنا پانی میسر آیا جو وضو کیلئے کافی ہے مگر غسل کیلئے کافی نہیں تو یہ شخص جنابت کیلئے تیمم کرے اور اس پانی سے وضو کرے اور پاؤں دھوئے مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ دلیل حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ جنابت کی حالت میں دونوں موزے نکال کر پیروں کو دھونا ضروری ہے البتہ اگر پیشاب یا پاخانہ یا نیند کی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا تو موزے نکالنے کی ضرورت نہیں ہے............ دوسری دلیل یہ ہے کہ جنابت عادۃً مکرر نہیں ہوتی اور حدث اصغر مکرر ہوتا ہے لہذا جنابت کی صورت میں موزہ اُتارنے میں حرج لاحق نہیں ہوگا۔ اور حدث کی صورت میں بار بار موزہ اتارنے میں حرج لاحق ہوگا۔ اور یہ بات امر مسلم ہے کہ مسح علی الخفین حرج دور کرنے کیلئے مشروع کیا گیا ہے پس جہاں موزہ نکالنے میں حرج ہے وہاں مسح علی الخفین جائز ہے اور جس صورت میں حرج نہیں وہاں موزے اتار کر پیروں کا دھونا فرض ہے مسح جائز نہیں ہے۔

وَيَنْقُضُ الْمَسْحَ كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ لِاَنَّهُ بَعْضُ الْوُضُوْءِ وَيَنْقُضُهُ اَيْضًا نَزْعُ الْخُفِّ
اور مسح کو ہر وہ چیز توڑ دیتی ہے جو وضو کو توڑ دیتی ہے کیونکہ مسح علی الخف وضو کا جزء ہے اور موزہ اتارنا بھی مسح کو توڑتا ہے
لِسِرَايَةِ الْحَدَثِ اِلَى الْقَدَمِ حَيْثُ زَالَ الْمَانِعُ وَكَذَا نَزْعُ اَحَدِهِمَا لِتَعَذُّرِ
قدم تک حدث سرایت کرنے کی وجہ سے کیونکہ مانع زائل ہو گیا اور اسی طرح ان دونوں موزوں میں سے ایک کا اتارنا کیونکہ ایک ہی
الْجَمْعِ بَيْنَ الْغَسْلِ وَالْمَسْحِ فِيْ وَظِيْفَةٍ وَاحِدَةٍ
وظیفہ میں غسل اور مسح کا جمع کرنا دشوار ہے۔

نواقضِ مسح

تشریح:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ جو چیز ناقض وضو ہے وہ ناقض مسح بھی ہے کیونکہ مسح علی الخف وضو کا جزء ہے پس جو کل کیلئے ناقض ہوگا وہ جز کے لئے بدرجہ اولیٰ ناقض ہوگا۔ اور موزہ کا اتارنا بھی ناقضِ مسح ہے کیونکہ قدم میں حدث سرایت کرنے سے موزہ مانع تھا پس جب یہ مانع دور ہو گیا تو حدث سرایت کر گیا اور مسح ٹوٹ گیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ایک غزوہ میں تھے پس آپ ﷺ نے اپنے موزے نکال کر اپنے پیروں کو دھویا اور باقی وضو کا اعادہ نہیں کیا۔

اسی طرح دوسرے حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ اور اگر دونوں موزوں میں سے ایک موزہ نکل گیا تو بھی مسح ٹوٹ گیا لہذا دوسرا موزہ نکال کر دونوں قدموں کو دھو ڈالے دلیل یہ ہے کہ مسح اور غسل دونوں کا ایک ہی فرض میں جمع کرنا شرعاً متعذر ہے اس لئے دونوں قدموں کا غسل ضروری ہوگا۔

وَكَذَا مُضِيُّ الْمُدَّةِ لِمَا رَوَيْنَا وَاِذَا تَمَّتِ الْمُدَّةُ نَزَعَ خُفَّيْهِ
اور اسی طرح مدت مسح کا گذر جانا (بھی توڑ دیتا ہے) اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی اور جب مدت مسح پوری ہو جائے تو اپنے دونوں موزے نکال دے

وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ وَصَلّٰى وَلَيْسَ عَلَيْهِ اِعَادَةُ بَقِيَّةِ الْوُضُوْءِ وَكَذَا اِذَا نَزَعَ قَبْلَ الْمُدَّةِ
اور اپنے دونوں پاؤں دھو کر نماز پڑھے اور اس پر باقی وضو کا لوٹانا واجب نہیں ہے۔ اسی طرح جب وہ مدت گذرنے سے پہلے موزہ نکال دے (تو وضو ٹوٹ جاتا ہے)
لِاَنَّ عِنْدَ النَّزْعِ يَسْرِىْ الْحَدَثُ السَّابِقُ اِلَى الْقَدَمَيْنِ كَاَنَّهُ لَمْ يَغْسِلْهُمَا
کیونکہ (موزہ) اتارنے کے وقت حدث سابق دونوں قدموں تک سرایت کر جائے گا گویا اس نے دونوں کو دھویا نہ تھا
وَحُكْمُ النَّزْعِ يَثْبُتُ بِخُرُوْجِ الْقَدَمِ اِلَى السَّاقِ لِاَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِهِ فِىْ حَقِّ الْمَسْحِ
اور نزع کا حکم موزے کی پنڈلی تک قدم کے نکلنے کی وجہ سے ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ مسح کے حق میں موزہ کی پنڈلی معتبر نہیں ہے
وَكَذَا بِاَكْثَرِ الْقَدَمِ هُوَ الصَّحِيْحُ
اور اسی طرح اکثر قدم نکلنے کی وجہ سے (وضو ٹوٹ جاتا ہے) یہی صحیح ہے

مدت مسح کا گذر جانا ناقض مسح ہے

تشریح ۔ مسئلہ یہ ہے کہ مدت مسح گذر جانے سے بھی مسح علی الخفین ٹوٹ جاتا ہے دلیل روایت سابقہ ہے یعنی حضور ﷺ کا قول يَمْسَحُ الْمُقِيْمُ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَالْمُسَافِرُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا اور بعض حضرات نے کہا کہ مَارَوَيْنَا سے مراد حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ہے۔ اور جب مدت مسح پوری ہوگئی تو موزے نکال دے اور صرف پاؤں دھو کر نماز پڑھ لے باقی وضو کا اعادہ کرنا واجب نہیں ہے بشرطیکہ کوئی ناقض وضو پیش نہ آیا ہو۔

امام شافعیؒ نے کہا کہ اس پر وضو کا اعادہ واجب ہے کیونکہ مدت مسح گذر جانے سے پیروں کی طہارت ٹوٹ گئی ہے اور طہارت کا ٹوٹ جانا متجزی (ٹکڑے ٹکڑے) نہیں ہوتا جیسے حدث کی وجہ سے وضو کا ٹوٹنا متجزی نہیں ہے پس پیروں کی طہارت کا ٹوٹنا گویا پوری طہارت کا ٹوٹنا ہے اور جب پوری طہارت ٹوٹ گئی تو ظاہر ہے کہ دوبارہ وضو کرنا واجب ہوگا۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ حدث نام ہے نجاست نکلنے کا اور مدت مسح کا گذرنا ایسا نہیں ہے لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور ہمارے مذہب کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نقل سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کسی غزوہ میں تھے کہ آپ ﷺ نے موزے نکال کر صرف اپنے پیروں کو دھویا اور باقی وضو کا اعادہ نہیں کیا، اور یہی حکم اس وقت ہے جبکہ خود اس نے مدت گذرنے سے پہلے موزہ نکال دیا یعنی اس صورت میں بھی صرف پاؤں دھونا واجب ہے باقی وضو کا اعادہ واجب نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ موزہ اتارنے کے وقت حدث سابق دونوں قدموں تک سرایت کر گیا پس ایسا ہو گیا گویا اس نے دونوں کو دھویا نہ تھا۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ موزہ نکلنے کا حکم اس وقت ثابت ہوگا جبکہ قدم موزے کی پنڈلی میں داخل ہو جائے کیونکہ مسح کے حق میں موزے کی پنڈلی معتبر نہیں ہے حتیٰ کہ اگر بغیر ساق (پنڈلی) کا موزہ پہنا تو اس پر مسح کرنا جائز ہے بشرطیکہ ٹخنہ چھپا ہو۔

اور جس کا مسح میں اعتبار نہیں وہاں قدم آ جانے سے مسح ٹوٹ جائے گا اور اسی طرح اگر موزے کی ساق میں اکثر قدم آ گیا تو صحیح

قول کے مطابق موزہ نکلنے کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ جب ایڑی کا اکثر حصہ اپنی جگہ سے نکل کر موزے کی ساق میں داخل ہو گیا تو مسح باطل ہو جائے گا۔ اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ جب تک غسل کا محل موزے میں باقی ہے تب تک مسح باقی رہے گا پس جب پوری ایڑی یا اکثر ایڑی موزے کی ساق میں داخل ہو گئی تو محل غسل موزے میں باقی نہیں رہا لہٰذا مسح بھی باقی نہیں رہا۔

امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر پاؤں کا اتنا حصہ موزے میں باقی ہے جس پر مسح کرنا جائز ہے یعنی تین انگلیوں کی مقدار تو اس پر مسح کرنا جائز ہے اور اگر اتنی مقدار بھی موزے میں باقی نہیں رہا تو اس پر مسح کرنا ناجائز ہے وجہ یہ ہے کہ مَایَجُوْزُ عَلَیْهِ الْمَسْحُ کی مقدار کے علاوہ نکلنا ایسا ہے گویا نکلا ہی نہیں۔ لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ (عنایہ) جمیل۔

وَمَنِ ابْتَدَأَ الْمَسْحَ وَهُوَ مُقِيْمٌ فَسَافَرَ قَبْلَ تَمَامِ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ مَسَحَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَّلَيَالِيَهَا
اور جس شخص نے مسح شروع کیا درانحالیکہ وہ مقیم ہے پھر ایک دن رات تمام ہونے سے پہلے سفر اختیار کیا تو تین دن اور ان کی راتیں مسح کرے
عَمَلًا بِاِطْلَاقِ الْحَدِيْثِ وَلِاَنَّهٗ حُكْمٌ مُتَعَلِّقٌ بِالْوَقْتِ فَيُعْتَبَرُ فِيْهِ اٰخِرُهٗ
اطلاق حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے اور اس لئے کہ (مسح کا) حکم وقت کے ساتھ متعلق ہے لہٰذا اس میں آخر وقت کا اعتبار ہوگا
بِخِلَافِ مَا اِذَا اسْتَكْمَلَ الْمُدَّةَ لِلْاِقَامَةِ ثُمَّ سَافَرَ لِاَنَّ
برخلاف اس صورت کے کہ جب اقامت کی مدت پوری کر کے پھر سفر شروع کرے
الْحَدَثَ قَدْ سَرٰى اِلَى الْقَدَمِ وَالْخُفُّ لَيْسَ بِرَافِعٍ
کیونکہ حدث قدم تک سرایت کر گیا ہے اور موزہ رافع حدث نہیں ہے

مقیم مسافر ہو گیا یا مسافر مقیم بن گیا ان کیلئے مدت کی تبدیلی کا حکم

تشریح:۔ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:۔

(۱) یہ کہ وہ طہارت جس پر موزے پہنے تھے اس کے ٹوٹنے سے پہلے سفر اختیار کیا پھر بحالت سفر کسی ناقض کی وجہ سے اس کی طہارت ٹوٹ گئی تو اس صورت میں بالاتفاق مدت اقامت مدت سفر کی طرف منتقل ہو جائے گی یعنی اس صورت میں بالاتفاق مسح کی مدت تین دن اور تین راتیں پوری کرے۔

(۲) یہ کہ حدث کے بعد مدت اقامت پوری ہونے کے بعد سفر شروع کیا اس صورت میں بالاتفاق مدت اقامت مدت سفر کی طرف منتقل نہیں ہوگی یعنی اس صورت میں ایک دن اور ایک رات پورا ہونے کے بعد موزے نکال دے۔

(۳) یہ کہ سفر اختیار کیا حدث کے بعد اور مدت اقامت پوری ہونے سے پہلے اس صورت میں ہمارے نزدیک مدت اقامت مدت سفر کی طرف منتقل ہو جائے گی یعنی تین دن تک مسح کریگا۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک مدت اقامت مدت سفر کی طرف منتقل نہیں ہوگی بلکہ ایک دن رات پورا کر کے موزے نکالنا ضروری

ہوگا۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسح ایک عبادت ہے اور ہر وہ عبادت جو بحالت اقامت شروع کی گئی ہو سفر کی وجہ سے متغیر نہیں ہوتی جیسے کسی نے بحالت اقامت رمضان کا روزہ شروع کیا پھر سفر اختیار کیا تو اس سفر کی وجہ سے آج کے روزہ کا افطار کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اور جیسے کسی نے شہر میں کشتی میں نماز پڑھنی شروع کی پھر کشتی چل پڑی تو یہ شخص درمیان صلاۃ میں مسافر نہیں ہوگا بلکہ اپنی نماز چار رکعت پوری کرے گا۔ دلیل یہ ہے کہ اقامت کی حالت عزیمت کی حالت ہے اور سفر کی حالت رخصت کی حالت ہے پس جب عبادت میں دونوں حالتیں جمع ہو جائیں تو عزیمت کو رخصت پر غلبہ دیا جائے گا۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول يَمْسَحُ الْمُسَافِرُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ کا اطلاق ہے یعنی ہر مسافر کیلئے تین دن مسح کرنے کی اجازت ہے اور چونکہ یہ بھی مسافر ہو گیا اس لئے اس کو بھی تین دن مسح کرنے کی اجازت ہوگی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مسح کا حکم وقت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور جس چیز کا حکم وقت کے ساتھ متعلق ہو اس میں آخر وقت کا اعتبار کیا جاتا ہے جیسے حائضہ اگر نماز کے آخر وقت میں پاک ہو گئی تو اس پر اس وقت کی نماز واجب ہوگی اور اسی طرح اگر پاک عورت نماز کے آخر وقت میں حائضہ ہو گئی تو اس وقت کی نماز اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر مسافر آخر وقت میں مقیم ہو گیا تو نماز پوری کرے گا اور اگر مقیم نے آخر وقت میں سفر شروع کر دیا تو قصر کرے گا پس جب آخر وقت معتبر ہے تو مدت اقامت پوری ہونے سے پہلے جب مقیم نے سفر شروع کیا تو وہ مسح کی مدت سفر پوری کرے گا اس کے برخلاف جب اس نے اقامت کی مدت ایک دن رات پوری کرلی پھر سفر کیا تو اب تین دن رات پوری نہیں کر سکتا کیونکہ حدث تو قدم تک ساری ہو چکا اور موزہ رافع حدث نہیں ہے لہٰذا رفع حدث کیلئے پیروں کا دھونا لازم ہوگا۔

وَلَوْ اَقَامَ وَهُوَ مُسَافِرٌ اِنِ اسْتَكْمَلَ مُدَّةَ الْاِقَامَةِ نَزَعَ لِاَنَّ رُخْصَةَ السَّفَرِ لَا تَبْقٰى بِدُوْنِهٖ

اور اگر مسافر مقیم ہو گیا (پس) اگر وہ اقامت کی مدت پوری کر چکا تو (موزہ) نکال دے کیونکہ سفر کی رخصت بغیر سفر کے باقی نہیں رہ سکتی

وَاِنْ لَّمْ يَسْتَكْمِلْ اَتَمَّهَا لِاَنَّ هٰذِهٖ مُدَّةُ الْاِقَامَةِ وَهُوَ مُقِيْمٌ

اور اگر اس نے ایک دن رات کی مدت پوری نہیں کی تو اسی کو پورا کرے کیونکہ یہی مدت اقامت ہے اور یہ شخص مقیم ہے

مسافر مدت سے پہلے مقیم ہو گیا اور مقیم والی مدت مسح مکمل ہو چکی تو موزہ اتار دے

تشریح: صورت مسئلہ اور دلیل ظاہر ہے۔

وَمَنْ لَبِسَ الْجُرْمُوْقَ فَوْقَ الْخُفِّ مَسَحَ عَلَيْهِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فَاِنَّهٗ يَقُوْلُ

اور جس شخص نے موزے پر جرموق پہنا تو جرموق پر مسح کرے بخلاف امام شافعیؒ کے کیونکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

اَلْبَدَلُ لَا يَكُوْنُ لَهٗ بَدَلٌ وَلَنَا اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَسَحَ عَلَى الْجُرْمُوْقَيْنِ وَلِاَنَّهٗ تَبَعٌ لِلْخُفِّ اِسْتِعْمَالًا

بدل کا بدل نہیں ہوتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جرموقین پر مسح کیا ہے اور اس لئے کہ جرموق استعمال

وَغَرَضاً فَصَارَ كَخُفٍّ ذِيْ طَاقَيْنِ وَهُوَ بَدَلٌ عَنِ الرِّجْلِ لَا عَنِ الْخُفِّ
اور غرض کے اعتبار سے موزہ کے تابع ہے تو وہ (موزے پر جرموق) دو طاقہ موزہ کی طرح ہو گیا اور جرموق پاؤں کا بدل ہے نہ کہ موزہ کا
بِخِلَافِ مَا إِذَا لَبِسَ الْجُرْمُوْقَ بَعْدَ مَا أَحْدَثَ لِأَنَّ الْحَدَثَ حَلَّ بِالْخُفِّ فَلَا يَتَحَوَّلُ إِلَى غَيْرِهِ
بخلاف اس کے کہ جب جرموق حدث لاحق ہونے کے بعد پہنے کیونکہ حدث موزے میں حلول کر گیا لہٰذا اس کے غیر کی طرف منتقل نہیں ہوگا
وَلَوْ كَانَ الْجُرْمُوْقُ مِنْ كِرْبَاسٍ لَا يَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَا يَصْلُحُ بَدَلاً عَنِ الرِّجْلِ
اور اگر جرموق سوتی کپڑے کے ہوں تو اس پر مسح کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ پاؤں کا بدل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے
إِلَّا أَنْ تَنْفُذَ الْبِلَّةُ إِلَى الْخُفِّ
الا یہ کہ تری موزہ تک نفوذ کر جائے (تو مسح کرنا جائز ہوگا)۔

جرموق پر مسح کا حکم

تشریح: جرموق وہ موزہ ہے جو موزے پر پہنا جاتا ہے تاکہ موزہ کو کیچڑ نجاست وغیرہ سے بچایا جاسکے۔ اور جرموق کی ساق موزے کی ساق سے چھوٹی ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک موزوں کے اوپر جرموق پر مسح کرنا جائز ہے اور امام شافعیؒ نے کہا کہ جرموقین پر مسح جائز نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ موزہ پاؤں کا بدل ہے اور بدل کا بدل نہیں ہوتا کیونکہ مسح علی الخفین پر شریعت وارد ہوئی ہے پاؤں کا بدل ہو کر پس جرموق پر مسح جائز قرار دینا موزہ کا بدل ہو کر ہوگا حالانکہ یہ نا جائز ہے اس لئے جرموق پر مسح نا جائز قرار دیا گیا ہے۔

اور ہماری دلیل حدیث عمرؓ ہے:۔ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَسَحَ عَلَى الْجُرْمُوْقَيْنِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے حضور ﷺ کو جرموقین پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اور مسند امام احمد میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَسَحَ على الْمُوْقَيْنِ موق بھی جرموق ہی کا نام ہے۔

ہماری عقلی دلیل یہ ہے کہ جرموق استعمال اور غرض میں موزے کے تابع ہوتا ہے استعمال میں تو اس لئے کہ جرموق موزے کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور غرض میں اس لئے کہ جرموق موزے کی حفاظت کے واسطے ہوتا ہے جیسا کہ موزہ پاؤں کی حفاظت کے واسطے ہوتا ہے پس موزہ پر جرموق ایسا ہو گیا جیسے دو طاقہ (دو تہہ والا) موزہ، اور دو طاقہ موزہ کے بالائی طاق پر مسح بالاتفاق جائز ہے لہٰذا موزوں کے اوپر جرموقین پر مسح کرنا جائز ہوگا۔

اور رہا یہ کہ جرموق بدل ہے سو یہ صحیح نہیں کیونکہ جرموق موزہ کا بدل نہیں بلکہ پاؤں کا بدل ہے۔ اس کے برخلاف اگر حدث کے بعد جرموق پہنا تو اس پر مسح جائز نہ ہوگا کیونکہ حدث موزے میں حلول کر چکا لہٰذا اب اس سے منتقل ہو کر جرموق پر نہ آئے گا اور اگر

جرموق سوتی کپڑے کا ہو تو اس پر بھی مسح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سوتی کپڑے کا جرموق پاؤں کا بدل نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ سوتی کپڑے کے جرموق پہن کر مسلسل چلنا ممکن نہیں ہے۔ ہاں اگر جرموق اتنے باریک کپڑے کا ہو کہ پانی کی تری جرموق سے چھن کر موزے تک پہنچ جائے تو اسپر مسح جائز ہے لیکن اس لئے نہیں کہ یہ مسح جرموق پر ہوا بلکہ اس لئے کہ یہ مسح موزہ پر ہوا اور جرموق رقیق ہونے کی وجہ سے موزہ پر تری پہنچنے سے مانع نہیں ہے۔

وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَا مُجَلَّدَيْنِ اَوْ مُنَعَّلَيْنِ وَقَالَا يَجُوزُ
اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جوربین پر مسح کرنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ وہ مجلد ہوں یا منعل ہوں۔ اور صاحبین نے کہا کہ جائز ہے
اِذَا كَانَا ثَخِيْنَيْنِ لَا يَشِفَّانِ لِمَا رُوِيَ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَسَحَ عَلَى جَوْرَبَيْهِ وَلِاَنَّهُ يُمْكِنُهُ الْمَشْيُ فِيْهِ
بشرطیکہ اتنے موٹے ہوں کہ چھنتے نہ ہوں بوجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی کہ حضور ﷺ نے اپنے جوربین پر مسح کیا اور اس لئے کہ ایسے جورب (پہن کر) چلنا ممکن ہے
اِذَا كَانَ ثَخِيْنًا وَهُوَ اَنْ يَتَمَسَّكَ عَلَى السَّاقِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُرْبَطَ بِشَيْءٍ فَاَشْبَهَ الْخُفَّ
جبکہ موٹے (گاڑھے) ہوں اور وہ یہ کہ بغیر کسی کپڑے کے ساتھ باندھے پنڈلی پر ٹھہر جائیں، پس (ایسی جراب) موزہ کے مشابہ ہوگی
وَلَهُ اَنَّهُ لَيْسَ فِيْ مَعْنَى الْخُفِّ لِاَنَّهُ لَا يُمْكِنُ مُوَاظَبَةُ الْمَشْيِ فِيْهِ اِلَّا اِذَا كَانَ مُنَعَّلًا
اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ جورب، موزے کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ اس میں مسلسل چلنا ممکن نہیں ہے الا یہ کہ جب منعل ہو
وَهُوَ مَحْمَلُ الْحَدِيْثِ وَعَنْهُ اَنَّهُ رَجَعَ اِلَى قَوْلِهِمَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى
اور یہی معنی حدیث کا محمل ہیں۔ اور امام صاحبؒ سے مروی ہے کہ آپ نے صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع کیا اور اسی پر فتویٰ ہے

جورابوں پر مسح کرنے کی شرعی حیثیت

تشریح ۔ مجلد وہ ہے جس کے اوپر اور نیچے چمڑا لگایا گیا ہو۔ اور منعل وہ کہ چمڑا اس کے نیچے لگایا گیا ہو۔ مسح علی الجوربین کی تین صورتیں ہیں:۔

(۱) یہ کہ وہ گاڑھے موٹے کپڑے کے ہوں اور منعل ہوں یا مجلد ہوں اس صورت میں بالاتفاق جوربین پر مسح جائز ہے۔

(۲) یہ کہ نہ موٹے کپڑے کے ہوں اور نہ منعل ہوں تو اس صورت میں بالاتفاق مسح جائز نہیں ہے۔

(۳) یہ کہ موٹے کپڑے کے ہوں مگر منعل نہ ہوں تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسح جائز نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ ہے۔ چونکہ حدیث مطلق ہے اس لئے مطلق جوربین پر مسح جائز ہوگا منعل ہوں یا غیر منعل ہوں دلیل عقلی یہ ہے کہ اگر جوربین موٹے

اور ایسے مضبوط کپڑے کے ہوں کہ بغیر باندھے پنڈلی پر ٹھہرے رہیں تو ان کو پہن کر چلنا اور سفر کرنا ممکن ہے پس یہ جوربین موزوں کے مشابہ ہو گئے لہٰذا جس طرح موزوں پر مسح جائز ہے جوربین پر بھی جائز ہوگا۔

اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جورب کو موزے کے ساتھ لاحق کرنا اس وقت درست ہوگا جبکہ جورب مِنْ کُلِّ وَجْہٍ موزے کے معنی میں ہو، حالانکہ جورب موزے کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ موزہ پہن کر مواظبت مشی ممکن ہے اور غیر منعل جورب پہن کر مواظبت مشی ممکن نہیں ہاں اگر جورب منعل ہوں تو چونکہ اس کے ساتھ مواظبت مشی ممکن ہے اس لئے اس پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا محمل بھی یہی جورب منعل ہے۔

امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ آپ نے مرض وفات میں موت سے سات دن پہلے یا تین دن پہلے جوربین غیر منعلین پر مسح کیا اور جو حضرات عیادت کے لئے آئے تھے ان سے کہا فَعَلْتُ مَا كُنْتُ اَمْنَعُ النَّاسَ عَنْهُ میں جس سے لوگوں کو منع کرتا تھا میں نے وہ کام خود کر لیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت امام صاحبؒ نے صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا فاضل مصنفؒ کہتے ہیں کہ فتویٰ اسی قول مرجوع الیہ پر ہے۔

وَلَا يَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَالْبُرْقُعِ وَالْقُفَّازَيْنِ لِاَنَّهٗ
اور عمامہ، ٹوپی، برقع اور دستانوں پر مسح جائز نہیں، کیونکہ
لَا حَرَجَ فِيْ نَزْعِ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ وَالرُّخْصَةُ لِدَفْعِ الْحَرَجِ
ان چیزوں کے نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے حالانکہ رخصت تو حرج دور کرنے کیلئے ہے

پگڑی، ٹوپی، برقع اور دستانوں پر مسح جائز نہیں

تشریح:۔ علمائے احناف کے نزدیک عمامہ، ٹوپی، برقع اور دستانوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ امام اوزاعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ عمامہ پر مسح جائز ہے دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کا موزوں اور عمامہ پر مسح کرنا ثابت ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کی رخصت حرج دور کرنے کیلئے ثابت ہے اور ان چیزوں کو اتارنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے ان چیزوں پر مسح جائز نہ ہوگا۔

وَيَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَى الْجَبَائِرِ وَاِنْ شَدَّهَا عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَ ذٰلِكَ وَاَمَرَ عَلِيًّا
اور جبائر پر مسح جائز ہے اگرچہ اس کو بغیر وضو باندھا ہو، اس لئے کہ حضور ﷺ نے اسی طرح کیا اور حضرت علیؓ کو اسکا حکم دیا
رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بِهٖ وَلِاَنَّ الْحَرَجَ فِيْهِ فَوْقَ الْحَرَجِ فِيْ نَزْعِ الْخُفِّ فَكَانَ اَوْلٰى بِشَرْعِ الْمَسْحِ
اور اس لئے کہ جبیرہ اتارنے میں جو حرج ہے وہ موزہ اتارنے کے حرج سے بڑھ کر ہے پس جبیرہ مشروعیت مسح کا زیادہ مستحق ہے

وَيَكْتَفِيْ بِالْمَسْحِ عَلٰى اَكْثَرِهَا ذَكَرَهُ الْحَسَنُ وَلَا يَتَوَقَّتُ
اور اکثر جبیرہ پر مسح کرنے پر اکتفاء کرے اس کو حسنؒ نے ذکر کیا ہے۔ اور مسح علی الجبائر کسی وقت کے ساتھ موقت نہیں ہے
لِعَدَمِ التَّوْقِيْفِ بِالتَّوْقِيْتِ وَاِنْ سَقَطَتِ الْجَبِيْرَةُ عَنْ غَيْرِ بُرْءٍ لَا يَبْطُلُ الْمَسْحُ لِاَنَّ الْعُذْرَ قَائِمٌ
اس لئے کہ توقیت کے بارے میں شرعی نص نہیں ہے اور اگر جبیرہ بغیر اچھا ہوئے گر پڑے تو مسح باطل نہ ہوگا کیونکہ عذر موجود ہے
وَالْمَسْحُ عَلَيْهَا كَالْغَسْلِ لِمَا تَحْتَهَا مَا دَامَ الْعُذْرُ بَاقِيًا وَاِنْ سَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ بَطَلَ لِزَوَالِ الْعُذْرِ
اور اس پر مسح کرنا ایسا ہے جیسا کہ اس کے نیچے کا دھونا جب تک کہ عذر باقی ہے اور اگر اچھا ہونے سے گر پڑے تو مسح عذر کے زائل ہونے کی وجہ سے باطل ہو جائے گا
وَاِنْ كَانَ فِي الصَّلٰوةِ اِسْتَقْبَلَ لِاَنَّهُ قَدَرَ عَلَى الْاَصْلِ قَبْلَ حُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ بِالْبَدَلِ
اور اگر نماز میں گر پڑے تو نماز کو از سر نو پڑھے کیونکہ بدل کے ساتھ مقصود پورا ہو جانے سے پہلے وہ اصل پر قادر ہو گیا

پٹی پر مسح کا حکم

تشریح ۔۔ جبائر، جبیرۃ کی جمع ہے اور جبیرہ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو ٹوٹی ہوئی ہڈی پر باندھی جائے، قاضی خاںؒ نے کہا کہ جبائر پر مسح کرنے کی اجازت اس وقت ہے جبکہ زخم پر مسح کرنا تکلیف دہ ہو۔ اور اگر زخم پر مسح تکلیف نہ دے تو جبائر پر مسح نہ کرے۔ حاصل یہ ہے کہ جبائر پر مسح کرنا مشروع ہے اگرچہ ان کو بغیر وضو کے باندھا ہو۔

دلیل یہ ہے کہ جبیرہ باندھا جاتا ہے ضرورت کے وقت اور اس حالت میں طہارت کی شرط لگانا مُفْضِی اِلَی الْحَرَجِ ہوگا اس لئے طہارت کی شرط نہیں لگائی گئی۔ اور اس بارے میں اصل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے خود بھی جبیرہ پر مسح کیا اور اُحد کے دن جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ کا گٹا ٹوٹ گیا تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبیرہ پر مسح کرنے کا حکم دیا تھا۔ صاحب عنایہؒ نے پورا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے پس جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گٹا ٹوٹ گیا اور ہاتھ سے جھنڈا گر گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لو کیونکہ علی دنیا و آخرت میں میرے جھنڈے کا مالک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا مَا اَصْنَعُ بِالْجَبَائِرِ جبائر کے ساتھ کیا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اِمْسَحْ عَلَيْهَا جبائر پر مسح کرو، اس حدیث میں اس کی کوئی تفصیل نہیں کہ جبیرہ طہارت پر باندھا گیا ہے یا بغیر طہارت کے۔ پس معلوم ہوا کہ مطلق جبیرہ پر مسح کرنا مشروع ہے خواہ طہارت پر باندھا ہو یا بغیر طہارت کے باندھا ہو۔

دلیل عقلی یہ ہے کہ موزہ اتارنے میں جس قدر حرج ہوتا ہے جبیرہ کھولنے اور باندھنے میں اس سے کہیں زائد حرج ہے پس جب حرج دور کرنے کے لئے موزوں پر مسح مشروع کیا گیا تو جبیرہ پر بدرجہ اولیٰ مسح مشروع ہوگا۔

رہا اس کا حکم کہ اگر بعض جبائر پر مسح کیا اور بعض پر نہیں تو یہ کافی ہوگا یا نہیں تو اس بارے میں ظاہر الروایہ میں کچھ مذکور نہیں البتہ حسن بن زیادؒ کے امالی میں ہے اگر اکثر جبائر پر مسح کیا تو کافی ہوگا اور اگر نصف یا اس سے کم پر کیا تو کافی نہیں ہوگا۔ فرمایا کہ مسح علی الجبیرۃ کے واسطے کوئی وقت مقدر نہیں ہے بلکہ زخم کے اچھا ہونے تک اس پر مسح کرنا جائز ہے کیونکہ مسح علی الجبیرۃ کی تحدید وقت میں کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی ہے اس عبارت سے مسح علی الجبیرۃ اور مسح علی الخف کے درمیان فرق کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کیونکہ مسح علی الجبیرۃ میں وقت مقدر ہے اور مسح علی الجبیرۃ میں وقت مقدر نہیں ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ مسح علی الجبیرۃ بغیر طہارت کے بھی جائز ہے مگر مسح علی الخف بغیر طہارت کے جائز نہیں ہے۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ جبیرہ اگر بغیر زخم اچھا ہوئے گر گیا تو مسح باطل نہیں ہوگا برخلاف موزہ کے کہ اگر وہ نکل گیا تو مسح باطل ہو جائے گا دلیل یہ ہے کہ عذر موجود ہے اور جب تک عذر باقی ہے تو جبیرہ پر مسح کرنا ایسا ہے جیسے اس کے نیچے کا دھونا حتی کہ اگر ایک پاؤں پر جبیرہ ہو اور اس پر مسح کیا ہو تو دوسرے پاؤں پر موزہ پہن کر اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہے تاکہ حکماً غسل اور مسح کے درمیان جمع کرنا لازم نہ آئے، اور اگر جبیرہ گر گیا زخم اچھا ہونے کی وجہ سے تو مسح علی الجبیرۃ باطل ہو جائے گا کیونکہ جس عذر کی وجہ سے مسح علی الجبیرۃ مشروع تھا وہ عذر زائل ہوگیا۔

اور اگر جبیرہ نماز کے درمیان گر گیا درآنحالیکہ زخم اچھا ہو گیا ہے تو نماز نئے سرے سے پڑھے گا کیونکہ یہ شخص بدل کے ساتھ مقصود حاصل کرنے سے پہلے اصل پر قادر ہو گیا جیسے متیمم اگر درمیان نماز پانی پر قادر ہو جائے تو وضو کر کے از سر نو نماز پڑھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ جمیل احمد عفی عنہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بَابُ الْحَيْضِ وَالْاِسْتِحَاضَةِ

(یہ) باب حیض اور استحاضہ (کے بیان میں) ہے

تشریح:۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ حیض ونفاس اَحداث میں سے ہیں یا اَنجاس میں سے۔ بعض کی رائے ہے کہ یہ دونوں انجاس میں سے ہیں اور بعض نے کہا کہ اَحداث میں سے ہیں۔ دوسرا قول انسب ہے کیونکہ مصنفؒ نے اس کے بعد باب الانجاس ذکر کیا ہے پس اگر ان دونوں کو اَنجاس کے قبیل سے مان لیا جائے تو باب الانجاس محض تکرار ہوگا۔ اب ماقبل کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہوگی کہ سابق میں ان اَحداث کا ذکر تھا جو کثیر الوقوع ہیں اور اس باب میں قلیل الوقوع اَحداث مذکور ہیں۔

رہی یہ بات کہ عنوان میں نفاس کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا درآنحالیکہ اس باب کے تحت اس کا حکم مذکور ہے۔ جواب نفاس حیض کے ہی معنی میں ہے لہٰذا حیض کا ذکر کرنا درحقیقت نفاس کا ذکر کرنا ہے اس لئے حیض کے ذکر سے نفاس کا ذکر مستغنی ہوگیا۔ لیکن اگر یہ

سوال کیا جائے کہ جب دونوں ہم معنی ہیں تو عنوان میں نفاس کا ذکر کردیا جاتا اور حیض کا نہ کیا جاتا ایسا کیوں نہیں کیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ حیض کا وقوع بکثرت ہے بہ نسبت نفاس کے، اس لئے اس کو ذکر کیا گیا۔

حیض: لغت میں نکلنے والے خون کو کہتے ہیں اور فقہاء کے نزدیک حیض وہ خون ہے جس کو ایسی عورت کا رحم پھینکے جو بیماری اور صغر سے سلامت ہو (عنایہ و فتح القدیر) ابتداء میں حیض کا سبب یہ تھا کہ حضرت حوا علیہا السلام نے جب شجر ممنوعہ کھانے کی وجہ سے رب حقیقی کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حیض کے ساتھ مبتلا کردیا پس اس وقت سے اب تک ان کی اولاد میں یہ ابتلاء برابر جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

أَقَلُّ الْحَيْضِ ثَلٰثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا وَمَا نَقَصَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُوَ اِسْتِحَاضَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَقَلُّ الْحَيْضِ

حیض کی ادنیٰ مدت تین دن اور ان کی راتیں ہیں اور جو اس (مقدار) سے کم ہو وہ استحاضہ ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جاریہ باکرہ

لِلْجَارِيَةِ الْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ ثَلٰثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا وَأَكْثَرُهُ عَشَرَةُ أَيَّامٍ وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّؒ

اور ثیبہ کے حیض کی کم از کم مدت تین دن اور ان کی راتیں ہیں اور ان کی اکثر مدت دس دن ہیں۔ اور یہ (حدیث) ایک دن رات کے ساتھ اندازہ لگانے میں امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے

فِي التَّقْدِيْرِ بِيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ أَنَّهُ يَوْمَانِ وَالْأَكْثَرُ مِنَ الْيَوْمِ الثَّالِثِ

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ حیض کی کم از کم مدت دو دن اور تیسرے دن کا اکثر ہے

إِقَامَةً لِلْأَكْثَرِ مَقَامَ الْكُلِّ قُلْنَا هٰذَا نَقْصٌ عَنْ تَقْدِيْرِ الشَّرْعِ

اکثر کو کل کے قائم مقام کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ یہ تقدیر شرع سے کم کرنا ہے

حیض کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت

تشریح:۔ ہمارے نزدیک اقل مدت حیض تین دن اور ان کی راتیں ہیں اور جو خون اس مدت سے کم ہوگا وہ استحاضہ ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ دو دن پورے اور تیسرے دن کا اکثر حصہ اقل مدت حیض ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ مطلق خون حیض ہے۔ خواہ ایک ساعت ہو۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ایک دن ایک رات اقل مدت حیض ہے۔ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابو امامہ باہلی، عائشہ، واثلہ، انس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کیا اَنَّهُ ﷺ قَالَ أَقَلُّ الْحَيْضِ لِلْجَارِيَةِ الْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا وَأَكْثَرُهُ عَشَرَةُ أَيَّامٍ یہی مدت حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابن عباس، عثمان بن ابی العاص اور انس بن مالک رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے۔ اور ان حضرات سے مروی ایسا ہے جیسا کہ حضور ﷺ سے مروی ہو۔ کیونکہ مقادیر کو پہچاننے میں قیاس کو کوئی دخل نہیں ہوتا لہٰذا ان حضرات نے حضور ﷺ سے سن کر ہی فرمایا ہوگا۔

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ لَا حَيْضَ دُوْنَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ وَ لَا حَيْضَ فَوْقَ عَشَرَةِ اَيَّامٍ امام ابو یوسفؒ نے لِئَلَّا يَتَغَيَّرَ حُكْمُ الْكُلِّ کے قاعدے سے استدلال کیا ہے۔
امام مالکؒ نے کہا کہ حیض ایک حدث ہے لہٰذا یہ بھی دوسرے احداث کی طرح کسی چیز کے ساتھ مقدر نہیں ہوگا۔
حضرت امام شافعیؒ نے کہا کہ سیلانِ دم نے جب دن رات کی تمام ساعتوں کو گھیر لیا تو معلوم ہوا کہ یہ خون رحم سے ہے پس دم حیض معلوم کرنے کیلئے مزید وقت کی ضرورت نہیں رہی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے ان تمام دلائل کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے اقل مدت حیض تین دن مقرر کی ہے پس ان حضرات کے نزدیک اگر اس سے کم مدت پر اکتفاء کیا جائے تو اقل مدت تین دن نہیں رہے گی اور ظاہر ہے کہ یہ تقدیرِ شرع میں سے کم کرنا ہے حالانکہ تقدیرِ شرع سے کم کرنا جائز نہیں ہے۔

وَاَكْثَرُهُ عَشَرَةُ اَيَّامٍ وَالزَّائِدُ اِسْتِحَاضَةٌ لِمَا رَوَيْنَا وَهُوَ

اور حیض کی اکثر مدت دس دن ہیں اور جو (اس سے) زائد ہو وہ استحاضہ ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی اور یہ حدیث پندرہ دن کے ساتھ اندازہ لگانے میں

حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي التَّقْدِيْرِ بِخَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا ثُمَّ الزَّائِدُ وَالنَّاقِصُ اِسْتِحَاضَةٌ

امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے پھر جو زائد ہو یا کم ہو وہ استحاضہ ہے کیونکہ تقدیرِ شرع

لِاَنَّ تَقْدِيْرَ الشَّرْعِ يَمْنَعُ اِلْحَاقَ غَيْرِهٖ بِهٖ

اس کے ساتھ کسی اور چیز کے الحاق کو منع کرتی ہے

دس دن سے زائد خون استحاضہ ہے

تشریح:۔ ہمارے نزدیک حیض کی اکثر مدت دس دن ہیں۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک پندرہ دن ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا قول اول بھی یہی ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل عورتوں کے نقصانِ دین کے بارے میں حضور ﷺ کا قول تَقْعُدُ اِحْدَاهُنَّ شَطْرَ عُمْرِهَا لَا تَصُوْمُ وَلَا تُصَلِّيْ ہے۔ یعنی عورت اپنی عمر کا نصف حصہ بیٹھی رہتی ہے نہ نماز پڑھتی اور نہ روزہ رکھتی ہے۔
حدیث میں شطر بمعنی نصف ہے اور اس سے مراد حیض کا زمانہ ہے۔
وجہ استدلال یہ ہے کہ عمر کا اندازہ لگتا ہے سالوں کے ساتھ اور سال کا اندازہ مہینوں کے ساتھ اور ایک ماہ کا نصف پندرہ یوم ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ عورت حیض کی وجہ سے پندرہ یوم نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔
اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے مسئلہ میں گذر چکی یعنی اَكْثَرُهُ عَشَرَةُ اَيَّامٍ واضح ہو کہ تین دن سے کم اور دس دن سے زائد جو خون آیا ہو وہ استحاضہ کا خون کہلائے گا کیونکہ شریعت کا کسی چیز کو مقدر کرنا اس بات سے مانع ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز لاحق کی جائے پس جو خون تقدیرِ شرع سے کم یا زائد ہوگا وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہوگا۔

وَمَا تَرَاهُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْحُمْرَةِ وَالصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ حَيْضٌ حَتّٰى تَرَى الْبَيَاضَ خَالِصاً وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ
اور جو سرخی، زردی اور مٹیالہ رنگ عورت دیکھے وہ حیض ہے یہاں تک کہ خالص سفیدی کو دیکھے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ
لَا تَكُوْنُ الْكُدْرَةُ مِنَ الْحَيْضِ اِلَّا بَعْدَ الدَّمِ لِاَنَّهُ لَوْ كَانَ مِنَ الرَّحِمِ لَتَأَخَّرَ خُرُوْجُ الْكَدِرِ عَنِ الصَّافِيْ وَلَهُمَا
کدورت حیض سے نہیں مگر خون کے بعد کیونکہ اگر مکدر بھی رحم سے آتا تو صافی کے بعد مکدر کا خروج ہوتا۔ اور طرفین کی دلیل وہ ہے
مَارُوِيَ اَنَّ عَائِشَةَ جَعَلَتْ مَا سِوَى الْبَيَاضِ الْخَالِصِ حَيْضًا وَهٰذَا لَا يُعْرَفُ اِلَّا سَمَاعاً وَفَمُ الرَّحِمِ مَنْكُوْسٌ فَيَخْرُجُ الْكَدِرُ اَوَّلاً
جو مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے سوائے بیاض خالص کے سب کو حیض قرار دیا۔ اور یہ بات سن کر ہی معلوم ہو سکتی ہے اور (چونکہ) رحم کا منہ اوندھا ہے تو مکدر پہلے نکلے گا
كَالْجَرَّةِ اِذَا ثُقِبَ اَسْفَلُهَا وَاَمَّا الْخُضْرَةُ فَالصَّحِيْحُ اَنَّ الْمَرْأَةَ اِذَا كَانَتْ مِنْ ذَوَاتِ الْاَقْرَاءِ تَكُوْنُ حَيْضًا
جیسے گھڑا جب اس کے پیندے میں سوراخ کر دیا جائے اور رہا سبز رنگ تو صحیح یہ ہے کہ اگر عورت ذوات الحیض میں سے ہو تو وہ حیض ہوگا
وَيُحْمَلُ عَلٰى فَسَادِ الْغِذَاءِ وَاِنْ كَانَتْ كَبِيْرَةً لَا تَرٰى غَيْرَ الْخُضْرَةِ تُحْمَلُ عَلٰى فَسَادِ الْمَنْبَتِ فَلَا تَكُوْنُ حَيْضًا
اور اسے فساد غذا پر محمول کیا جائے گا اور اگر عورت بوڑھی ہو کہ سبز رنگ کے علاوہ نہیں دیکھتی تو رحم کے فساد پر محمول کیا جائے گا، پس یہ حیض نہ ہوگا

حیض کے الوان

تشریح:۔ الوان حیض چھ ہیں (۱) سیاہ (۲) سرخ (۳) زرد (۴) گدلا (۵) سبز (۶) مٹیالا

مصنفؒ نے سیاہ رنگ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اس کے حیض ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے **دَمُ الْحَيْضِ اَسْوَدُ عَبِيْطٌ مُحْتَدِمٌ** یعنی حیض کا خون سیاہ تازہ گہرا سرخ ہوتا ہے۔ حدیث میں عبیط کے معنی تازے کے ہیں اور مُحْتَدِمٌ کے معنی گہرے سرخ کے ہیں۔ سرخ رنگ جب بہت گہرا ہو جائے تو وہ سیاہی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اور مٹیالے رنگ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ گدلے رنگ سے قریب تر ہے گدلے رنگ سے مٹیالے رنگ کا ذکر بھی ہو گیا۔ حاصل یہ ہے کہ سیاہ اور سرخ رنگ کا خون بالاجماع حیض ہیں اور گہرا زرد اصح قول پر حیض ہے۔

اور رہا گدلے رنگ کا خون، سو وہ طرفین کے نزدیک حیض ہے خواہ اول ایام حیض میں دیکھا ہو یا آخر ایام میں اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ کدورت (گدلے رنگ کا خون) حیض نہیں ہوگا الا یہ کہ صاف خون کے بعد نکلا ہو۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ رحم کے خون میں عادت یہ ہے کہ پہلے صاف رنگ کا خون نکلتا ہے پھر گدلے رنگ کا۔ پس جب پہلے گدلے رنگ کا خون نکلا تو معلوم ہو گیا کہ یہ خون رحم سے نہیں آیا بلکہ کسی رگ وغیرہ سے آیا ہے اور جو خون رحم کے علاوہ سے آتا ہے وہ حیض کا خون نہیں کہلاتا اس لئے گدلے رنگ کا خون حیض نہیں کہلائے گا۔

صاحب عنایہ نے امام ابو یوسفؒ کی دلیل اس طرح بیان کی ہے کہ ہر چیز کا گدلا پن اس کے صاف کے تابع ہوتا ہے پس اگر گدلے رنگ کو حیض قرار دیا جائے حالانکہ اس سے پہلے صاف خون نہیں آیا تو گدلا رنگ مقصود ہو جائے گا نہ کہ تابع حالانکہ ہر چیز کا گدلا اس کے صاف کے تابع ہوتا ہے۔

اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خالص سفیدی کے علاوہ سب کو حیض قرار دیا ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے اپنی مؤطا میں حدیث بیان کی ہے: **عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ اَبِیْ عَلْقَمَةَ عَنْ اُمِّهٖ مَوْلَاةِ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ النِّسَاءُ یَبْعَثْنَ اِلٰی عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا بِالدِّرَجَةِ فِیْهَا الْكُرْسُفُ فِیْهِ الصُّفْرَةُ مِنْ دَمِ الْحَیْضِ یَسْأَلْنَهَا عَنِ الصَّلٰوةِ فَتَقُوْلُ لَهُنَّ لَا تَعْجَلْنَ حَتّٰی تَرَیْنَ الْقَصَّةَ الْبَیْضَاءَ۔** علقمہ بن ابی علقمہ اپنی ماں جو اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی ہیں ان سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ڈبہ بھیجتیں جس میں حیض کے زرد رنگ کے خون سے آلود کرسف ہوتا وہ عورتیں نماز کے بارے میں دریافت کرتیں، پس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے فرماتیں کہ جلدی نہ کرو یہاں تک کہ قصہ بیضاء (خالص سفیدی) نہ دیکھ لو۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ سفید رنگ کے علاوہ تمام رنگ حیض کا خون ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو کچھ کہا اور کہا وہ حضور ﷺ سے سن کر ہی فرمایا ہوگا۔

لیکن اگر یہ کہا جائے کہ حضور ﷺ کا قول **دَمُ الْحَیْضِ اَسْوَدُ عَبِیْطٌ مُحْتَدِمٌ** اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سیاہ خون کے علاوہ کوئی بھی حیض کا خون نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ **تخصیص شیٔ بالذکر** کے باب سے ہے اور **تخصیص شیٔ بالذکر** اس کے ماعدا کے نفی پر دلالت نہیں کرتا۔ .... **وَفَمُ الرَّحِمِ مَنْكُوْسٌ اِلَخ** سے امام ابو یوسفؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ گدلا رنگ صاف ستھرے کے بعد آتا ہے ہمیں یہ بات تسلیم ہے مگر یہ اس وقت ہوگا جب کہ برتن کی تلی میں سوراخ نہ ہو اور اگر برتن کی تلی میں سوراخ ہو تو پہلے گدلا رنگ ظاہر ہوگا اس کے بعد صاف چیز نکلے گی پس یہاں یہی صورت ہے اس لئے کہ رحم اوندھا لٹکا ہوا ہے۔ اور اس کا منہ جانب اسفل (نیچے کی طرف) ہے اور ایام حیض کے علاوہ رحم کا منہ بند رہتا ہے پس جب ایام حیض میں رحم کا منہ کھلے گا تو سب سے پہلے نیچے کی تلچھٹ یعنی گدلے رنگ کا خون نکلے گا لہٰذا گدلے رنگ کے خون کو رحم سے قرار نہ دینا صحیح نہیں ہے۔

اور رہا سبز رنگ کا خون تو اس بارے میں صحیح یہ ہے کہ عورت اگر ذوات الحیض میں سے ہے یعنی ایسی عمر کی ہے کہ اس کو حیض آتا ہے تو یہ سبز رنگ کا خون حیض ہوگا اور اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس کی غذا کے ہضم میں کوئی خرابی ہے جس سے اس کو سبز رنگ خون آیا۔

اور اگر عورت بوڑھی ہے اور سبز رنگ کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ نہیں دیکھتی تو یہ حیض کا خون نہیں ہوگا۔ بلکہ کہا جائے گا کہ یہ

خون رحم کے بگڑ جانے کی وجہ سے آیا ہے اس لئے کہ اصلاً خون کا رنگ سبز نہیں ہوتا۔

فوائد: آئسہ مختار قول کے مطابق پچپن سال میں ہوتی ہے اور بعض کے نزدیک پچاس سال میں اور بعض کے نزدیک ستر سال میں۔

وَالْحَيْضُ يُسْقِطُ عَنِ الْحَائِضِ الصَّلٰوةَ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهَا الصَّوْمَ وَتَقْضِيُ الصَّوْمَ

اور حیض حائضہ عورت سے نماز کو ساقط کر دیتا ہے اور اس پر روزہ رکھنے کو حرام کر دیتا ہے اور حائضہ عورت روزہ کی قضا کرے

وَلَا تَقْضِيُ الصَّلَوَاتِ لِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا كَانَتْ اِحْدَانَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور نمازوں کی قضا نہ کرے کیونکہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں

اِذَا طَهُرَتْ مِنْ حَيْضِهَا تَقْضِيُ الصِّيَامَ وَلَا تَقْضِي الصَّلَوَاتِ وَلِاَنَّ فِيْ قَضَاءِ الصَّلَوَاتِ حَرَجاً

ہم میں سے جب کوئی اپنے حیض سے پاک ہوتی تو وہ روزے قضا کرتی اور نمازیں قضا نہیں کرتی تھی۔ اور اس لئے کہ نمازوں کی قضا میں ان کے دوچند ہو جانے کی وجہ سے حرج ہے

لِتَضَاعُفِهَا وَلَا حَرَجَ فِيْ قَضَاءِ الصَّوْمِ

اور روزہ کی قضا میں حرج نہیں ہے

حالت حیض میں نماز، روزہ کا حکم

تشریح:- یہاں سے احکام حیض کا بیان ہے۔ نہایہ میں لکھا ہے کہ حیض کے بارہ احکام ہیں۔ آٹھ احکام تو ایسے ہیں جن میں حیض اور نفاس مشترک ہیں اور چار ایسے ہیں جو حیض کے ساتھ مختص ہیں۔ ان آٹھ میں سے ایک تو ترک نماز لا الی قضا ہے دوسرے ترک صوم الی قضا ہے یعنی حیض والی عورت سے نماز ساقط ہوتی ہے اور ان کی قضا واجب نہیں ہوتی، اور اس پر روزہ رکھنا حرام ہے مگر روزوں کی قضا واجب ہوگی۔

دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ہم ازواج مطہرات میں سے جب کوئی اپنے حیض سے پاک ہوتی تو وہ روزوں کی قضا کرتی اور نمازوں کی قضا نہیں کرتی تھی۔

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ نمازوں کی قضا میں حرج ہے کیونکہ وہ دوچند ہو جائیں گی اور روزے کی قضا میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ سال میں ایک ماہ کے روزے فرض ہیں پس اگر حیض کی وجہ سے کسی عورت نے دس روزے رمضان میں نہ رکھے تو باقی گیارہ ماہ میں یہ دس روزے قضا کر لے گی۔ اس کے برخلاف نماز کہ وہ ہر روز میں پانچ وقت کی فرض ہے پھر دس دن میں پچاس نمازیں قضا ہوئیں اب پاک ہونے کے بعد اگر وہ ہر روز پانچ وقت کی قضا کرے گی تو ہر دن پانچ نمازیں ادا ہوں گی اور پانچ قضا ہوں گی۔ پس اس طرح اس پر دوچند نمازیں ہو گئیں اور یہ معاملہ ہر ماہ پیش آئے گا اور ظاہر ہے کہ اس میں حرج شدید ہے اور اللہ رب

العزت نے اپنے بندوں پر سے حرج دور کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ مَاجَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اس وجہ سے حائضہ عورت پر نمازوں کی قضاء واجب نہیں ہے۔

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ وجوب قضاء موقوف ہوتا ہے وجوب اداء پر کیونکہ قضاء ادا کا خلیفہ ہے اور خلیفہ اس سبب سے واجب ہوتا ہے جس سبب سے اصل واجب ہوتا ہے پس جب حائضہ عورت پر اداءِ صوم واجب نہیں تو اس پر روزہ کی قضاء بھی واجب نہ ہونی چاہئے۔

جواب:۔ قاعدہ تو یہی ہے لیکن روزہ کی قضاء خلاف قیاس نص سے ثابت ہے، اس لئے روزہ کی قضاء واجب کی گئی ہے۔

وَلَا تَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَكَذَا الْجُنُبُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنِّيْ لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ
اور حائضہ مسجد میں داخل نہ ہو اور اسی طرح جنبی کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ میں کسی حائضہ کیلئے مسجد کو حلال نہیں رکھتا
وَلَا جُنُبٍ وَهُوَ بِإِطْلَاقِهِ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِيْ إِبَاحَةِ الدُّخُوْلِ عَلٰى وَجْهِ الْعُبُوْرِ وَالْمُرُوْرِ
اور نہ جنبی کے لئے اور یہ حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے گذرنے کے طور پر دخول کو مباح قرار دینے میں امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے

حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں

تشریح:۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ حائضہ مسجد میں داخل نہ ہو اور اسی طرح جنبی کے واسطے بھی مسجد میں داخل ہونا ناجائز ہے۔

اور امام شافعیؒ نے کہا کہ حائضہ اور جنبی کا مسجد سے گذرنا تو جائز ہے مگر ٹھہرنا جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول وَلَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ (منہ سے) کیا کہتے ہو اور جنابت کی حالت میں بھی باستثناء تمہارے مسافر ہونے کے، یہاں تک کہ غسل کرلو۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ آیت میں صلوٰۃ سے مراد مکان صلوٰۃ یعنی مسجد ہے۔ اور عابری سبیل کے معنی گزرنے کے ہیں۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جنبی کا مسجد کے قریب جانا درست نہیں لیکن اگر مسجد سے گذرے اور نہ ٹھہرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ہماری دلیل حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَإِنِّيْ لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان گھروں کے دروازے مسجد کی طرف سے پھیردو کیونکہ میں مسجد کو حائض یا جُنب کے واسطے حلال نہیں رکھتا۔

ہماری طرف سے امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں إِلَّا وَلَا کے معنی میں ہے یعنی مسجد کے قریب نہ جنبی جائے اور نہ وہ علی سبیل المرور داخل ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ سے حقیقت صلوٰۃ مراد ہے اور عابری سبیل سے مراد

مسافرین ہیں اب مطلب یہ ہوگا کہ نماز نہ بحالت نشہ پڑھو اور نہ بحالت جنابت لیکن اگر جُنب مسافر ہوں تو وہ غسل کرنے سے پہلے تیمم کرکے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

وَ لَا تَطُوْفُ بِالْبَیْتِ لِاَنَّ الطَّوَافَ فِی الْمَسْجِدِ
اور خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے کیونکہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے

حائضہ کیلئے طواف کرنا جائز نہیں

تشریح:۔ چوتھا حکم یہ ہے کہ حائضہ عورت بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ دلیل یہ ہے کہ طواف مسجد میں واقع ہوتا ہے اور حائضہ کے واسطے مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے اس لئے طواف کرنا بھی ممنوع ہوگا۔ مولانا نجم الدین زاہدیؒ نے فرمایا کہ اس علت میں ضعف ہے کیونکہ اس علت کا تقاضا تو یہ ہے کہ حائضہ کیلئے طواف کی ممانعت اس لئے ہے کہ طواف کرنے کیلئے مسجد میں داخل ہونا پڑتا ہے اور حائضہ کے لئے دخول فی المسجد ناجائز ہے اس لئے طواف کرنا بحالت حیض ناجائز ہے پس اگر وہ مسجد کے باہر سے طواف کرے تو جائز ہونا چاہیے حالانکہ حائضہ کیلئے مطلقاً طواف کرنا ناجائز ہے خواہ مسجد حرام میں داخل ہوکر کرے خواہ مسجد کے باہر سے کرے۔ درآنحالیکہ پاک عورت کے لئے خارج مسجد طواف کرنا جائز ہے اس لئے زیادہ مناسب علت یہ تھی کہ حائضہ کیلئے بیت اللہ کا طواف اس وجہ سے ناجائز ہے کہ بیت اللہ کا طواف نماز کے مانند ہے حضور ﷺ نے فرمایا اَلطَّوَافُ بِالْبَیْتِ صَلٰوۃٌ اور حائضہ کے واسطے نماز پڑھنا ممنوع ہے لہذا طواف کرنا بھی ممنوع ہوگا۔

وَ لَا یَاْتِیْهَا زَوْجُهَا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ
اور اس کے پاس اس کا شوہر نہ آئے کیونکہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے کہ حیض والیوں کے ساتھ قربت مت کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں

حائضہ کے ساتھ مباشرت جائز نہیں

تشریح:۔ پانچواں حکم یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ وطی کرنا حرام ہے، دلیل باری تعالیٰ کا قول "وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ" ہے پس اگر شوہر نے حائضہ بیوی کے ساتھ حلال سمجھ کر وطی کی تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر حرام سمجھ کر کی تو فاسق ہوگا اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا اور اس پر توبہ واجب ہوگی اور ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے۔

اور بعض نے کہا کہ اگر شروع حیض میں وطی کی ہو تو ایک دینار صدقہ کرے گا اور اگر آخر حیض میں وطی کی ہو تو نصف دینار صدقہ کرے۔ اور رہا یہ کہ جماع کے علاوہ حائضہ عورت کے ساتھ لطف اندوز ہونا جائز ہے یا ناجائز ہے تو اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک نفع اٹھانا حرام ہے۔ اور امام محمد و امام احمدؒ نے کہا کہ فرج کے علاوہ کوئی حصہ بدن حرام نہیں ہے۔

امام محمدؒ اور امام احمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہود کی عادت یہ تھی کہ جب کسی عورت کو حیض آتا تو وہ اس کے ساتھ کھانا پینا ترک کردیتے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ نازل فرمائی حضور ﷺ نے فرمایا: اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ اور ایک روایت میں ہے اِلَّا الْجِمَاعَ یعنی ہر کام کرو علاوہ وطی کے۔

شیخینؒ کے دلیل یہ حدیث ہے عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَمَّا يَحِلُّ لِيْ مِنِ امْرَأَتِيْ وَهِيَ حَائِضٌ فَقَالَ لَكَ مَافَوْقَ الْاِزَارِ حضرت عبداللہ بن سعدؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اس چیز کے بارے میں جو میری بیوی سے میرے لئے حلال ہے حالانکہ وہ حائضہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا مَافَوْقَ الْاِزَارِ.

وَلَيْسَ لِلْحَائِضِ وَالْجُنُبِ وَالنُّفَسَاءِ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَالْجُنُبُ
اور حائضہ، جنبی اور نفاس والی عورت کیلئے قرآن پڑھنا جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ حائضہ اور جنبی
شَيْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَهُوَ حُجَّةٌ عَلٰى مَالِكٍ فِي الْحَائِضِ وَهُوَ بِاِطْلَاقِهٖ
قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں اور یہ حدیث حائضہ کے بارے میں امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے اور یہ نص اپنے اطلاق کی وجہ سے
يَتَنَاوَلُ مَادُوْنَ الْاٰيَةِ فَيَكُوْنُ حُجَّةً عَلَى الطَّحَاوِيِّ فِيْ اِبَاحَتِهٖ
مادون الآیت کو بھی شامل ہے پس یہ نص امام طحاوی کے خلاف مادون الآیت کی قراءت کو مباح قرار دینے میں حجت ہوگی

حائضہ، جنبی اور نفاس والی عورت کیلئے قراءت قرآن جائز نہیں

تشریح ۔ چھٹا حکم، قرآن پڑھنا نہ حائضہ کے واسطے جائز ہے اور نہ جنبی کے واسطے، خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو اور نہ زچہ کے واسطے۔ نہ ایک آیت پڑھنا جائز ہے اور نہ ایک آیت سے کم۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ حائضہ کے واسطے قراءت قرآن جائز ہے۔ اور امام طحاویؒ ایک آیت سے کم کی قراءت کو مباح کہتے ہیں۔

امام طحاویؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ دو حکم متعلق ہیں۔ ایک جواز صلاۃ یعنی قراءت قرآن سے نماز جائز ہوتی ہے دوم حائضہ وغیرہ کے لئے منع عن القراءۃ یعنی حائضہ وغیرہ کو قراءت قرآن ممنوع ہے۔ پھر ایک حکم یعنی جواز صلاۃ میں آیت اور مادون الآیت میں فصل ہے چنانچہ ایک آیت کی مقدار سے نماز جائز ہوجاتی ہے اور مادون الآیت سے نماز جائز نہیں ہوتی پس ایسے ہی دوسرے حکم میں فصل ہونا چاہیے کہ حائضہ عورت کیلئے ایک آیت کی مقدار پڑھنا ممنوع ہو اور اس سے کم کا پڑھنا جائز ہو۔

حضرت امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ حائضہ عورت معذور ہے اور قراءت قرآن کی محتاج ہے اور طہارت حاصل کرنے پر بھی قادر نہیں اس ضرورت کے پیش نظر حائضہ کیلئے قرآن پڑھنا جائز قرار دیا گیا۔ اس کے برخلاف جنبی کہ وہ غسل یا تیمم کے ساتھ پاکی حاصل کرنے پر قادر ہے اور چونکہ نفاس قلیل الوقوع ہے اس لئے اس کے حق میں اس ضرورت کا اعتبار نہیں کیا گیا ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ ہے۔

یہ حدیث امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے کیونکہ یہ حدیث صراحت کے ساتھ حائضہ کیلئے عدم جواز قراءت پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا امام مالکؒ کی عقلی دلیل، حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہوگی۔ اور چونکہ حدیث مطلق ہے اس لئے آیت اور مادون الآیت دونوں کو شامل ہوگی لہٰذا امام طحاویؒ کا آیت کی قراءت کو ناجائز اور مادون الآیت کی قراءت کو جائز قرار دینا قرار دینا صحیح نہیں بلکہ مطلقاً قراءت قرآن حائضہ کے لئے ناجائز ہے۔

وَلَيْسَ لَهُمْ مَسُّ الْمُصْحَفِ اِلَّا بِغِلَافِهٖ وَ لَا اَخْذُ دِرْهَمٍ فِيْهِ سُوْرَةٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ
اور ان کے جائز نہیں کہ وہ بغیر غلاف قرآن کو چھوئیں اور نہ ایسے درہم کو لینا (جائز ہے) جس میں قرآن کی سورت ہو مگر اس کی
اِلَّا بِصُرَّتِهٖ وَكَذَا الْمُحْدِثُ لَا يَمَسُّ الْمُصْحَفَ اِلَّا بِغِلَافِهٖ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَمَسُّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاهِرٌ
ہمیانی کے ساتھ۔ اور اسی طرح محدث بھی قرآن نہ چھوئے مگر اس کے غلاف کے ساتھ کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ قرآن کو پاک ہی چھوئے
ثُمَّ الْحَدَثُ وَالْجَنَابَةُ حَلَّا الْيَدَ فَيَسْتَوِيَانِ فِيْ حُكْمِ الْمَسِّ وَالْجَنَابَةُ حَلَّتِ الْفَمَ
پھر حدث اور جنابت دونوں نے ہاتھ میں حلول کیا لہٰذا چھونے کے حکم میں دونوں برابر ہوں گے اور جنابت نے منہ میں بھی حلول کیا
دُوْنَ الْحَدَثِ فَيَفْتَرِقَانِ فِيْ حُكْمِ الْقِرَاءَةِ وَغِلَافُهٗ مَا يَكُوْنُ مُتَجَافِيًا عَنْهُ
نہ کہ حدث نے تو (قرآن) پڑھنے کے حکم میں دونوں جدا ہوں گے۔ اور اس کا غلاف وہ ہوتا ہے جو قرآن سے جدا ہو
دُوْنَ مَا هُوَ مُتَّصِلٌ بِهٖ كَالْجِلْدِ الْمُشَرَّزِ هُوَ الصَّحِيْحُ وَيُكْرَهُ مَسُّهٗ بِالْكُمِّ هُوَ الصَّحِيْحُ لِاَنَّهٗ
نہ وہ جو اس کے ساتھ متصل ہو جیسے جلد مشرز (چولی) یہی صحیح ہے اور آستین سے قرآن کا چھونا مکروہ ہے یہی صحیح ہے کیونکہ آستین
تَابِعٌ لَهٗ بِخِلَافِ كُتُبِ الشَّرِيْعَةِ لِاَهْلِهَا حَيْثُ يُرَخَّصُ فِيْ مَسِّهَا بِالْكُمِّ لِاَنَّ فِيْهِ ضَرُوْرَةً
اس کے تابع ہے بخلاف شرعی کتابوں کے کہ ان کے اہل کیلئے (ان کو) آستین سے ان کے چھونے کی اجازت ہے اس لئے کہ اس میں ضرورت ہے
وَلَا بَاْسَ بِدَفْعِ الْمُصْحَفِ اِلَى الصِّبْيَانِ لِاَنَّ فِي الْمَنْعِ تَضْيِيْعَ حِفْظِ الْقُرْاٰنِ
اور بچوں کو قرآن دینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ روکنے میں حفظ قرآن کا ضائع کرنا ہے
وَفِي الْاَمْرِ بِالتَّطْهِيْرِ حَرَجًا بِهِمْ وَهٰذَا هُوَ الصَّحِيْحُ
اور بچوں کو (ہر وقت) طہارت کا حکم دینے میں ان کے حق میں حرج ہے اور (بچوں کے بارے میں) یہی حکم صحیح ہے

قرآن کو چھونے کا حکم

تشریح: ساتواں حکم یہ ہے کہ حائضہ، جنبی اور نفساء کے واسطے بغیر غلاف قرآن پاک کا چھونا جائز نہیں ہے اور جس

درہم پر قرآن کی آیت لکھی ہو اس کا چھونا بھی جائز نہیں ہے مگر ہمیانی، تھیلی کے ساتھ اس کا چھونا جائز ہے اور یہی حکم محدث (بے وضو) کا ہے۔ دلیل حضور علیہ السلام کا قول لَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ اِلَّا طَاهِرٌ ہے یعنی قرآن کو صرف پاک آدمی ہی چھو سکتا ہے۔

اور حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَمَّا بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ علیہ السلام اِلَى الْيَمَنِ قَالَ لَا تَمَسَّ الْقُرْآنَ اِلَّا وَاَنْتَ طَاهِرٌ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ علیہ السلام نے مجھ کو یمن بھیجا تو فرمایا کہ تو قرآن کو مت چھونا مگر یہ کہ تو پاک ہو۔

بعض حضرات نے مصنفؒ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے قرآن پاک کی آیت اِنَّهٗ لَقُرْآنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ سے استدلال کیوں نہیں کیا حالانکہ یہ آیت بغیر طہارت قرآن چھونے پر نہی میں ظاہر ہے۔

جواب یہ ہے کہ بعض علماء نے کہا کہ اس کے معنی ملائکہ کرام بررہ ہیں پس اس احتمال کی وجہ سے مصنفؒ نے اس آیت سے استدلال نہیں کیا ہے۔

صاحبؒ ہدایہ فرماتے ہیں کہ حدث اور جنابت مس مصحف کے حرام ہونے میں دونوں شریک ہیں مگر قراءت قرآن میں دونوں کا حکم مختلف ہے چنانچہ محدث کے واسطے تلاوت کرنا جائز ہے اور جنبی کے واسطے تلاوت کرنا جائز نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ دونوں حدث ہاتھوں میں حلول کر جاتے ہیں اس لئے دونوں صورتوں میں ہاتھ سے قرآن کا چھونا ناجائز ہے۔

اور حدث منہ کے اندر سرایت نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ اس پر کلی کرنا واجب نہیں ہے اور چونکہ جنابت منہ کے اندر سرایت کر جاتی ہے اسی لئے جنبی پر کلی کرنا واجب ہے پس جب حدث منہ کے اندر سرایت نہیں کرتا اور جنابت کا حکم منہ کے اندر ثابت ہو جاتا ہے تو محدث کیلئے قراءت قرآن جائز اور جنبی کے لئے ناجائز ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ غلاف جس کے ساتھ چھونا جائز ہے وہ ہوتا ہے جو مصحف سے جدا ہو یعنی ماس (چھونے والا) اور ممسوس (جس کو چھویا گیا) کے درمیان واسطہ ہو۔ اور مصحف کے ساتھ متصل نہ ہو جیسے مشرز (چولی) حاصل یہ کہ غلاف سے مراد قرآن پاک کا جزدان ہے صاحب تحفہ نے کہا کہ مشائخ نے غلاف کے مصداق میں اختلاف کیا ہے۔

بعض نے کہا کہ غلاف سے مراد وہ جلد ہے جو مصحف کے ساتھ متصل ہوتی ہے یعنی چولی اور بعض نے کہا کہ آستین مراد ہے اور بعض نے کہا کہ غلاف سے مراد تھیلا (جزدان) ہے جس میں قرآن پاک رکھا جاتا ہے یہی قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ چولی تو قرآن پاک کے تابع ہے اور آستین چھونے والے کے تابع ہے اور جزدان ان دونوں میں سے کسی کے تابع نہیں ہے اس کے برخلاف شرعی کتابیں ہیں کہ علماء شرع کو آستین سے ان کے چھونے کی اجازت ہے کیونکہ اس میں ضرورت ہے اور یہی عامۃ المشائخ کا قول ہے۔

اور بے وضو بچوں کو قرآن پاک دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو ان کو قرآن پاک چھونے سے روکا جائے گا اور یا ان کو طہارت حاصل کرنے کا حکم دیا جائے گا پہلی صورت میں حفظ قرآن کا ضائع کرنا لازم

آئے گا اور دوسری صورت میں حرج لاحق ہوگا۔

وَإِذَا انْقَطَعَ دَمُ الْحَيْضِ لِأَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ أَيَّامٍ لَمْ تَحِلَّ وَطْيُهَا حَتَّى تَغْتَسِلَ
اور جب حیض کا خون دس دن سے کم پر منقطع ہو تو اس عورت کے ساتھ وطی حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ غسل کرلے
لِأَنَّ الدَّمَ يَدُرُّ تَارَةً وَيَنْقَطِعُ أُخْرَى فَلَا بُدَّ مِنَ الْإِغْتِسَالِ لِيَتَرَجَّحَ جَانِبُ الْإِنْقِطَاعِ وَلَوْ لَمْ تَغْتَسِلْ
کیونکہ خون کبھی بہتا ہے اور کبھی منقطع ہو جاتا ہے پس غسل کرنا ضروری ہے تاکہ انقطاع کی جانب راجح ہو جائے۔ اور اگر عورت نے غسل نہ کیا
وَمَضَى عَلَيْهَا أَدْنَى وَقْتِ الصَّلٰوةِ بِقَدْرِ أَنْ تَقْدِرَ عَلَى الْإِغْتِسَالِ وَالتَّحْرِيْمَةِ حَلَّ وَطْيُهَا
اور اس پر نماز کا ادنیٰ وقت اتنی مقدار کے ساتھ گذر گیا کہ عورت اس میں غسل اور تحریمہ پر قادر تھی تو اس سے وطی حلال ہوگی
لِأَنَّ الصَّلٰوةَ صَارَتْ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهَا فَطَهُرَتْ حُكْمًا
کیونکہ نماز اس کے ذمہ قرضہ ہوگئی تو وہ حکماً پاک ہوگئی

دس دن سے کم پر حیض ختم ہو جائے تو غسل سے پہلے مباشرت کا حکم

تشریح:۔ آٹھواں حکم یہ ہے کہ اگر عادت کے مطابق دس روز سے کم پر حیض کا خون منقطع ہو گیا تو اس کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت غسل کرلے۔ دلیل یہ ہے کہ خون کبھی بہنے لگتا ہے اور کبھی منقطع ہوتا ہے پس انقطاع کی جہت کو ترجیح دینے کے لئے غسل کرنا ضروری ہے۔

اور اگر عورت نے انقطاع کے بعد غسل نہیں کیا البتہ اتنی مقدار وقت گذر گیا کہ وہ اس وقت میں غسل کر کے تحریمہ باندھ سکتی تھی تو اس کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے کیونکہ نماز اس کے ذمہ قرضہ ہوگئی لہٰذا یہ عورت حکماً پاک ہوگئی اس لئے کہ جب شریعت نے اس پر نماز واجب ہونے کا حکم کر دیا تو گویا اس کے پاک ہونے کا حکم کر دیا۔ کیونکہ حالت حیض میں نماز درست نہیں ہوتی ہے۔

وَلَوْ كَانَ انْقَطَعَ الدَّمُ دُوْنَ عَادَتِهَا فَوْقَ الثَّلٰثِ لَمْ يَقْرَبْهَا
اور اگر خون اس کی عادت (کے ایام) سے کم میں (اور) تین دن سے زیادہ پر منقطع ہوا تو عورت کے ساتھ قربت نہ کرے
حَتّٰى تَمْضِيَ عَادَتُهَا وَإِنِ اغْتَسَلَتْ لِأَنَّ الْعَوْدَ فِي الْعَادَةِ غَالِبٌ فَكَانَ الْإِحْتِيَاطُ فِي الْإِجْتِنَابِ
اگرچہ عورت غسل کرلے یہاں تک کہ اس کی عادت گذر جائے کیونکہ عادت میں (خون کا) عود کرنا اکثر ہوتا ہے پس احتیاط اجتناب ہی میں ہے
وَإِنِ انْقَطَعَ الدَّمُ لِعَشَرَةِ أَيَّامٍ حَلَّ وَطْيُهَا قَبْلَ الْغُسْلِ لِأَنَّ الْحَيْضَ لَا مَزِيْدَ لَهُ عَلَى الْعَشَرَةِ
اور اگر خون دس دن پر منقطع ہو تو غسل کرنے سے پہلے اس سے وطی کرنا حلال ہے کیونکہ دس روز پر حیض کیلئے زیادتی نہیں ہوسکتی

اِلَّا اَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ قَبْلَ الْاِغْتِسَالِ لِلنَّهْيِ فِي الْقِرَاءَةِ بِالتَّشْدِيْدِ
مگر یہ کہ غسل کرنے سے پہلے وطی مستحب نہیں ہے اس نہی کی وجہ سے جو قراءت بالتشدید میں وارد ہے

حیض کا خون تین دن سے زیادہ اور عادت کے ایام سے کم پر ختم ہو تو مباشرت کرنے کا حکم

تشریح:۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر خون تین دن سے زائد اور ایام عادت سے کم میں منقطع ہوا مثلاً عادت سات دن ہیں اور خون پانچ دن آکر بند ہو گیا تو ایسی صورت میں اس عورت کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں ہے اگر چہ یہ عورت غسل کر لے تاوقتیکہ ایام عادت نہ گذر جائیں کیونکہ ایام عادت میں اکثر خون عود کر آتا ہے لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ اس کے ساتھ وطی کرنے سے اجتناب کرے۔

اور اگر دس روز گذرنے پر خون منقطع ہوا تو اس کے ساتھ وطی کرنا اس کے نہانے سے پہلے حلال ہے کیونکہ حیض دس روز سے زائد نہیں ہوتا اس وجہ سے دس دن کے بعد حیض نہ رہا لیکن اتنی بات ہے کہ غسل کرنے سے پہلے وطی کرنا مستحب نہیں ہے اس ممانعت کی وجہ سے جو قراءت بالتشدید میں ہے یعنی باری تعالیٰ کا قول وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطَّهَّرْنَ (طا اور ہا کی تشدید کے ساتھ) پس اس قراءت کے مطابق طہارت میں مبالغہ مطلوب ہوگا اور طہارت میں مبالغہ یہ ہے کہ خون منقطع ہو جانے کے بعد بھی غسل کرے۔ یہ قراءت اگر چہ مادون العشرۃ اور عشرۃ دونوں کو شامل ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ مادون العشرۃ کی صورت میں خون منقطع ہونے کے بعد غسل کرنا ضروری ہے بغیر غسل کے وطی کرنا جائز نہ ہوگا اور عشرۃ یعنی دس دن خون آکر منقطع ہونے کی صورت میں جواز وطی کے لئے غسل کرنا مستحب ہے۔

وَالطُّهْرُ اِذَا تَخَلَّلَ بَيْنَ الدَّمَيْنِ فِي مُدَّةِ الْحَيْضِ فَهُوَ كَالدَّمِ الْمُتَوَالِي قَالَ
اور جب طہر مدت حیض میں دو خونوں کے درمیان واقع ہو جائے تو وہ پے در پے خون کے مانند ہے۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ
هٰذِهٖ اِحْدَى الرِّوَايَاتِ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَوَجْهُهُ اَنَّ اِسْتِيْعَابَ الدَّمِ مُدَّةَ الْحَيْضِ لَيْسَ بِشَرْطٍ بِالْاِجْمَاعِ
یہ امام ابو حنیفہؒ سے مروی روایات میں سے ایک ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خون کا مدت حیض کو گھیر لینا بالاجماع شرط نہیں ہے
فَيُعْتَبَرُ اَوَّلُهٗ وَاٰخِرُهٗ كَالنِّصَابِ فِيْ بَابِ الزَّكٰوةِ وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ
پس باب زکوٰۃ میں نصاب کی طرح اس کا اول اور آخر معتبر ہوگا۔ اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے اور ایک روایت ابو حنیفہؒ سے بھی ہے
وَقِيْلَ هُوَ اٰخِرُ اَقْوَالِهٖ اَنَّ الطُّهْرَ اِذَا كَانَ اَقَلَّ مِنْ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا لَا يَفْصِلُ وَهُوَ كُلُّهٗ كَالدَّمِ الْمُتَوَالِي
اور کہا گیا کہ یہ امام صاحبؒ کا آخری قول ہے کہ طہر جب پندرہ دن سے کم ہو تو فاصل نہیں ہوگا اور یہ سب پے در پے خون کی مانند ہے
لِاَنَّهٗ طُهْرٌ فَاسِدٌ فَيَكُوْنُ بِمَنْزِلَةِ الدَّمِ وَالْاَخْذُ بِهٰذَا الْقَوْلِ اَيْسَرُ وَتَمَامُهٗ
کیونکہ یہ طہر فاسد ہے لہٰذا یہ خون کے مرتبہ میں ہوگا۔ اور اس قول کا اختیار کرنا زیادہ آسان ہے اور اس کی پوری تفصیل

يُعْرَفُ فِيْ كِتَابِ الْحَيْضِ

(امام محمدؒ کی) کتاب الحیض میں پہچانی جاتی ہے۔

طہر متخلل کا حکم

تشریح:۔ طہر (طا کے ضمہ کے ساتھ) دوخونوں کے درمیان زمانہ فاصل کو کہتے ہیں پھر طہر کی دو قسمیں ہیں طہر فاسد (ناقص) اور طہر کامل۔ طہر کامل بالاتفاق فاصل ہوتا ہے اور طہر فاسد کے فاصل ہونے اور نہ ہونے میں امام ابوحنیفہؒ سے چھ قول روایت کیے گئے ہیں۔ ان میں سے دو قول صاحبؒ ہدایہ نے اپنی کتاب ہدایہ میں ذکر فرمائے ہیں۔ سو پہلے ان دونوں اقوال کو ذکر کیا جاتا ہے اس کے بعد باقی چار اقوال ذکر کیے جائیں گے۔ (وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَعِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ)

(۱) یہ کہ طہر ناقص یعنی پندرہ دن سے کم اگر دو خونوں کے درمیان مدت حیض میں واقع ہو تو یہ طہر فاصل نہیں ہوگا بلکہ پورا زمانہ حیض شمار ہوگا۔ مثلاً ایک مبتدأہ (جس کو پہلی بار خون آیا) نے ایک روز خون دیکھا اور آٹھ روز پاک رہی پھر ایک روز خون دیکھا تو یہ دس دن حیض ہیں یہ امام محمدؒ کی روایت امام صاحبؒ سے۔

دلیل یہ ہے کہ مدت حیض میں مسلسل بلا انقطاع خون آتے رہنا کسی کے نزدیک شرط نہیں لہٰذا اول و آخر میں خون کا پایا جانا کافی ہوگا جیسے وجوب زکوٰۃ کے لئے سال کے اول و آخر میں نصاب کا پایا جانا کافی ہے۔ پورے سال کا گھیرنا بالاتفاق شرط نہیں ہے۔

(۲) یہ کہ طہر ناقص مطلقاً فاصل نہیں ہوگا خواہ یہ طہر دس دن سے زائد ہی کیوں نہ ہو۔ یہ قول امام ابو یوسفؒ کا ہے اور یہی امام اعظمؒ کا آخری قول ہے پس اس قول کی بنا پر حیض کی ابتدا اور اختتام دونوں طہر سے ہو سکتی ہے مثلاً ایک عورت کی عادت یہ ہے کہ اس کو ہر ماہ کی یکم تاریخ سے دس تاریخ تک خون آتا ہے پھر اس نے عادت سے پہلے ایک روز خون دیکھا اور دس روز پاک رہی پھر ایک روز خون دیکھا تو اس کی عادت کے مطابق دس روز حیض قرار دیئے جاویں اور یہ دونوں خون کے درمیان کا عشرہ جس میں بالکل خون نہیں دیکھا ہے وہ حیض ہے اور عادت سے پہلے روز کا خون اور دس دن کے بعد جو خون ہے یہ استحاضہ ہے۔ مفتی اور مستفتی دونوں پر آسانی کے پیش نظر اسی قول پر فتویٰ ہے۔

(۳) عبداللہ بن المبارک امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر خون مدت حیض میں دونوں طرفوں کا احاطہ کیے ہوئے ہو اور دونوں خون مل کر نصاب (اقل مدت حیض) کو پہنچ جائیں تو یہ طہر بھی فاصل نہیں ہوگا۔ مثلاً عورت نے دو دن خون دیکھا اور سات روز پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا تو یہ دس کے دس دن حیض میں شمار ہوں گے۔

(۴) امام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ مذکورہ بالا قول میں جو شرطیں ہیں ان کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ طہر دونوں خون کے مساوی ہو یا کم ہو۔ اور امام محمدؒ دم حکمی کو بھی دم شمار کرتے ہیں مثلاً ایک عورت نے ابتدا میں دو روز خون دیکھا پھر تین روز پاک رہی پھر

ایک روز خون دیکھا پھر تین روز پاک رہی پھر ایک روز خون دیکھا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس عشرہ میں دو طہر واقع ہوئے لیکن طہر اول اپنے طرفین کے دونوں خون کے مساوی ہونے کی وجہ سے حکما خون ہو گیا اور اب حقیقی خون اور حکمی دونوں مل کر سات روز ہو گئے جو طہر ثانی سے زائد ہے لہٰذا طہر ثانی بھی خون شمار ہوگا اس طرح یہ پورا عشرہ امام محمدؒ کے نزدیک حیض ہوگا۔

(۵) ابو سہیل کا بھی یہی قول ہے مگر ابو سہیل دم حکمی کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک ضروری ہے کہ طہر دو حقیقی خونوں کے مساوی ہو یا کم ہو۔ چنانچہ مذکورہ مثال میں اول کے چھ دن حیض ہوں گے باقی چار حیض کے نہ ہوں گے۔

(۶) حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ طہر اگر تین دن یا زائد کا ہو تو وہ فاصل ہوگا اور اگر تین دن سے کم ہے تو فاصل نہیں ہوگا۔

وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ جَمِیْل۔

وَاَقَلُّ الطُّهْرِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْماً هٰكَذَا نُقِلَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ وَاَنَّهُ لَا يُعْرَفُ اِلَّا تَوْقِيْفًا وَ لَا غَايَةَ
اور طہر کی ادنیٰ مدت پندرہ دن ہیں اسی طرح ابراہیم نخعیؒ سے نقل کیا گیا ہے اور یہ بات بغیر توقیف کے معلوم نہیں ہو سکتی اور اکثر طہر
لِاَكْثَرِهٖ لِاَنَّهُ يَمْتَدُّ اِلٰى سَنَةٍ وَسَنَتَيْنِ فَلَا يَتَقَدَّرُ بِتَقْدِيْرٍ اِلَّا اِذَا اسْتَمَرَّ بِهَا الدَّمُ
کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ طہر ایک سال اور دو سال تک دراز ہو جاتا ہے پس کسی تقدیر کے ساتھ مقدر نہیں ہو سکتا مگر جبکہ خون آنا مستمر ہو جائے
يُعْرَفُ ذٰلِكَ فِيْ كِتَابِ الْحَيْضِ
یہ بات (امام محمدؒ کی) کتاب الحیض سے معلوم ہوتی ہے

طہر کی کم سے کم مدت

تشریح:۔ فرمایا کہ طہر کی کم از کم مدت پندرہ دن ہیں۔ ابراہیم نخعی تابعیؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ابراہیم نخعیؒ نے صحابیؓ سے اور صحابیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر فرمایا ہوگا کیونکہ یہ مقدار ہے اور شریعت میں مقادیر سن کر ہی معلوم ہو سکتی ہیں قیاس کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

شیخ ابو منصور ماتریدیؒ نے اقل مدت طہر پندرہ دن ہونے پر استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آئسہ اور صغیرہ کے حق میں ایک ماہ کو طہر اور حیض دونوں کے قائم مقام کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شئی دو چیزوں کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ ان دونوں پر آدھی آدھی منقسم ہوتی ہے پس مناسب تو یہ تھا کہ نصف ماہ حیض ہو اور نصف ماہ طہر ہو۔ لیکن چونکہ حیض کے نصف ماہ سے کم ہونے پر دلیل موجود ہے اس لئے حیض تو نصف ماہ سے کم یعنی دس دن ہوگا لیکن طہر ظاہر تقسیم پر باقی رہے گا۔

اور مبسوط میں مذکور ہے کہ مدت طہر مدت اقامت کی نظیر ہے چنانچہ جس طرح حالت اقامت میں ساقط شدہ نمازیں اور روزے لوٹ آتے ہیں اور احادیث و روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ اقل مدت اقامت پندرہ دن ہیں پس ایسے ہی اقل مدت طہر

اور عورت غلیظہ یعنی قبل اور دبر یعنی اسی اختلاف پر ہے حتی کہ چوتھائی کا کھلنا طرفین کے نزدیک موجب اعادہ ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک موجب اعادہ نہیں ہے۔ صاحب ہدایہؒ نے کہا ذکر (مرد کا عضو تناسل) تنہا ایک عضو ہے اور دونوں خصیے علیحدہ ایک عضو ہیں ان میں سے کسی ایک کا اگر چوتھائی کھل گیا تو نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ دونوں ملا کر ایک عضو نہیں ہے۔ اور یہی صحیح قول ہے۔ اور بعض نے کہا کہ دونوں خصیتین اور ذکر کا مجموعہ ایک عضو ہے کیونکہ خصیتین ذکر کے تابع ہیں لہذا مجموعہ کا ربع مانع صلوۃ ہوگا۔

فوائد: یہ تفصیل علماء احنافؒ کے نزدیک ہے ورنہ امام شافعیؒ کے نزدیک مانع جواز صلوۃ میں قلیل وکثیر سب برابر ہیں۔

وَمَا كَانَ عَوْرَةً مِنَ الرَّجُلِ فَهُوَ عَوْرَةٌ مِنَ الْاَمَةِ وَبَطْنُهَا وَظَهْرُهَا عَوْرَةٌ وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِنْ بَدَنِهَا

اور جو جسم مرد کا ستر ہے وہ باندی کا (بھی) ستر ہے اور اس کا پیٹ اور اس کی پیٹھ بھی ستر ہے اور اس کے علاوہ جو بدن ہے

لَيْسَ بِعَوْرَةٍ لِقَوْلِ عُمَرَؓ اَلْقِيْ عَنْكِ الْخِمَارَ يَا دِفَارُ! اَتَتَشَبَّهِيْنَ

وہ ستر نہیں ہے کیونکہ (ایک باندی سے) حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ اے گندی! اپنے اوپر سے اوڑھنی کو دور کر دے کیا تو آزاد عورتوں کے ساتھ

بِالْحَرَائِرِ وَلِاَنَّهَا تَخْرُجُ لِحَاجَةِ مَوْلَاهَا فِيْ ثِيَابِ مِهْنَتِهَا عَادَةً

مشابہت رکھنا چاہتی ہے۔ اور اس لئے کہ باندی تو عادۃً اپنے آقا کی ضرورتوں کے لئے اپنے خدمتی کپڑوں میں نکلے گی

فَاعْتُبِرَ حَالُهَا بِذَوَاتِ الْمَحَارِمِ فِيْ حَقِّ جَمِيْعِ الرِّجَالِ دَفْعًا لِلْحَرَجِ

پس تمام مردوں کے حق میں باندی کے حال کو ذوات محارم پر قیاس کیا گیا تا کہ حرج دور ہو

باندی کا ستر عورت

تشریح: اس عبارت میں باندی کے ستر عورت کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ مرد کا جو جسم عورت ہے یعنی ناف سے گھٹنے تک وہی جسم باندی کا ستر عورت ہے اس کے علاوہ باندی کا پیٹ اور اس کی پیٹھ بھی عورت ہے کیونکہ یہ دونوں محل شہوت ہیں لہذا ان کا چھپانا بھی فرض ہے البتہ اس حصہ کے علاوہ اس کا بدن عورت نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک باندی کو اوڑھنی اوڑھے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اے گندی اپنے اوپر سے اوڑھنی دور کر دے کیا تو آزاد عورتوں کیساتھ مشابہت رکھنا چاہتی ہے۔ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں **اِكْشِفِيْ رَاْسَكِ وَلَا تَتَشَبَّهِيْ بِالْحَرَائِرِ** اپنا سر کھول اور آزاد عورتوں کے مشابہ مت ہو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عادت یہ ہے کہ باندی اپنے آقا کی ضرورتوں کیلئے اپنے خدمتی کپڑوں میں نکلے گی پس تمام مردوں کے حق میں باندی کو ذوات محارم پر قیاس کیا جائے گا تا کہ حرج دور ہو۔ یعنی باندیاں پردہ کے حکم میں تمام مردوں کے حق میں ذوات محارم کے مانند ہوں گی یعنی جس قدر پردہ ماں پر اپنے بیٹے سے اور بہن پر اپنے بھائی سے واجب ہے اسی قدر پردہ باندی پر ہر

دم استحاضہ کا حکم

تشریح:۔ استحاضہ کا خون نکسیر کے خون کے مانند ہوتا ہے یعنی جس طرح نکسیر کا خون رگ سے آتا ہے اسی طرح استحاضہ کا خون بھی رگ سے نکلتا ہے پس نکسیر کے خون کے مانند استحاضہ کا خون بھی نماز، روزہ اور وطی کے لئے مانع نہیں ہے۔

دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابن ماجہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے پوری حدیث اس طرح ہے:۔ **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِیْ حُبَیْشٍ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَتْ اِنِّیْ اِمْرَأَةٌ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ لَا اِجْتَنِبِیْ الصَّلٰوةَ اَیَّامَ مَحِیْضِکِ ثُمَّ اغْتَسِلِیْ وَتَوَضَّئِیْ لِکُلِّ صَلٰوةٍ ثُمَّ صَلِّیْ وَاِنْ قَطَرَ الدَّمُ عَلَی الْحَصِیْرِ.**

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میں ایسی عورت ہوں کہ مستحاضہ ہوتی ہوں اور پاک نہیں ہوتی سو کیا میں نماز چھوڑ دوں (یہ سن کر) آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں (بلکہ) اپنے حیض کے ایام میں نماز سے الگ رہ پھر غسل کر اور ہر نماز کے واسطے وضو کر اور پھر نماز پڑھ اگرچہ خون بوریہ پر ٹپکے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ جب اس حدیث سے نماز کا حکم ثابت ہو گیا تو روزے اور وطی کا حکم بہ نتیجہ اجماع ثابت ہو گیا یعنی خون کا آنا نماز کے منافی ہے مگر اس کے باوجود استحاضہ کا خون مانع نماز نہیں ہے پس روزہ اور وطی جن کے خون کے منافی نہیں ان کے لئے بدرجہ اولیٰ مانع نہیں ہوگا۔

وَلَوْ زَادَ الدَّمُ عَلٰی عَشَرَةِ اَیَّامٍ وَلَهَا عَادَةٌ مَعْرُوْفَةٌ دُوْنَهَا رُدَّتْ اِلٰی اَیَّامِ عَادَتِهَا
اور اگر خون دس دن سے زیادہ ہو گیا حالانکہ عورت کی دس دن سے کم کی ایک پہچانی ہوئی عادت ہے تو وہ اپنے عادت کے ایام پر لوٹائی جائے گی
وَالَّذِیْ زَادَ اِسْتِحَاضَةٌ لِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَدَعُ الصَّلٰوةَ اَیَّامَ اَقْرَائِهَا
اور جو خون (زمانہ عادت معروفہ سے) بڑھا وہ استحاضہ ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مستحاضہ اپنے ایام حیض میں نماز چھوڑ دے
وَلِاَنَّ الزَّائِدَ عَلَی الْعَادَةِ یُجَانِسُ مَازَادَ عَلَی الْعَشَرَةِ فَیُلْحَقُ بِهٖ وَاِنْ ابْتَدَأَتْ مَعَ الْبُلُوْغِ مُسْتَحَاضَةً
اور اس لئے کہ جو خون عادت پر زائد ہے وہ ہم جنس ہے اس خون کے جو دس دن پر زائد ہے۔ پس اسی کے ساتھ ملحق ہوگا۔ اور اگر عورت مستحاضہ ہو کر بالغہ ہو
فَحَیْضُهَا عَشَرَةُ اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ وَالْبَاقِیْ اِسْتِحَاضَةٌ لِاَنَّا عَرَفْنَاهُ حَیْضًا فَلَا یَخْرُجُ عَنْهُ بِالشَّکِّ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.
تو اس کا حیض ہر ماہ میں سے دس روز ہوگا اور باقی استحاضہ کیونکہ ہم نے اس کو حیض پہچانا پس اس میں سے شک کے ساتھ نہ نکالا جائے گا، واللہ اعلم

معتادہ کو ایام عادت کی طرف لوٹا جائے گا جب خون دس دن سے تجاوز کر جائے

تشریح:۔ علمائے احناف کے نزدیک جو حکم متفق علیہ تھا صاحب ہدایہ نے اس کو بیان فرمایا ہے اور حکم مختلف فیہ کا ذکر نہیں

کیا۔ سو پہلے مختلف فیہ حکم ملاحظہ ہو۔

مسئلہ یہ ہے کہ خون اگر عادت معروفہ سے زائد آیا لیکن دس دن سے کم رہا مثلاً عادت ہر ماہ پانچ دن خون آنے کی تھی اور ایک بار آٹھ دن خون آیا تو اب اس میں اختلاف ہے کہ حیض پانچ دن شمار ہوگا یا آٹھ دن۔

چنانچہ مشائخ بلخ کا مذہب یہ ہے کہ ایام عادت یعنی پانچ دن گذرنے کے بعد اس عورت کو حکم دیا جائے گا کہ وہ غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کر دے کیونکہ پانچ دن سے زائد کا حال حیض اور استحاضہ کے درمیان متردد ہے اس لئے کہ خون دس دن سے پہلے مثلاً آٹھ دن میں منقطع ہو گیا تو یہ کل کا کل حیض کا خون ہوگا اور کہا جائے گا کہ حیض کے سلسلہ میں اس عورت کی عادت بدل گئی کہ پہلے پانچ روز تھی پھر آٹھ روز ہو گئی اور اگر یہ خون دس روز سے متجاوز ہو گیا تو ایام عادت کے علاوہ کا خون استحاضہ ہوگا۔ پس اس تردد کے ساتھ نماز نہیں چھوڑی جائیگی۔

اور بخارا کے مشائخ کا مذہب یہ ہے کہ ایام عادت کے بعد اگر خون دیکھے تو اس کو غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ ہمیں اس کا حائضہ ہونا تو بالیقین معلوم ہے اور مستحاضہ ہونا اس وقت ظاہر ہوگا جب کہ خون دس دن سے متجاوز ہو جائے پس چونکہ دس دن سے پہلے استحاضہ پر کوئی دلیل نہیں اس لئے اس کو غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ ہاں اگر خون دس دن سے متجاوز ہو گیا تو ایام عادت کے بعد کی نمازوں کی قضاء کا حکم دیا جائے گا۔

اور متفق علیہ مسئلہ جس کو مصنفؒ نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر عورت کی عادت دس روز سے کم خون آنے کی تھی لیکن اس مرتبہ خون دس روز سے متجاوز ہو گیا تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ ایام عادت میں جو خون آیا وہ حیض شمار ہوگا اور جو خون ایام عادت سے زائد آیا ہے وہ استحاضہ کا خون ہوگا۔ دلیل حضور ﷺ کا قول اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَدَعُ الصَّلٰوةَ اَيَّامَ اَقْرَائِهَا حدیث میں اَيَّامَ اَقْرَائِهَا سے مراد ایام عادت ہیں پس حدیث کا مطلب یہ ہوگا مستحاضہ عورت اپنے ایام عادت میں نماز ترک کر دے۔ اور ایام عادت سے بعد کے دنوں میں نماز ترک نہ کرے۔

دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ ایام عادت سے زائد جو خون آتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ دس دن سے زائد خون آیا ہو اور جو خون دس دن کے بعد آتا ہے وہ تمام احناف کے نزدیک استحاضہ کا خون ہے لہٰذا ایام عادت سے زائد جو خون آئے گا وہ بھی استحاضہ کا خون ہوگا۔

اور اگر ایسی عورت ہو کہ پہلے اس کو حیض نہ آیا تھا اسی حیض سے بالغہ ہوئی مگر بالغہ مستحاضہ ہو کر ہوئی یعنی جو حیض بلوغ کا آیا دس دن سے تجاوز کر گیا اور مستمر ہو گیا تو اس کا حیض ہر ماہ یقیناً دس دن ہوگا اور باقی استحاضہ ہے کیونکہ دس دن خون آ کر اگر منقطع ہو جاتا تو یہ پورے کا پورا یقیناً حیض ہوتا لیکن جب دس دن سے زائد ہو گیا تو اس بات میں شبہ ہو گیا کہ تین دن سے زائد حیض ہے یا نہیں پس یقینی چیز اس شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔ جمیل۔

فَصْل

وَالْمُسْتَحَاضَةُ وَمَنْ بِهٖ سَلَسُ الْبَوْلِ وَالرُّعَافُ الدَّائِمُ وَالْجُرْحُ الَّذِیْ لَا یَرْقَأُ یَتَوَضَّئُوْنَ لِوَقْتِ
اور مستحاضہ اور وہ شخص جس کو سلسل البول کا مرض ہو اور جس کو دائمی نکسیر ہو، اور جس کو ایسا زخم ہو کہ نہ بھرتا ہو تو یہ لوگ ہر نماز کے وقت کیلئے
کُلِّ صَلٰوةٍ فَیُصَلُّوْنَ بِذٰلِکَ الْوُضُوْءِ فِی الْوَقْتِ مَا شَاءُوْا مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ تَتَوَضَّأُ الْمُسْتَحَاضَةُ
وضو کریں پس اس وضوء سے وقت کے اندر فرائض و نوافل سے جو چاہیں پڑھیں۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مستحاضہ ہر فریضہ
لِکُلِّ مَکْتُوْبَةٍ لِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِکُلِّ صَلٰوةٍ وَلِاَنَّ اِعْتِبَارَ طَهَارَتِهَا
کیلئے وضو کرے اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مستحاضہ ہر نماز کے واسطے وضو کرے اور اس لئے کہ مستحاضہ کی طہارت کا اعتبار
ضَرُوْرَةَ اَدَاءِ الْمَکْتُوْبَةِ فَلَا تَبْقٰی بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْهَا وَلَنَا قَوْلُهٗ عَلَیْهِ
اداء فریضہ کی ضرورت کی وجہ سے ہے لہٰذا فریضہ سے فراغت کے بعد طہارت باقی نہ رہے گی۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ
السَّلَامُ اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِوَقْتِ کُلِّ صَلٰوةٍ وَهُوَ الْمُرَادُ بِالْاَوَّلِ لِاَنَّ اللَّامَ تُسْتَعَارُ لِلْوَقْتِ
کا فرمان ہے کہ مستحاضہ ہر نماز کے وقت کیلئے وضو کرے۔ اور اول روایت میں یہی معنی مراد ہیں کیونکہ لام وقت کے لئے مستعار لیا جاتا ہے
یُقَالُ آتِیْکَ لِصَلٰوةِ الظُّهْرِ اَیْ وَقْتِهَا
کہا جاتا ہے کہ آتِیْکَ لِصَلٰوةِ الظُّهْرِ یعنی لِوَقْتِهَا یعنی میں تیرے پاس ظہر کی نماز کے وقت آؤں گا
وَلِاَنَّ الْوَقْتَ اُقِیْمَ مَقَامَ الْاَدَاءِ تَیْسِیْرًا فَیُدَارُ الْحُکْمُ عَلَیْهِ
اور اس لئے کہ آسانی کیلئے وقت کو ادا کے قائم مقام کر دیا گیا ہے لہٰذا حکم کا مدار وقت پر ہوگا

مستحاضہ، سلسل البول والا، دائمی نکسیر اور ایسے زخم والا جو بھرتا نہیں ان کے لئے طہارت کا حکم

تشریح:۔ حیض چونکہ استحاضہ اور نفاس کے مقابلہ میں کثیر الوقوع ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا حیض کے احکام کے بعد استحاضہ کا حکم بیان کیا ہے کیونکہ نفاس کی بہ نسبت کثرت اسباب کے اعتبار سے استحاضہ کثیر الوقوع ہے کیونکہ عورت کبھی تو اس لئے مستحاضہ ہوتی ہے کہ اس نے حالت حمل میں خون دیکھا ہے اور کبھی اس لئے کہ خون دس دن سے زائد آیا ہے یا عادت معروفہ سے زائد آیا اور دس دن سے تجاوز کر گیا اور کبھی تین دن سے کم خون آنے کی وجہ سے مستحاضہ ہوتی ہے، اور کبھی اس لئے مستحاضہ ہوتی ہے کہ مدت طہر مکمل ہونے سے پہلے خون آ گیا ہے یا عامۃ العلماء کے مذہب کے مطابق نو سال کی عمر سے پہلے خون آ گیا تو یہ بھی استحاضہ ہوگا۔

اس کے برخلاف نفاس کہ اس کا صرف ایک سبب ہے یعنی بچہ کی ولادت۔

مسئلہ یہ ہے کہ مستحاضہ عورت اور جس کو پیشاب آنا نہ تھمتا ہو اور جس کو دائمی نکسیر ہو اور جس کے ایسا زخم ہو کہ اس سے خون نہیں رکتا ان معذورین کے بارے میں ہمارے نزدیک یہ حکم ہے کہ اس وضو سے وقت کے اندر اندر جتنی چاہے نمازیں پڑھے وہ نمازیں خواہ فرض ہوں یا نفل، واجب ہوں یا نذر کی نمازیں ہوں۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر فرض نماز کے لئے وضو کرے یعنی معذور ایک وضو سے ایک فرض ادا کرسکتا ہے متعدد فرض ادا نہیں کرسکتا۔ امام شافعیؒ کی دلیل حدیث اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ ہے یعنی مستحاضہ ہر نماز کیلئے وضو کرے۔ حضرت امام شافعیؒ پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ حدیث میں لفظ صلوٰۃ عام ہے فرض ہو یا غیر فرض ہو۔ لہٰذا فرض کے ساتھ مقید کرنا کیسے درست ہوگا۔

جواب لِكُلِّ صَلٰوةٍ میں لفظ صلوٰۃ مطلق ہے اور قاعدہ ہے کہ اَلْمُطْلَقُ يَنْصَرِفُ اِلَى الْفَرْدِ الْكَامِلِ اور نماز کا فرد کامل فرض ہوتا ہے نہ کہ غیر فرض اس لئے صلوٰۃ سے فرض نماز مراد لی گئی ہے نہ کہ مطلق نماز۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ معذور کی طہارت کا اعتبار ادائے فرض کی وجہ سے ہے اس لئے فرض سے فراغت کے بعد طہارت باقی نہ رہے گی۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِوَقْتِ كُلِّ صَلٰوةٍ ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:۔ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِفَاطِمَةَ بِنْتِ اَبِيْ حُبَيْشٍ تَوَضَّئِيْ لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ ان دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ مستحاضہ ہر نماز کے وقت کیلئے وضو کرے گی۔

اور امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت کا جواب یہ ہے کہ لِكُلِّ صَلَاةٍ میں لام وقت کے معنی میں ہے جیسے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ میں لام وقت کے لئے ہے۔ اور جیسے حضور ﷺ کے قول اِنَّ لِلصَّلَاةِ اَوَّلًا وَّآخِرًا میں لام وقت کے لئے ہے یعنی نماز کے وقت کا اول بھی ہے اور آخر بھی۔ اور جیسے کہا جاتا ہے آتِيْكَ لِصَلٰوةِ الظُّهْرِ میں تیرے پاس ظہر کے وقت آؤں گا۔

حاصل جواب یہ ہے کہ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث از قبیلہ نص ہے اور ہم نے جو حدیث پیش کی ہے وہ مفسر ہے اور نص اور مفسر کے درمیان تعارض کی صورت میں مفسر کو ترجیح ہوتی ہے۔

ہماری طرف سے عقلی دلیل یہ ہے کہ آسانی کے پیش نظر وقت کو اداء کے قائم مقام کیا گیا ہے لہٰذا حکم کا مدار وقت پر ہوگا نہ کہ اداء پر کیونکہ جب ایک چیز دوسری چیز کے قائم مقام ہوتی ہے تو مقصود وہی ہوتی ہے۔

وَاِذَا خَرَجَ الْوَقْتُ بَطَلَ وُضُوْءُهُمْ وَاسْتَاْنَفُوا الْوُضُوْءَ لِصَلٰوةٍ اُخْرٰى وَهٰذَا عِنْدَ اَصْحَابِنَا الثَّلٰثَةِ
اور جب وقت نکل جائے تو ان معذوروں کا وضو باطل ہوجائے گا اور دوسری نماز کیلئے نئے سرے سے وضو کریں اور یہ حکم ہمارے اصحاب ثلثہؒ کے نزدیک ہے
وَقَالَ زُفَرُ اِسْتَاْنَفُوْا اِذَا دَخَلَ الْوَقْتُ فَاِنْ تَوَضَّأُوْا حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ
اور امام زفرؒ نے کہا کہ جب وقت داخل ہو تو جدید وضو کریں پس اگر وہ (معذورین) طلوع آفتاب کے وقت وضو کریں
اَجْزَاَهُمْ حَتّٰى يَذْهَبَ وَقْتُ الظُّهْرِ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَؒ وَمُحَمَّدٍؒ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَؒ وَزُفَرُؒ
تو ان کو کافی ہوگا یہاں تک کہ ظہر کا وقت چلا جائے اور یہ حکم امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ اور امام ابویوسفؒ اور امام زفرؒ نے کہا

اَجْزَأَهُمْ حَتّٰى يَدْخُلَ وَقْتُ الظُّهْرِ وَحَاصِلُهُ اَنَّ طَهَارَةَ الْمَعْذُوْرِ تَنْتَقِضُ بِخُرُوْجِ الْوَقْتِ بِالْحَدَثِ السَّابِقِ

کہ ان کو کافی ہوگا یہاں تک کہ ظہر کا وقت داخل ہو جائے اور حاصل کلام یہ کہ طرفینؒ کے نزدیک معذور کی طہارت حدث سابق کی وجہ سے

عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ ؒ وَمُحَمَّدٍ ؒ وَبِدُخُوْلِ الْوَقْتِ عِنْدَ زُفَرَ ؒ وَبِاَيِّهِمَا كَانَ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ ؒ

خروج وقت سے ٹوٹ جاتی ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک دخول وقت سے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان دونوں میں سے کسی سے

وَفَائِدَةُ الْاِخْتِلَافِ لَا تَظْهَرُ اِلَّا فِيْمَنْ تَوَضَّأَ قَبْلَ الزَّوَالِ كَمَا ذَكَرْنَا اَوْ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

اور اختلاف کا فائدہ نہیں ظاہر ہوگا مگر ایسے معذور کے حق میں جس نے زوال سے پہلے وضو کیا جیسا کہ ہم ذکر کر چکے یا طلوع آفتاب سے پہلے (وضو کیا)

• لِزُفَرَ ؒ اَنَّ اِعْتِبَارَ الطَّهَارَةِ مَعَ الْمُنَافِيْ لِلْحَاجَةِ اِلَى الْاَدَاءِ وَلَا حَاجَةَ قَبْلَ الْوَقْتِ

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ منافی کے ہوتے ہوئے طہارت کا معتبر ہونا ادائے فریضہ کی حاجت کی وجہ سے ہے۔ اور وقت سے پہلے کوئی حاجت نہیں ہے

فَلَا تُعْتَبَرُ وَلِاَبِيْ يُوْسُفَ ؒ اَنَّ الْحَاجَةَ مَقْصُوْرَةٌ عَلَى الْوَقْتِ

اس لئے (وقت سے پہلے) طہارت معتبر نہ ہوگی۔ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ حاجت طہارت وقت پر منحصر ہے

فَلَا يُعْتَبَرُ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ وَلَهُمَا اَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيْمِ الطَّهَارَةِ عَلَى الْوَقْتِ لِيَتَمَكَّنَ

لہٰذا اس سے پہلے معتبر ہوگی اور نہ اس کے بعد اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقت پر طہارت کو مقدم کرنا ضروری ہے تاکہ وہ وقت

مِنَ الْاَدَاءِ كَمَا دَخَلَ الْوَقْتُ وَخُرُوْجُ الْوَقْتِ دَلِيْلُ زَوَالِ الْحَاجَةِ فَظَهَرَ اِعْتِبَارُ الْحَدَثِ عِنْدَهُ

کے داخل ہوتے ہی ادا پر قادر ہو سکے، اور وقت کا نکل جانا زوال حاجت کی دلیل ہے تو اس وقت حدث کا معتبر ہونا ظاہر ہوا

وَالْمُرَادُ بِالْوَقْتِ وَقْتُ الْمَفْرُوْضَةِ حَتّٰى لَوْ تَوَضَّأَ الْمَعْذُوْرُ لِصَلٰوةِ الْعِيْدِ لَهُ اَنْ يُّصَلِّيَ

اور وقت سے مراد مفروضہ نماز کا وقت ہے حتیٰ کہ اگر معذور نے عید کی نماز کیلئے وضو کیا تو طرفینؒ کے نزدیک اسے اختیار ہے کہ

الظُّهْرَ بِهٖ عِنْدَهُمَا وَهُوَ الصَّحِيْحُ لِاَنَّهَا بِمَنْزِلَةِ صَلٰوةِ الضُّحٰى وَلَوْ تَوَضَّأَ مَرَّةً لِلظُّهْرِ

اس وضو سے ظہر کی نماز پڑھے اور یہی قول صحیح ہے کیونکہ عید کی نماز بمنزلہ چاشت کی نماز کے ہے۔ اور اگر معذور نے ظہر کے وقت میں ایک بار ظہر

فِيْ وَقْتِهٖ وَاُخْرٰى فِيْهِ لِلْعَصْرِ فَعِنْدَهُمَا لَيْسَ لَهُ اَنْ يُّصَلِّيَ الْعَصْرَ

کی نماز کیلئے وضو کیا اور دوسری بار ظہر کے وقت میں عصر کے لئے وضو کیا تو طرفینؒ کے نزدیک اسے اس وضو سے عصر کی نماز پڑھنے

بِهٖ لِانْتِقَاضِهٖ بِخُرُوْجِ وَقْتِ الْمَفْرُوْضَةِ وَالْمُسْتَحَاضَةُ هِيَ الَّتِيْ لَا يَمْضِيْ عَلَيْهَا وَقْتُ صَلٰوةٍ

کا اختیار نہیں ہے کیونکہ مفروضہ ظہر کا وقت نکلنے سے وضو ٹوٹ گیا۔ اور مستحاضہ عورت وہ ہے جس پر کوئی فرض نماز کا وقت نہ گزرے

اِلَّا وَالْحَدَثُ الَّذِیْ اُبْتُلِیَتْ بِهٖ یُوْجَدُ فِیْهِ وَ کَذَا کُلُّ مَنْ هُوَ فِیْ مَعْنَاهَا
۔ف۔ مگر اس حالت سے کہ جس حدث میں وہ مبتلا ہو وہ اس میں پایا جائے۔ اور اسی طرح ہر وہ معذور جو مستحاضہ کے معنی میں ہو
وَهُوَ مَنْ ذَکَرْنَاهُ وَمَنْ بِهٖ اِسْتِطْلَاقُ بَطْنٍ وَانْفِلَاتُ رِیْحٍ
اور یہ وہ ہیں جن کو ہم نے ذکر کیا اور وہ بھی جس کو پیٹ چلنے کی اور بے اختیار ریح نکلنے کی
لِاَنَّ الضَّرُوْرَةَ بِهٰذَا تَتَحَقَّقُ وَ هِیَ تَعُمُّ الْکُلَّ
بیماری ہو کیونکہ ضرورت اس عذر کے ساتھ بھی متحقق ہو جاتی ہے اور ضرورت سب کو عام ہے

معذورین کا وضو خروج وقت سے باطل ہو گا یا نہیں اور استیناف وضو کا حکم، اقوال فقہاء

تشریح:۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب فرض نماز کا وقت نکل گیا تو ان معذورین کا وضو باطل ہو جائے گا۔ اب اگر کوئی دوسری فرض نماز پڑھنا چاہے تو اس کیلئے نیا وضو کرنا ضروری ہوگا یہ حکم ہمارے علمائے ثلثہؒ کے نزدیک ہے۔ اور امام زفرؒ نے فرمایا ہے کہ جب دوسری نماز کا وقت داخل ہو تو نیا وضو کریں گویا امام زفرؒ کے نزدیک دوسرے وقت کا داخل ہونا ناقض ہے نہ کہ پہلے وقت کا خارج ہونا پس اگر کسی معذور نے سورج نکلنے کے وقت وضو کیا تو طرفینؒ کے نزدیک اس کا یہ وضو کافی ہوگا یہاں تک کہ ظہر کا وقت نکل جائے یعنی اس وضو سے ظہر کی فرض نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں ظہر کے وقت کا داخل ہونا تو پایا گیا لیکن کسی وقت کا خارج ہونا نہیں پایا گیا حالانکہ طرفینؒ کے نزدیک خروج وقت ناقض ہے نہ کہ دخول وقت۔

امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ نے کہا کہ یہ وضو وقت ظہر کے داخل ہونے تک کافی ہوگا یعنی ظہر کا وقت داخل ہونے سے پہلے پہلے یہ وضو باقی رہے گا ظہر کا وقت داخل ہونے کے بعد اگر نماز پڑھنا چاہے تو نیا وضو کرنا ضروری ہوگا۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ طرفینؒ کے نزدیک معذور کے وضو کا ناقض خروج وقت ہے نہ کہ دخول وقت امام زفرؒ کے نزدیک دخول وقت ناقض ہے نہ کہ خروج وقت۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں ناقض ہیں دخول وقت ہو یا خروج وقت ہو دونوں صورتوں میں معذور کی طہارت ٹوٹ جائے گی۔

واضح ہو کہ حقیقتاً نہ دخول وقت ناقض ہے اور نہ خروج وقت بلکہ حدث سابق ناقض ہے لیکن چونکہ وقت مانع تھا اس لئے جب وقت زائل ہو گیا تو حدث کا اثر ظاہر ہو گیا اس لئے وضو ٹوٹنے کی نسبت مجازاً دخول وقت اور خروج وقت کی طرف کر دی گئی ہے۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کا ثمرہ دو صورتوں میں ظاہر ہوگا (۱) یہ کہ کسی معذور نے سورج ڈھلنے سے پہلے

وضو کیا تو اب ظہر کا وقت داخل ہوگا اور کسی فرض نماز کا وقت خارج ہوگا۔ تو امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک ظہر کا وقت داخل ہونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور امام ابو حنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک چونکہ کسی فرض نماز کے وقت کا نکلنا نہیں پایا گیا اس لئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(۲) یہ کہ معذور نے سورج نکلنے سے پہلے وضو کیا پس سورج نکلنے کے بعد چونکہ خروج وقت پایا گیا اس لئے طرفینؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور امام زفرؒ کے قول کی بناء پر چونکہ کسی فرض نماز کا وقت داخل نہیں ہوا اس لئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایسی چیز کے ہوتے ہوئے جو طہارت کے منافی ہے طہارت کا معتبر ہونا صرف ادائے فرض کی حاجت کی وجہ سے ہے اور ادائے فرض کے وقت سے پہلے چونکہ کوئی حاجت نہیں اس لئے وقت سے پہلے طہارت معتبر نہ ہوگی۔ پس جب فرض نماز کا وقت داخل ہوگا تو طہارت کرنی ضروری ہوگی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وقت داخل ہونے سے پہلے طہارت ٹوٹ جاتی ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ طہارت کی حاجت منحصر ہے وقت پر کیونکہ فرض نماز کا وقت ادا کے قائم مقام ہے اس لئے طہارت نہ وقت سے پہلے معتبر ہوگی اور نہ وقت کے بعد۔ پس معلوم ہوا کہ معذور کی طہارت کیلئے خروج وقت بھی ناقض ہے اور دخول وقت بھی اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ طہارت کا وقت پر مقدم کرنا ضروری ہے تاکہ وقت داخل ہوتے ہی نماز ادا کرنے پر قادر ہو جائے۔ حاصل یہ کہ وقت اداء کے قائم مقام ہے اور طہارت کا ادائے نماز پر مقدم کرنا واجب ہے۔ پس قیاس کا مقتضی یہ تھا کہ اداء کے خلیفہ یعنی وقت پر بھی طہارت کا مقدم کرنا واجب ہو لیکن خلیفہ کا مرتبہ اصل کے مرتبہ سے کمتر کرنے کیلئے خلیفہ پر طہارت کی تقدیم کو جائز رکھا گیا پس جب وقت پر طہارت کا مقدم کرنا جائز ہوا تو دخول وقت ناقض نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اگر دخول وقت کو ناقض مان لیا جائے تو طہارت کا وقت پر مقدم کرنا ممکن نہیں رہے گا۔ اور خروج وقت چونکہ زوال حاجت کی دلیل ہے تو اس وقت میں حدث سابق کا معتبر ہونا معلوم ہوا لہٰذا خروج وقت ہوتے ہی متوضی کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ جس وقت کے داخل ہونے اور خارج ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے اس سے مراد فرض نماز کا وقت ہے نہ کہ نوافل اور واجبات کا حتیٰ کہ اگر معذور نے نماز عید کے لئے وضو کیا تو طرفینؒ کے نزدیک اس کو اس وضو سے ظہر کی نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور یہی صحیح قول ہے کیونکہ عید کی نماز بمنزلہ چاشت کی نماز کے ہے یعنی فرض نہ ہونے میں عید اور چاشت کی نماز ایک ہی مرتبہ میں ہیں اگرچہ عید کی نماز واجب ہے۔ پس وقت مفروضہ نہ نکلنے کی وجہ سے اس کا وضو نہیں ٹوٹا اس لئے اس کو اس وضو سے ظہر کی نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اور بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس وضو سے اس کو ظہر کی نماز پڑھنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ صلوٰۃ واجبہ کا وقت نکل گیا اس لئے کہ عید کی نماز واجب ہے اور واجب بمنزلہ فرض کے ہوتا ہے اور اگر معذور نے ایک بار ظہر کے وقت میں ظہر کی نماز کے لئے وضو کیا اور پھر دوبارہ ظہر کے وقت میں عصر کی نماز کے لئے وضو کیا تو طرفینؒ کے نزدیک اس کو یہ اختیار نہیں کہ اس وضو سے عصر کی نماز پڑھے کیونکہ فرض نماز یعنی ظہر کا وقت نکلنے سے وضو ٹوٹ گیا یہی حکم تمام ائمہؒ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ اس صورت میں خروج وقت کے ساتھ

ساتھ دخول وقت عصر بھی پایا گیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت ظہر اور وقت عصر کے درمیان مہمل وقت نہیں ہوتا بلکہ ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا وقت آجاتا ہے۔

وَالْمُسْتَحَاضَةُ هِيَ الَّتِي الخ سے مستحاضہ کی تعریف بیان کی گئی ہے چنانچہ فرمایا کہ مستحاضہ وہ عورت ہے جس پر فرض نماز کا وقت نہ گذرے مگر اس حالت سے کہ جس حدث میں وہ مبتلا ہوئی ہے وہ اس میں پایا جائے۔ اور یہی حکم اس معذور کا ہے جو مستحاضہ کے معنی میں ہو جیسے وہ شخص جس کا پیشاب نہ تھمے اور جس کی نکسیر نہ رکے اور جس کی جراحت نہ تھمے۔ اور وہ بھی معذور ہے جس کو پیٹ چلنے کی بیماری ہو یعنی اسہال کی بیماری ہو، اور بے اختیار ریح نکلنے کی بیماری ہو کیونکہ ضرورت ان اعذار کے ساتھ متحقق ہو جاتی ہے اور ضرورت سب کو عام ہے پس ان میں سے ہر ایک معذور کے حکم میں ہوا۔ واللہ اعلم۔ جمیل۔

فَصْلٌ فِي النِّفَاسِ

(یہ) فصل نفاس (کے احکام کے بیان) میں ہے

وَالنِّفَاسُ هُوَ الدَّمُ الْخَارِجُ عَقِيْبَ الْوِلَادَةِ لِأَنَّهُ مَأْخُوْذٌ مِنْ تَنَفُّسِ الرَّحِمِ بِالدَّمِ
اور نفاس وہ خون ہے جو ولادت کے بعد نکلے کیونکہ نفاس تَنَفُّسِ الرَّحِمِ بِالدَّمِ سے ماخوذ ہے
أَوْمِنْ خُرُوْجِ النَّفْسِ بِمَعْنَى الْوَلَدِ أَوْبِمَعْنَى الدَّمِ
یا نفاس خروج نفس سے ماخوذ ہے خواہ نفس بچہ کے معنی میں ہو یا خون کے معنی میں

نفاس کی تعریف، نفاس کے احکام

تشریح:۔ نفاس، نون کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے جو خون عورت کے ساتھ مختص ہیں وہ تین ہیں (۱) حیض (۲) استحاضہ (۳) نفاس، حیض اور استحاضہ کے احکام سے فراغت کے بعد اب اس فصل میں تیسری قسم نفاس کو بیان فرمایا ہے۔ نفاس مصدر ہے نَفِسَتِ الْمَرْأَةُ کا (نون کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ) اور کبھی نفاس، نفساء کی جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو ولادت کے بعد نکلتا ہو۔

علامہ ابن الہمام نے لکھا ہے کہ قدوری کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر عورت نے بچہ جنا اور خون نہیں دیکھا تو یہ نفساء نہیں ہوگی اور اس پر غسل واجب نہیں ہوگا۔ یہی صاحبینؒ سے مروی ہے۔

البتہ حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اس پر احتیاطاً غسل واجب ہوگا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تھوڑا بہت خون نکل گیا ہو مگر اس کو نظر نہ آیا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ وجوب غسل کا تعلق خون نکلنے کے ساتھ ہے نہ کہ دیکھنے کے ساتھ۔

علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ یہی امام مالکؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک اصح ہے۔

وَالدَّمُ الَّذِیْ تَرَاهُ الْحَامِلُ اِبْتِدَاءً اَوْحَالَ وِلَادَتِهَا قَبْلَ خُرُوْجِ الْوَلَدِ اِسْتِحَاضَةٌ وَاِنْ كَانَ مُمْتَدًّا
اور وہ خون جسے حاملہ ابتداء میں دیکھے یا ولادت کی حالت میں بچہ نکلنے سے پہلے (دیکھے) تو وہ استحاضہ ہے اگرچہ وہ خون ممتد ہو
وَقَالَ الشَّافِعِیُّ حَيْضٌ اِعْتِبَارًا بِالنِّفَاسِ اِذْ هُمَا جَمِيْعًا مِنَ الرَّحِمِ وَلَنَا اَنَّ بِالْحَبَلِ يَنْسَدُّ
اور امام شافعیؒ نے نفاس پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ حیض ہے کیونکہ یہ دونوں رحم سے ہیں اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل کی وجہ سے رحم کا منہ
فَمُ الرَّحِمِ كَذَا الْعَادَةُ وَالنِّفَاسُ بَعْدَ انْفِتَاحِهِ بِخُرُوْجِ الْوَلَدِ وَلِهٰذَا كَانَ نِفَاسًا بَعْدَ خُرُوْجِ بَعْضِ
بند ہو جاتا ہے عادت اسی طرح ہے اور نفاس بچہ کے نکلنے کے ساتھ رحم کا منہ کھلنے کے بعد وہ ہوتا ہے اور اسی وجہ سے بچہ کا ایک جزء نکلنے
الْوَلَدِ فِيْمَا يُرْوٰى عَنْ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ لِاَنَّهٗ يَنْفَتِحُ فَيَتَنَفَّسُ بِهٖ
کے بعد وہ خون نفاس ہوتا ہے اس روایت میں جو ابو حنیفہؒ اور محمدؒ سے مروی ہے اس لئے کہ رحم کا منہ کھل جاتا ہے پس اس کی وجہ سے رحم خون اگلتا ہے

حاملہ کو بچے کی ولادت سے پہلے آنے والا خون استحاضہ ہے

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر حاملہ عورت نے خون دیکھا حمل کی حالت میں یا بچہ پیدا ہونے سے پہلے ولادت کی حالت میں تو یہ خون ہمارے نزدیک استحاضہ ہوگا اگرچہ یہ خون حیض کی مدت کو پہنچ جائے۔ اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ حیض ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل قیاس ہے وہ اس خون کو نفاس پر قیاس کرتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے بطن واحد میں دو بچے جنے، پھر اس نے پہلا بچہ جننے کے بعد دوسرا بچہ پیدا ہونے سے پہلے خون دیکھا تو یہ خون نفاس کہلاتا ہے یعنی شیخین کے نزدیک امام محمدؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک دوسرے بچے سے نفاس ہوگا حالانکہ وہ تو یہ عورت دوسرے بچہ کے حق میں حاملہ ہے۔

پس جس طرح یہ خون بحالت حمل نفاس ہے اسی طرح یہاں بحالت حمل جو خون نکلا ہے وہ حیض ہوگا اور علت جامعہ دونوں کا رحم سے نکلنا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حیض رحم کا خون ہوتا ہے اور رحم کا خون حاملہ عورت سے ممکن نہیں ہے کیونکہ عادت اللہ یہ ہے کہ حمل کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے تاکہ رحم کے اندر کی چیز نہ نکلے پس جب حاملہ کے رحم کا منہ بند رہتا ہے تو حالت حمل میں جو خون نکلے گا وہ رحم کے علاوہ سے ہوگا اور رحم کے علاوہ سے جو خون آتا ہے وہ استحاضہ ہے اس لئے یہ خون استحاضہ ہوگا اور اس خون کو نفاس پر قیاس کرنا فاسد ہے کیونکہ بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے رحم کا منہ کھل گیا اور رحم کا منہ کھلنے کے بعد جو خون آتا ہے وہ بلاشبہ نفاس ہوتا ہے چنانچہ ولد اول کے نکلنے کے بعد اور ولد ثانی کے نکلنے سے پہلے جو خون دیکھا گیا وہ نفاس کا خون ہوگا یہی وجہ ہے کہ اگر بچہ کا بیشتر حصہ نکلنے کی وجہ

سے خون آیا تو طرفین کی روایت کے مطابق یہ نفاس کا خون ہوگا۔ اس لئے کہ اکثر ولد کے نکلنے کی وجہ سے رحم کا منہ کھل کر نفاس کا خون آنے لگتا ہے۔

وَالسِّقْطُ الَّذِیْ اسْتَبَانَ بَعْضُ خَلْقِهٖ وَلَدٌ حَتّٰی تَصِیْرُ بِهٖ نُفَسَاءَ
اور وہ ناتمام بچہ جس کی بعض خلقت ظاہر ہو جائے تو وہ ولد ہے حتی کہ اس کی وجہ سے عورت نفساء ہو جائے گی
وَتَصِیْرُ الْاَمَةُ اُمَّ وَلَدٍ بِهٖ وَكَذَا الْعِدَّةُ تَنْقَضِیْ بِهٖ
اور (حتی کہ) باندی اس کی وجہ سے ام ولد ہو جائے گی اور اسی طرح اس کی وجہ سے (حاملہ کی) عدت پوری ہو جائے گی

ناتمام بچہ جننے سے عورت نفاس والی ہوگی

تشریح:۔ مسئلہ ناتمام بچہ جس کی بعض خلقت ظاہر ہوگئی مثلاً انگلی، ناخن یا بال وغیرہ تو یہ ولد تام کے حکم میں ہوگا یعنی عورت اس کے جننے سے نفاس والی ہو جائے گی اور اگر یہ کسی کی باندی ہے تو اس کی وجہ سے ام ولد ہو جائے گی، اور اگر یہ مطلقہ تھی تو اس کی وجہ سے عدت پوری ہو جائے گی کیونکہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہوتی ہے اور اگر صرف لوتھڑا ہوا اس کی کوئی خلقت ظاہر نہ ہوئی ہو تو اس عورت کے حق میں نفاس کا حکم ظاہر نہیں ہوگا پھر اس عورت نے اگر خون دیکھا اور اس کو حیض قرار دینا بھی ممکن ہو بایں طور کہ اقل مدت حیض کو پہنچ جائے تو اس کو حیض قرار دیا جائے گا اور اگر حیض قرار دینا ممکن نہ ہو تو استحاضہ ہوگا۔

وَاَقَلُّ النِّفَاسِ لَا حَدَّ لَهٗ لِاَنَّ تَقَدُّمَ الْوَلَدِ عَلَمُ الْخُرُوْجِ مِنَ الرَّحِمِ فَاَغْنٰی عَنْ اِمْتِدَادٍ
اور اقل نفاس کی کوئی حد نہیں ہے کیونکہ بچہ کا مقدم ہونا رحم سے نکلنے کی علامت ہے پس ایسے امتداد سے بے پرواہ کر دیا
جُعِلَ عَلَمًا عَلَيْهِ بِخِلَافِ الْحَيْضِ وَاَكْثَرُهٗ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا وَالزَّائِدُ عَلَيْهِ اِسْتِحَاضَةٌ
جس کو اس پر علامت قرار دیا جائے بخلاف حیض کے اور اکثر مدت نفاس چالیس روز ہیں اور اس پر جو خون زائد ہو وہ استحاضہ ہے
لِحَدِيْثِ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَّتَ لِلنُّفَسَاءِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا
کیونکہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے نفاس والی کیلئے چالیس روز وقت مقرر کیا
وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِيْ اِعْتِبَارِ السِّتِّيْنَ
اور یہ حدیث امام شافعیؒ کے خلاف ساٹھ دن کا اعتبار کرنے میں حجت ہے

نفاس کی کم سے کم مدت

تشریح:۔ ہمارے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نفاس کی اقل مدت کی کوئی انتہا نہیں ہے چنانچہ اگر عورت نے بچہ جنا اور

ایک ساعت خون آکر بند ہو گیا تو یہ عورت پاک ہو گئی پس اب روزہ بھی رکھے گی اور نماز بھی پڑھے گی۔ البتہ ہمارے علماء کے درمیان اس صورت میں اختلاف ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا اِذَا وَلَدْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ پس بیوی نے کہا کہ میری عدت پوری ہو گئی تو اب بچہ پیدا ہونے کے بعد تین حیض کے ساتھ اقل نفاس کی مقدار کا اعتبار کرنے میں اختلاف ہے۔

چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقل نفاس میں ۲۵ روز معتبر ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک گیارہ روز معتبر ہیں۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ایک ساعت معتبر ہے۔ حاصل یہ کہ نماز اور روزہ کے حق میں نفاس کی کوئی اقل مدت نہیں ہے البتہ عدت پوری ہونے کے حق میں اقل مدت نفاس کا اعتبار کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر اختلاف گذرا۔

نفاس کی اقل مدت کی انتہا نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بچہ کا پیدا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ خون رحم سے آیا ہے اور بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون رحم سے آتا ہے وہ نفاس کہلاتا ہے لہٰذا اب کسی امتدادی علامت کی ضرورت نہیں ہے اس کے برخلاف حیض ہے کہ اس میں کم از کم تین روز ہونا شرط ہے تا کہ اس خون کا رحم سے ہونا معلوم ہو جائے کیونکہ اس کے حیض ہونے پر اور کوئی علامت نہیں ہے۔

اور نفاس کی اکثر مدت میں اختلاف ہے ہمارے نزدیک چالیس یوم ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک ساٹھ یوم ہیں۔ امام شافعیؒ امام اوزاعیؒ کے قول سے استدلال کرتے ہیں، فرمایا کہ ہمارے زمانے میں عورتیں دو ماہ نفاس کا خون دیکھتی تھیں۔ اور ربیعہؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عورت کو زیادہ سے زیادہ ساٹھ روز نفاس کا خون آتا ہے۔

ہماری دلیل اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے: اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَقَّتَ لِلنُّفَسَاءِ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا۔

ابوداؤد اور ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ہے: قَالَتْ کَانَتِ النُّفَسَاءُ تَقْعُدُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ نفاس والی عورت حضور ﷺ کے زمانے میں چالیس روز بیٹھتی تھی۔ ہمارا یہ مذہب ام سلمہؓ کے علاوہ ابن عمر، عائشہ، اُم حبیبہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات ان حضرات صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر فرمائی ہوگی۔ پس یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہوگی۔ اور امام شافعیؒ کا مذہب نہ حدیث سے ثابت ہے اور نہ صحابی کے قول سے بلکہ بعض تابعین کے قول سے ثابت ہے۔

اور عقلی بات یہ ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اکثر مدت نفاس، اکثر مدت حیض کا چار گونہ ہوتا ہے اور باب الحیض میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ہمارے نزدیک حیض کی اکثر مدت دس دن ہے لہٰذا اس کا چار گونہ یعنی ۴۰ دن اکثر مدت نفاس ہوگی۔ اور چونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک حیض کی اکثر مدت پندرہ دن ہیں لہٰذا اس کا چار گونہ یعنی ساٹھ دن ان کے نزدیک اکثر مدت نفاس ہوگی۔

وَلَوْ جَاوَزَ الدَّمُ الْاَرْبَعِیْنَ وَکَانَتْ وَلَدَتْ قَبْلَ ذٰلِکَ وَلَهَا عَادَةٌ فِی النِّفَاسِ
اور اگر خون نے چالیس دن سے تجاوز کیا۔ اور حال یہ ہے کہ یہ عورت اس سے پہلے بھی جن چکی ہے اور اس کیلئے نفاس میں عادت (معروف) ہے
رُدَّتْ اِلٰی اَیَّامِ عَادَتِهَا لِمَا بَیَّنَّا فِی الْحَیْضِ
تو وہ اپنے ایام عادت کی طرف پھیری جائے گی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے حیض میں بیان کی ہے

وَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهَا عَادَةٌ فَابْتِدَاءُ نِفَاسِهَا اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا لِاَنَّهُ اَمْكَنَ جَعْلُهُ نِفَاسًا
اور اگر اس عورت کی کوئی عادت (معروفہ) نہ ہو تو اسکی نفاس کی ابتدا چالیس دن ہیں کیونکہ چالیس کو نفاس ٹھہرانا ممکن ہے۔

چالیس دن سے خون تجاوز کر جائے تو معتادہ کو عادت کی طرف لوٹایا جائے گا

تشریح:۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو ولادت کے بعد چالیس روز سے زائد خون آیا تو اب یہ دیکھنا ہے کہ اس عورت کی نفاس کے سلسلہ میں کوئی عادت ہے یا نہیں اگر عادت ہے تو ایام عادت کی مدت نفاس شمار ہوگا اور باقی استحاضہ، دلیل باب الحیض میں گذر چکی۔ اور اگر اس کی کوئی عادت معروفہ نہ ہو تو اس صورت میں چالیس روز نفاس کے ہوں گے اور باقی ایام میں استحاضہ ہوگا کیونکہ چالیس دن کو نفاس کی مدت قرار دینا ممکن بھی ہے اور اس سے کم مشکوک ہے اس لئے مدت نفاس چالیس روز رہے گی۔

فَاِنْ وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِيْ بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنِفَاسُهَا مِنَ الْوَلَدِ الْاَوَّلِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَاِنْ كَانَ بَيْنَ
پھر اگر عورت ایک پیٹ میں دو بچے جنے تو اس کا نفاس شیخین کے نزدیک اول بچے سے شروع ہوگا اگر چہ دونوں بچوں
الْوَلَدَيْنِ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا وَقَالَ مُحَمَّدٌ مِنَ الْوَلَدِ الْاَخِيْرِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ
کے درمیان چالیس دن کا (فاصلہ) ہو۔ اور امام محمدؒ نے کہا کہ دوسرے بچہ سے (نفاس کی ابتدا ہوگی) اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے
لِاَنَّهَا حَامِلٌ بَعْدَ وَضْعِ الْاَوَّلِ فَلَا تَصِيْرُ نُفَسَاءَ كَمَا اَنَّهَا لَا تَحِيْضُ وَلِهٰذَا تَنْقَضِيْ
اس لئے کہ پہلا بچہ جننے کے بعد وہ حاملہ ہے لہذا نفاس والی نہ ہوگی۔ جیسا کہ حائضہ نہیں ہوتی ہے اور اسی وجہ سے (عورت کی) عدت بالاجماع
الْعِدَّةُ بِالْاَخِيْرِ بِالْاِجْمَاعِ وَلَهُمَا اَنَّ الْحَامِلَ اِنَّمَا لَا تَحِيْضُ لِانْسِدَادِ فَمِ الرَّحِمِ عَلٰى مَا ذَكَرْنَا
دوسرے بچے کے جننے سے پوری ہوتی ہے۔ اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ حاملہ کو رحم کا منہ بند ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا
وَقَدِ انْفَتَحَ بِخُرُوْجِ الْاَوَّلِ وَتَنَفَّسَ بِالدَّمِ فَكَانَ نِفَاسًا
اور یہاں اول بچہ کے نکلنے سے رحم کا منہ کھل گیا اور اس نے خون اگلا لہذا یہ (ضرور) نفاس ہوگا
وَالْعِدَّةُ تَعَلَّقَتْ بِوَضْعِ حَمْلٍ مُضَافٍ اِلَيْهَا فَيَتَنَاوَلُ الْجَمِيْعَ
اور عدت کا تعلق ایسے حمل کی وضع سے ہے جو عورت کی طرف مضاف ہے پس وہ کل کو شامل ہوگا

ایک حمل سے دو بچے جنے نفاس پہلے بچہ کی ولادت سے شروع ہوگا یا دوسرے بچے کی ولادت سے، اقوال فقہاء

تشریح:۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے ایک پیٹ میں دو بچے جنے تو شیخین کے نزدیک اس کے نفاس کی

ابتداء پہلا بچہ پیدا ہونے سے ہو جائیگی۔ اگر چہ دونوں بچوں کی ولادت میں چالیس روز کا فاصلہ ہو۔ اور امام محمدؒ نے کہا کہ دوسرا بچہ پیدا ہونے سے نفاس کی ابتدا ہوگی۔ اور یہی قول امام زفرؒ کا ہے۔

ایک پیٹ سے مراد یہ ہے کہ دونوں بچوں کی ولادت کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہو۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ پہلا بچہ جننے کے بعد بھی یہ عورت حاملہ ہے اور حاملہ عورت کو جس طرح حیض نہیں آتا اسی طرح وہ نفاس والی بھی نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ عورت اگر مطلقہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق دوسرے بچہ کی ولادت سے پوری ہوگی لہٰذا اسی سے نفاس بھی شروع ہوگا۔

شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حاملہ عورت کو اس لئے خون نہیں آتا کہ اس کے رحم کا منہ بند ہوتا ہے لیکن جب پہلے بچہ کی ولادت سے رحم کا منہ کھل گیا اور وہ خون پھینکنے لگا تو یہ یقیناً نفاس ہوگا کیونکہ ولادت کے بعد رحم سے نکلنے والے خون ہی کو نفاس کہتے ہیں۔

اور امام محمدؒ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ عدت کا پورا ہونا ایسے حمل کی وضع سے متعلق ہے جو عورت کی طرف مضاف ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اور حمل کہتے ہیں کُلُّ مَافِی الْبَطْنِ کو یعنی جو کچھ بھی پیٹ میں ہو۔ پس پہلا بچہ جننے سے پورا حمل وضع نہیں ہوا بلکہ بعض حمل وضع ہوا۔ اور حاملہ کی عدت پوری ہوتی ہے پورے وضع حمل سے اس لئے عدت دوسرا بچہ جننے سے پوری ہوگی نہ کہ پہلا بچہ جننے سے۔ واللہ اعلم۔ جمیل عفی عنہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بَابُ الْاَنْجَاسِ وَتَطْهِيْرِهَا

(یہ) باب نجاستوں اور ان کی تطہیر (کے بیان میں) ہے۔

تشریح: انجاس، واحد نجس (بفتح الجیم) بمعنی نجاست اور بکسر الجیم وہ چیز جو پاک نہ ہو۔ سابق میں مصنفؒ نے نجاست حکمی اور اس کی تطہیر کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ اب یہاں سے نجاست حقیقی اور اس کے احکام ذکر کریں گے چونکہ نجاست حکمی اقویٰ ہے بہ نسبت نجاست حقیقی کے اس لئے نجاست حکمی کے احکام مقدم ذکر کئے گئے۔ رہی یہ بات کہ نجاست حکمی اقویٰ کیوں ہے۔

سو اس کی وجہ یہ ہے کہ نجاست حکمی اگر قلیل بھی ہو تو بھی جواز صلوٰۃ کے لئے مانع ہے۔ اس کے برخلاف نجاست حقیقی کہ اس کی قلیل مقدار جواز صلوٰۃ کے لئے مانع نہیں ہے۔

تَطْهِيْرُ النَّجَاسَةِ وَاجِبٌ مِنْ بَدَنِ الْمُصَلِّيْ وَثَوْبِهٖ وَالْمَكَانِ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْهِ لِقَوْلِهٖ
نجاست کا پاک کرنا واجب ہے مصلی کے بدن سے اس کے کپڑے سے اور اس مکان سے جس پر نماز پڑھتا ہے
تَعَالٰى وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ حُتِّيْهِ ثُمَّ اقْرُصِيْهِ ثُمَّ اغْسِلِيْهِ بِالْمَاءِ
اس لئے کہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے "اور اپنے کپڑے کو پاک کر" اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو چھیل پھر اس کو کھرچ، پھر اس کو پانی سے دھودے۔

وَلَا يَضُرُّكَ اَثَرُهٗ وَاِذَا وَجَبَ التَّطْهِيْرُ فِي الثَّوْبِ وَجَبَ فِي الْبَدَنِ وَالْمَكَانِ
اور تجھے اس کا داغ (کچھ) نقصان نہ دے گا، اور جب کپڑے کے حق میں پاک کرنا واجب ہے تو بدن اور مکان میں بھی واجب ہوگا
لِاَنَّ الْاِسْتِعْمَالَ فِيْ حَالَةِ الصَّلٰوةِ يَشْمَلُ الْكُلَّ
کیونکہ حالت نماز میں استعمال کرنا سب کو شامل ہے

نمازی کا بدن، کپڑے اور مکان کا نجاست سے پاک ہونا ضروری ہے

تشریح: ۔طہارت میں واجب بمعنی فرض ہے۔اور تطہیر کے دو معنی ہیں ایک طہارت ثابت کرنا، دوم نجاست زائل کرنا۔ پہلی صورت میں ترجمہ ہوگا نجاست کے محل کو پاک کرنا اس میں طہارت ثابت کر کے اور دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا کہ نجاست کو زائل کرنا فرض ہے۔ بہرحال صورت مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کے بدن اور اس کے کپڑے اور اس مکان سے جس پر نماز پڑھتا ہے نجاست زائل کرنا فرض ہے۔

تطہیر ثوب پر باری تعالیٰ کا قول وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ دلیل ہے اس طور پر کہ طَهِّرْ صیغہ امر ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے پس کپڑوں کی طہارت کا وجوب عبارت النص سے ثابت ہو گیا اور بدن اور مکان صلوٰۃ کی طہارت دلالت النص سے ثابت ہوگی بایں طور کہ کپڑے کا پاک کرنا اس لئے واجب ہوا کہ نماز اپنے مولیٰ کے ساتھ مناجات کی حالت ہے۔ لہٰذا مصلی کے لئے ضروری ہے کہ وہ احسن احوال پر ہو۔

اور مصنف کے نزدیک احسن احوال اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ مصلی خود پاک ہو اور جو چیزیں اس کے ساتھ متصل ہیں وہ پاک ہوں پس جب کپڑا جو مصلی کے ساتھ کامل اتصال نہیں رکھتا اس کا پاک رکھنا فرض ہے تو بدن اور مکان جس کا نمازی کے ساتھ کامل اتصال ہے ان کا پاک رکھنا بدرجہ اولیٰ فرض ہوگا۔

دوسری دلیل حضور ﷺ کی حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو چھیل دو پھر اس کو کھرچ دو پھر اس کو پانی سے دھو ڈالو۔ علامہ ابن الہمامؒ نے یہ حدیث اس طرح نقل کی ہے۔ **عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَتْ جَاءَتْ اِمْرَاَةٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ اِحْدَانَا يُصِيْبُ ثَوْبَهَا مِنْ دَمِ الْحَيْضِ كَيْفَ تَصْنَعُ بِهٖ قَالَ تَحُتُّهٗ ثُمَّ تَقْرُصُهٗ بِالْمَاءِ ثُمَّ تَنْضَحُهٗ ثُمَّ تُصَلِّيْ فِيْهِ** (متفق علیہ)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگی کہ ہم میں سے ایک کو یعنی اس کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جاتا ہے تو وہ اس کو کیا کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو (ناخن وغیرہ سے) کھرچ دے پھر (اس کو پانی ڈال کر) مسل دے پھر اس پر پانی بہا دے پھر اس میں نماز پڑھے صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ دھونے کے بعد اگر کپڑے

پر نجاست کا داغ رہ جائے تو وہ مضر نہیں ہے یعنی وہ داغ مانع جواز صلوٰۃ نہیں ہے۔

واضح ہو کہ مکان کی طہارت میں موضع قدم معتبر ہے یعنی کھڑے ہونے کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے چنانچہ اگر موضع قیام میں ایک درہم کی مقدار سے زائد نجاست ہو تو نماز فاسد ہوگی۔ رہا یہ کہ سجدہ کی جگہ کا بھی پاک ہونا ضروری ہے یا نہیں تو اس بارے میں اختلاف ہے۔

امام محمدؒ نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ سجدہ کی جگہ کا پاک ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ سجدہ بھی قیام کی طرح ایک رکن ہے پس جس طرح جائے قیام کی طہارت شرط ہے اسی طرح جائے سجود کی طہارت بھی شرط ہوگی۔

اور امام ابو یوسفؒ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ سجدہ کی جگہ کا پاک ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ سجدہ صرف ناک سے ادا ہوتا ہے اور ناک جس طرح رکھی جائے گی وہ ایک درہم کی مقدار سے کم ہے اور ایک درہم کی مقدار سے کم نجاست مانع جواز صلوٰۃ نہیں ہے اس لئے مکانِ سجود کی طہارت کو شرط قرار نہیں دیا گیا۔ اور طرفینؒ کے نزدیک مکانِ سجود کی طہارت شرط ہے کیونکہ سجدہ پیشانی پر کرنا فرض ہے اور پیشانی کی جگہ ایک درہم کی مقدار سے زائد ہوتی ہے اس لئے اس کا پاک کرنا ضروری ہے۔

وَيَجُوْزُ تَطْهِيْرُهَا بِالْمَاءِ وَبِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ يُمْكِنُ اِزَالَتُهَا بِهٖ
اور نجاستوں کا زائل کرنا پانی کے ساتھ اور ہر ایسی بہنے والی پاک چیز کے ساتھ جائز ہے کہ اس کے ساتھ نجاست کا زائل کرنا ممکن ہو
كَالْخَلِّ وَمَاءِ الْوَرْدِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ مِمَّا اِذَا عُصِرَ اِنْعَصَرَ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَؒ وَاَبِيْ يُوْسُفَؒ
جیسے سرکہ، گلاب کا پانی اور اس کے مانند۔ ایسی چیزوں میں سے کہ جب نچوڑی جائیں تو نچڑ جائیں۔ اور یہ حکم شیخینؒ کے نزدیک ہے
وَقَالَ مُحَمَّدٌؒ وَ زُفَرُؒ وَالشَّافِعِيُّؒ لَا يَجُوْزُ اِلَّا بِالْمَاءِ لِاَنَّهٗ يَتَنَجَّسُ بِاَوَّلِ الْمُلَاقَاةِ
اور امام محمدؒ، امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ جائز نہیں مگر پانی کے ساتھ کیونکہ پاک کرنے والی چیز تو اول ملاقات سے ناپاک ہو جاتی ہے
وَالنَّجِسُ لَا يُفِيْدُ الطَّهَارَةَ اِلَّا اَنَّ هٰذَا الْقِيَاسَ تُرِكَ فِي الْمَاءِ لِلضَّرُوْرَةِ وَلَهُمَا
اور ناپاک چیز طہارت کا فائدہ نہیں دیتی لیکن یہ قیاس پانی کے حق میں ضرورت کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ
اَنَّ الْمَائِعَ قَالِعٌ وَالطَّهُوْرِيَّةُ بِعِلَّةِ الْقَلْعِ وَالْاِزَالَةِ وَالنَّجَاسَةُ لِلْمُجَاوَرَةِ
بہنے والی چیز تو قلع کرنے والی ہے اور پاک کرنے کی صفت قلع اور زائل کرنے کی وجہ سے ہے اور نجس ہونا مجاورت کی وجہ سے ہے
فَاِذَا انْتَهَتْ اَجْزَاءُ النَّجِسِ يَبْقٰى طَاهِرًا وَجَوَابُ الْكِتَابِ لَا يُفَرِّقُ بَيْنَ الثَّوْبِ وَالْبَدَنِ
پس جب نجاست کے اجزاء ختم ہو گئے تو وہ شی پاک رہ گئی، اور کتاب میں جو حکم مذکور ہے وہ کپڑے اور بدن میں تفریق نہیں کرتا
وَهٰذَا قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَؒ وَاِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ وَعَنْهُ اَنَّهٗ
اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے اور ایک روایت ابو یوسفؒ سے بھی ہے۔ اور ابو یوسفؒ سے (دوسری) روایت یہ ہے کہ انہوں نے

فَرَّقَ بَيْنَهُمَا فَلَمْ يُجِزْ فِي الْبَدَنِ بِغَيْرِ الْمَاءِ
بدن اور کپڑے میں فرق کیا ہے پس بدن پاک کرنے میں پانی کے علاوہ کے ساتھ کوانہوں نے جائز قرار نہیں دیا

نجاست کن چیزوں سے زائل کی جاسکتی ہے

تشریح:۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ کن چیزوں سے نجاست کا زائل کرنا جائز ہے اور کن سے جائز نہیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ پانی اور ہر ایسی چیز کے ساتھ نجاست کا زائل کرنا جائز ہے جو بہتی ہو، پاک ہو اور اس کے ساتھ نجاست کا زائل کرنا ممکن بھی ہو جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی اور ایسی چیز جو نچوڑنے سے نچڑ جائے۔ پس ماکول اللحم جانور کے پیشاب اور تیل، گھی وغیرہ سے طہارت حاصل نہیں ہوگی اس لئے کہ پیشاب ناپاک ہے اور تیل وغیرہ اگرچہ پاک ہیں لیکن نچوڑنے سے نچڑتے نہیں بلکہ کپڑے میں جذب ہو جاتے ہیں۔

امام محمدؒ، امام زفرؒ امام شافعیؒ، اور امام مالکؒ اور عامۃ الفقہاء کا مذہب یہ ہے کہ پانی کے علاوہ دوسری بہنے والی چیزوں سے پاکی حاصل کرنا ناجائز ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ پاک کرنے والی چیز نجاست سے مل کر اول وہلہ میں ناپاک ہو جاتی ہے یعنی پانی یا پاک کرنے والی چیز کو جب نجاست پر ڈالا اور نجاست کے کچھ اجزاء اس میں آئے تو یہ خود ناپاک ہوگئی اور جو چیز خود ناپاک ہو وہ دوسرے کو پاک نہیں کرسکتی اس لئے قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ نہ پانی مفید طہارت ہو اور نہ کوئی دوسری بہنے والی چیز۔ لیکن ضرورت کی وجہ سے پانی کے حق میں یہ قیاس ترک کر دیا گیا۔ اس لئے پانی کو مفید طہارت اور پانی کے علاوہ کو غیر مفید طہارت قرار دیا گیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ یعنی اللہ تمہارے واسطے آسمان سے پانی اس لئے اتارتا ہے تاکہ وہ تم کو اس کے ذریعہ پاک کر دے اس آیت سے معلوم ہوا کہ پانی سے تطہیر مقصود ہے۔ تیسری دلیل قیاس ہے یعنی جس طرح نجاست حکمی (حدث) پانی کے علاوہ سے زائل نہیں ہوتی اسی طرح نجاست حقیقی بھی پانی کے علاوہ سے زائل نہیں ہوگی۔

شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ بہنے والی چیز قطع کرنے والی ہے یعنی نجاست کو اکھاڑ کر دور کر دیتی ہے اور پانی میں پاک کرنیوالی صفت اسی وجہ سے ہے کہ وہ نجاست کو دور کر دیتا ہے پس جب معنی دوسری بہنے والی چیزوں میں موجود ہے تو پانی کی طرح یہ بھی پاک کرنے والی اور مزیل نجاست ہوں گی۔ بلکہ پانی تو بعض رنگدار نجاست کا رنگ دور نہیں کرتا اور سرکہ اس کا رنگ بھی دور کر دیتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اول ملاقات سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پانی کا ناپاک ہونا اجزاء نجاست کے ساتھ مجاورت اور پڑوس کی وجہ سے ہے پس جب نجاست کے اجزاء بہہ کر ختم ہو گئے تو محل یعنی کپڑا بھی پاک ہو گیا۔

امام محمدؒ کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جس ضرورت کی وجہ سے پانی کے حق میں قیاس ترک کر دیا گیا اسی ضرورت کی وجہ سے دوسری بہنے والی اور پاک کرنے والی چیزوں میں بھی ترک کر دو۔ دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ ذکر شی ء اس کی تخصیص پر دلالت نہیں کرتا یعنی آیت میں پانی کے مطہر ہونے کے ذکر سے دوسری چیزوں کا غیر مطہر ہونا لازم نہیں آتا۔ اور تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ نجاست حقیقی کو نجاست حکمی (حدث) پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ حدث ایک شرعی مانع ہے لہٰذا یہ اسی طور پر زائل ہوگا جس طرح شریعت میں معہود ہے۔ اس کے برخلاف نجاست حقیقیہ کہ وہ محسوس چیز ہے اس وجہ سے حدث پر اس کا قیاس صحیح نہیں ہے۔

صاحب ہدایہؒ کہتے ہیں کہ قدوری میں جو حکم مذکور ہے یعنی **یَجُوْزُ تَطْهِیْرُهَا بِالْمَاءِ وَبِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ** وہ کپڑے اور بدن میں تفریق نہیں کرتا یعنی جس طرح پانی اور بہنے والی پاک چیز سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے اسی طرح بدن بھی دونوں سے پاک ہو جائے گا یہی قول امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے اور دو روایتوں میں سے امام ابو یوسفؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے بدن اور کپڑے میں فرق کیا ہے اور کہا کہ بدن کو صرف پانی کے ساتھ پاک کرنا جائز ہے اور کپڑے کو پانی اور بہنے والی پاک چیزوں کے ساتھ پاک کیا جا سکتا ہے۔

وَاِذَا اَصَابَ الْخُفَّ نَجَاسَةٌ لَهَا جِرْمٌ كَالرَّوْثِ وَالْعَذِرَةِ وَالدَّمِ وَالْمَنِيِّ فَجَفَّتْ
اور جب موزہ کو ایسی نجاست لگ جائے کہ جس کا جسم ہے جیسے گوبر، آدمی کا پاخانہ، خون اور منی، پھر یہ نجاست خشک ہو جائے
فَدَلَكَهُ بِالْاَرْضِ جَازَ وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَجُوْزُ وَهُوَ الْقِيَاسُ اِلَّا فِي الْمَنِيِّ خَاصَّةً
پھر اس کو زمین پر مل دے تو جائز ہے اور یہ استحسان ہے۔ اور امام محمدؒ نے کہا کہ جائز نہیں اور یہی قیاس ہے مگر خاص طور پر منی میں
لِاَنَّ الْمُتَدَاخِلَ فِي الْخُفِّ لَا يُزِيْلُهُ الْجَفَافُ وَالدَّلْكُ بِخِلَافِ الْمَنِيِّ عَلٰى مَا نَذْكُرُهُ وَلَهُمَا
کیونکہ جو چیز موزے میں داخل ہوگی اس کو خشکی اور ملنا زائل نہیں کرتا بخلاف منی کے اس بنا پر جو ہم ذکر کریں گے۔ اور شیخینؒ کی دلیل
قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِنْ كَانَ بِهِمَا اَذًى فَلْيَمْسَحْهُمَا بِالْاَرْضِ فَاِنَّ الْاَرْضَ لَهُمَا طَهُوْرٌ
حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر دونوں موزوں میں نجاست ہو تو ان کو زمین پر مل دے کیونکہ زمین ان کے واسطے پاک کرنے والی ہے
وَلِاَنَّ الْجِلْدَ لِصَلَابَتِهِ لَا يَتَدَاخَلُهُ اَجْزَاءُ النَّجَاسَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ثُمَّ يَجْتَذِبُهُ
اور اس لئے کہ کھال کے ٹھوس ہونے کی وجہ سے اجزاء نجاست اس میں داخل نہیں ہوتے مگر کم پھر جب خشک ہو جائے تو اس کا جرم
الْجِرْمُ اِذَا جَفَّ فَاِذَا زَالَ زَالَ مَا قَامَ بِهِ
اس کو جذب کر لیتا ہے پھر جب وہ جرم زائل ہوگا تو جو اجزاء اس کے ساتھ قائم ہیں وہ بھی زائل ہو جائیں گے

موزہ پر نجاست لگ جائے تو اس کی پاکی کا طریقہ

تشریح: ۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر موزے پر ایسی نجاست لگ گئی جو جرم اور جسد رکھتی ہے جیسے گوبر، پاخانہ، بہنے والا خون اور منی، پھر وہ خشک ہوگئی پھر اس کو زمین پر رگڑ دیا یا لکڑی وغیرہ سے کھرچ کر صاف کر دیا تو وہ موزہ پاک ہوگیا اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یہ حکم استحسانی ہے یعنی قیاس جلی کے مقابلہ میں ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے یعنی ایسا کرنے سے موزہ پاک نہیں ہوگا بلکہ اس کا دھونا ضروری ہے سوائے منی کے، چنانچہ منی کے سلسلہ میں آئندہ کلام کریں گے۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا ہے کہ امام محمدؒ کا قول قیاس کے مطابق ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ موزے کے اندر جرم میں جو پیوند و پیوست ہو جاتا ہے اس کو خشکی اور ملنا دور نہیں کرتا حتی کہ خشک ہونے کے بعد بھی نجاست باقی رہتی ہے اس لئے موزہ کو پاک کرنے کیلئے اس کا دھونا ضروری قرار دیا گیا۔ رہا منی کا حکم سو اس کو آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ۔

شیخین کی دلیل حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: اِنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یُصَلِّیْ فَخَلَعَ نَعْلَیْہِ فَخَلَعَ الْقَوْمُ نِعَالَھُمْ فَقَالَ لَھُمْ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ مَالَکُمْ خَلَعْتُمْ نِعَالَکُمْ فَقَالُوْا رَأَیْنَاکَ خَلَعْتَ نَعْلَیْکَ فَخَلَعْنَا فَقَالَ اَخْبَرَنِیْ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ اَنَّ فِیْھِمَا قَذَرًا اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمْ بَابَ الْمَسْجِدِ فَلْیَقْلِبْ نَعْلَیْہِ فَاِنْ رَاٰی فِیْھِمَا قَذَرًا فَلْیَمْسَحْھُمَا بِالْاَرْضِ یعنی حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے نعلین کو نکالا پس لوگوں نے بھی اپنے اپنے نعلین کو نکال دیا۔ آپ ﷺ نے نماز کے بعد دریافت کیا کہ تم کو کیا ہوگیا کہ تم نے اپنے نعال کو نکال دیا صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہم نے آپ ﷺ کو اپنے نعلین نکالتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی نکال دیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل نے خبر دی تھی کہ ان میں گندگی ہے جب تم میں سے کوئی مسجد کے دروازے پر آئے تو اپنے نعلین کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا کرے پس اگر ان پر گندگی نظر پڑے تو ان کو زمین پر رگڑ دیا کرو۔

اور ایک روایت میں فَاِنَّ الْاَرْضَ لَھُمَا طَھُوْرٌ کے الفاظ بھی ہیں یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمین ان کے لئے مطہر (پاک کرنے والی) ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موزہ پر اگر نجاست لگی ہو تو اس کو زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے پانی سے دھونا شرط نہیں ہے۔ اور دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ موزہ چمڑے کا ہونے کی وجہ سے ٹھوس ہوتا ہے اس میں نجاست کے اجزاء جذب نہیں ہوسکتے مگر بہت کم، پھر یہ کم بھی جب وہ خشک ہوا تو اس نجاست کا جرم خود ان کو جذب کر لیتا ہے پس جب وہ جرم زائل ہوگا تو جو اجزاء اس کے ساتھ قائم ہیں وہ بھی زائل ہو جائیں گے۔

وَفِی الرَّطْبِ لَا یَجُوْزُ حَتّٰی یَغْسِلَہٗ لِاَنَّ الْمَسْحَ بِالْاَرْضِ یُکَثِّرُہٗ
اور تر (نجاست) میں جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس کو دھوئے کیونکہ زمین پر پونچھنا اس (تر نجاست) کو زیادہ کر دے گا

وَلا يُطَهِّرُهُ وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهُ اِذَا مَسَحَهُ بِالْاَرْضِ حَتّٰى لَمْ يَبْقَ اَثَرُ النَّجَاسَةِ يَطْهُرُ لِعُمُوْمِ
اور اسے پاک نہیں کرے گا۔ اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جب اس کو زمین پر رگڑے حتی کہ نجاست کا اثر نہ رہے تو وہ عموم بلوی
الْبَلْوٰى وَاِطْلَاقِ مَا يُرْوٰى وَعَلَيْهِ مَشَايِخُنَا
اور روایت کی جانے والی حدیث کے اطلاق کی وجہ سے پاک ہو جائے گا اور ہمارے مشائخ اسی قول پر ہیں

تر نجاست دھونے سے پاک ہوگی

تشریح ۔ مسئلہ یہ ہے کہ موزہ پر اگر تر نجاست لگ گئی جیسے گوبر، پاخانہ اور خون وغیرہ اور ابھی یہ خشک نہیں ہوا تو موزہ زمین پر رگڑنے سے پاک نہیں ہوگا بلکہ اس کا دھونا ضروری ہے کیونکہ تر نجاست اگر زمین پر پونچھی جائے تو وہ پھیل جائے گی۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے موزہ مزید ملوث ہوگا نہ کہ پاک ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ تر نجاست کی صورت میں بھی جب موزہ کو زمین پر رگڑا، یہاں تک کہ نجاست کا اثر جاتا رہا تو موزہ پاک ہو گیا اس کو دھونے کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ اس میں عموم بلوئی ہے یعنی عام طور پر لوگ اس میں مبتلا ہیں اگر دھونا ضروری قرار دے دیا جائے تو حرج عظیم لازم آئے گا۔

دوسری بات یہ کہ حدیث فَلْيَمْسَحْهُمَا بِالْاَرْضِ مطلق ہے تر نجاست اور خشک نجاست کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا لہٰذا موزہ زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جائے گا خواہ اس پر تر نجاست لگی ہو یا خشک نجاست لگی ہو ہمارے مشائخ کا یہی قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

فَاِنْ اَصَابَهُ بَوْلٌ فَيَبِسَ لَمْ يَجُزْ حَتّٰى يَغْسِلَهُ وَكَذَا كُلُّ مَا لَا جِرْمَ لَهُ كَالْخَمْرِ
پھر اگر موزہ کو پیشاب لگ جائے پھر خشک ہو جائے تو جائز نہیں یہاں تک کہ اس کو دھو دے اور اسی طرح ہے ہر وہ چیز جس کا جسم نہ ہو جیسے شراب
لِاَنَّ الْاَجْزَاءَ تَتَشَرَّبُ فِيْهِ وَلَا جَاذِبَ يَجْذِبُهَا
اس لئے کہ (نجاست کے) اجزاء اس میں پی لئے جاتے ہیں اور کوئی چیز جذب کرنے والی نہیں ہے جو ان اجزاء کو جذب کرلے
وَقِيْلَ مَا يَتَّصِلُ بِهٖ مِنَ الرَّمْلِ جِرْمٌ لَهُ
اور کہا گیا کہ جو کچھ ریت وغیرہ اس کے ساتھ لگ گئی وہی اس کا جرم ہے

موزہ پر غیر جسم دار نجاست لگ گئی اور خشک بھی ہوگئی تب بھی موزہ دھونے سے پاک ہوگا

تشریح ۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر موزے پر ایسی نجاست لگ گئی جس کا جرم نہیں ہے مثلاً پیشاب اور شراب وغیرہ تو ایسی صورت میں موزہ صرف دھونے سے پاک ہوگا خشک ہونے کے بعد اگر زمین پر رگڑ دیا تو پاک نہیں ہوگا۔ کیونکہ نجاست کے اجزاء موزے کے اندر پیوست ہوگئے اور یہاں نجاست کا ایسا کوئی جرم اور جسم نہیں جو خشک ہو کر ان اجزاء کو اپنے اندر جذب کرلے اس لئے

ان پیوست شدہ اجزاء کو موزے کے اندر سے نکالنے کیلئے پانی سے دھونا ضروری ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر کسی کے موزے پر پیشاب لگ گیا پھر اس پر مٹی یا ریت یا کوئی اور ذی جرم چیز لگ گئی اور وہ خشک ہوگئی پھر اس کو زمین پر مل دیا تو وہ موزہ پاک ہو جائے گا اس صورت میں پانی سے دھونے کی ضرورت نہیں شمس الائمہ سرخسی نے کہا کہ یہی صحیح ہے (عنایہ)۔

وَالثَّوْبُ لَا يُجْزِئُ فِيهِ اِلَّا الْغَسْلُ وَاِنْ يَبِسَ لِاَنَّ الثَّوْبَ لِتَخَلْخُلِهٖ

اور کپڑے کے حق میں صرف دھونا ہی کفایت کرتا ہے اگرچہ نجاست خشک ہوگئی ہو کیونکہ کپڑے کے ٹھوس نہ ہونے کی وجہ سے

يَتَدَاخَلُهٗ كَثِيْرٌ مِنْ اَجْزَاءِ النَّجَاسَةِ فَلَا يُخْرِجُهَا اِلَّا الْغَسْلُ

بہت سے اجزاء نجاست اس میں داخل ہو جاتے ہیں پس ان کو سوائے دھونے کے اور کوئی چیز نہیں نکال سکتی

ناپاک کپڑا صرف دھونے سے پاک ہوگا

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ نجاست اگر کپڑے کو لگ گئی ہو تو وہ بغیر دھوئے پاک نہیں ہوگا اگرچہ نجاست خشک ہوگئی ہو۔

دلیل یہ ہے کہ کپڑے کے اجزاء میں چونکہ ٹھوس پن نہیں ہوتا بلکہ اس کے اجزاء کے درمیان تخلخل یعنی ڈھیلا پن رہتا ہے اس لئے نجاست کے بہت سے اجزاء اس میں داخل ہو جاتے ہیں پس ان اجزائے نجاست کو نکالنے کیلئے پانی وغیرہ سے دھونا ضروری ہے زمین پر ملنا کافی نہ ہوگا۔

وَالْمَنِيُّ نَجِسٌ يَجِبُ غَسْلُهٗ رَطْبًا فَاِذَا جَفَّ عَلَى الثَّوْبِ اَجْزَأَ فِيهِ الْفَرْكُ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور منی ناپاک ہے تر ہونے کی صورت میں اس کا دھونا واجب ہے پھر جب کپڑے پر خشک ہو جائے تو اس میں کھرچنا کافی ہے کیونکہ حضور ﷺ

لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا فَاغْسِلِيْهِ اِنْ كَانَ رَطْبًا وَافْرُكِيْهِ اِنْ كَانَ يَابِسًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّؒ

نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اگر تر ہو تو اس کو دھو ڈال اور اگر خشک ہو تو اس کو کھرچ دے اور امام شافعیؒ نے فرمایا

اَلْمَنِيُّ طَاهِرٌ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ

کہ منی پاک ہے اور ان پر حجت وہ حدیث ہے جسے ہم نے روایت کیا ہے۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ کپڑا پانچ چیزوں سے

مِنْ خَمْسٍ وَذَكَرَ مِنْهَا الْمَنِيَّ وَلَوْ اَصَابَ الْبَدَنَ قَالَ مَشَايِخُنَاؒ يَطْهُرُ بِالْفَرْكِ

دھویا جاتا ہے اور ان میں سے منی کو ذکر فرمایا۔ اور اگر منی بدن کو لگ گئی تو ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ وہ بھی کھرچنے سے پاک ہو جائے گا

لِاَنَّ الْبَلْوٰى فِيْهِ اَشَدُّ وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَؒ اَنَّهٗ لَا يَطْهُرُ اِلَّا بِالْغَسْلِ

کیونکہ اس میں مبتلا ہونا بہت ہے اور ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ بدن پاک نہیں ہوگا مگر دھونے سے

لِاَنَّ حَرَارَةَ الْبَدَنِ جَاذِبَةٌ فَلَا يَعُوْدُ اِلَى الْجِرْمِ وَالْبَدَنُ لَا يُمْكِنُ فَرْكُهٗ
کیونکہ بدن کی حرارت جاذب ہے پس وہ جرم کی طرف عود نہ کرے گی اور بدن کو کھرچنا ممکن نہیں ہے

منی ناپاک ہے اگر کپڑے پر لگ جائے تو تر منی کا دھونا واجب اور خشک منی کا کھرچنا کافی ہے اور اگر بدن کو لگ جائے تو دھونا ضروری ہے

تشریح: منی کی نجاست اور طہارت میں اختلاف ہے۔ چنانچہ علمائے احناف نے کہا کہ آدمی کی منی ناپاک ہے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ آدمی کی منی پاک ہے اور آدمی کے علاوہ دوسرے حیوانات میں سے کتے اور خنزیر کی منی بالاجماع ناپاک ہے اور ان دونوں کے علاوہ جانوروں کی منی میں تین قول ہیں:۔

اول یہ کہ تمام کی منی پاک ہے ماکول اللحم کی ہو یا غیر ماکول اللحم کی، دوم یہ کہ سب کی منی ناپاک ہے سوم یہ کہ ماکول اللحم کی منی پاک اور غیر ماکول اللحم کی منی ناپاک ہے۔ (حاشیہ مولانا عبدالحی)

منی کے پاک ہونے پر حضرت امام شافعیؒ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے **عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيْبُ الثَّوْبَ فَقَالَ اِنَّمَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُخَاطِ اَوِ الْبُزَاقِ وَقَالَ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ اَنْ تَمْسَحَهٗ بِخِرْقَةٍ اَوْ اِذْخِرَةٍ.**

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے اس منی کے بارے میں دریافت کیا گیا جو کپڑے کو لگ جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بمنزلہ رینٹ اور تھوک کے ہے اور کہا کہ یہی کافی ہے کہ اس کو کسی چیتھڑے یا اذخر گھاس سے پونچھے۔ اس حدیث میں منی کو رینٹ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور رینٹ پاک ہے لہٰذا منی بھی پاک ہوگی۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے: **كُنْتُ اَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي**

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی تھی درانحالیکہ آپ نماز پڑھتے ہوتے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ منی پاک ہے ورنہ منی لگا ہوا کپڑا پہن کر آپ نماز شروع نہ فرماتے۔ دلیل عقلی یہ ہے کہ منی انسان کی پیدائش کا مبدأ ہے لہٰذا وہ مٹی کی طرح پاک ہوگی کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا ناپاک چیز سے پیدا ہونا محال ہے۔

بیانِ مذاہب کے ذیل میں گذر چکا کہ علمائے احناف کے نزدیک منی ناپاک ہے اسی کے قائل امام مالکؒ ہیں۔ لیکن امام مالکؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک جس کپڑے پر منی لگی ہو اس کا پانی سے دھونا ضروری ہے بغیر پانی کے کپڑا پاک نہ ہوگا۔

اور ہمارے علمائے ثلاثہؒ کے نزدیک اگر منی تر ہو تو اس کا دھونا واجب ہے اور اگر خشک ہوگئی ہو تو اس کو مل کر صاف کر دینا بھی کافی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا: **فَاغْسِلِيْهِ اِنْ كَانَ رَطْبًا**

وَافْرُكْهُ اِنْ كَانَ يَابِسًا.

اور دار قطنی اور بزار نے یہ حدیث اس طرح نقل کی ہے: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ يَابِسًا وَاَغْسِلُهُ اِذَا كَانَ رَطْبًا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پر منی خشک ہوتی تو میں اس کو کھرچ دیا کرتی تھی اور جب تر ہوتی تو اس کو دھو دیا کرتی تھی۔

ہمارے مذہب کی تائید حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے: اِنَّهُ ﷺ مَرَّ بِعَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ وَهُوَ يَغْسِلُ ثَوْبَهُ مِنَ النُّخَامَةِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا نُخَامَتُكَ وَدُمُوْعُ عَيْنَيْكَ وَالْمَاءُ الَّذِيْ فِيْ رَكْوَتِكَ اِلَّا سَوَاءٌ وَاِنَّمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ مِنْ خَمْسٍ مِنَ الْبَوْلِ وَالْغَائِطِ وَالدَّمِ وَالْمَنِيِّ وَالْقَيْءِ یعنی حضور ﷺ عمار بن یاسر کے پاس سے گذرے درآنحالیکہ عمارؓ اپنے کپڑے سے رینٹ (یعنی بلغم) دھو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ناک کی رینٹ، آنکھوں کے آنسو اور چھاگل کا پانی سب برابر ہیں یعنی سب پاک ہیں البتہ پانچ چیزوں کی وجہ سے کپڑا دھویا جاتا ہے پیشاب، پاخانہ، خون، منی، قے۔ ایک روایت میں قے کی جگہ خمر کا لفظ ہے، بہرحال یہ احادیث منی کے نجس ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو امام شافعیؒ کا مستدل تھی اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر موقوف ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ حدیث موقوف، حدیث مرفوع یعنی حضرت عائشہؓ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مرفوع حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتی اس کے علاوہ صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں منی کو رینٹ اور تھوک کے ساتھ پاک ہونے میں تشبیہ نہیں دی گئی ہے بلکہ لزوجت اور قلت تداخل میں تشبیہ دی گئی ہے یعنی جس طرح رینٹ میں چکنا پن ہوتا ہے اسی طرح منی بھی چکنی ہوتی ہے اور جس طرح رینٹ کپڑے میں بہت کم نفوذ کرتی ہے اسی طرح منی بھی بہت کم نفوذ کرتی ہے پس اس احتمال کی صورت میں منی کا پاک ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

اور حضرت امام شافعیؒ کی دوسری دلیل یعنی حدیث عائشہؓ کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں وَهُوَ يُصَلِّيْ کے بجائے فَيُصَلِّيْ ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچتی تھی پھر آپ ﷺ نماز پڑھتے۔ اب اس صورت میں حضور ﷺ کا منی لگا ہوا کپڑا پہن کر نماز پڑھنا لازم نہیں آئے گا۔

اور دلیل عقلی کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ انسان کی پیدائش براہ راست منی سے ہوئی ہے بلکہ مختلف اطوار کے بعد انسان پیدا ہوتا ہے بایں طور کہ منی خون میں تبدیل ہو کر علقہ پھر مضغہ بنتا ہے ان تمام مراحل سے گذر کر انسان مکرم اور مشرف ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ اگر منی بدن کو لگ گئی اور خشک ہو گئی تو مشائخ ماوراء النہر کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بھی اگر بدن سے منی کو کھرچ دیا تو بدن پاک ہو جائے گا اس لئے کہ اس صورت میں ابتلاء زیادہ ہے کیونکہ کپڑا تو منی سے جدا بھی ہو جاتا ہے مگر

بدن جدا نہیں ہوسکتا۔

اور امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ بدن صرف دھونے سے پاک ہوسکتا ہے کھرچنے سے پاک نہیں ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ بدن کی حرارت منی کو جذب کرنے والی ہے لہٰذا وہ منی کے جرم کی طرف عود نہیں کرے گی۔ یعنی منی کے جو اجزاء بدن میں جذب ہوگئے وہ خشک ہونے پر بدن سے نکل کر منی کا جرم نہ ہوں گے اور بدن کا کھرچنا بھی ممکن نہیں ہے اس لئے اس کا دھونا لازم ہے۔

وَالنَّجَاسَةُ اِذَا اَصَابَتِ الْمِرْاٰةَ اَوِ السَّيْفَ اِكْتَفٰى بِمَسْحِهِمَا لِاَنَّهٗ لَا تَتَدَا خَلُهُمَا النَّجَاسَةُ
اور نجاست جب آئینہ یا تلوار کو لگ جائے تو ان کے مسح پر اکتفاء کرے کیونکہ ان چیزوں میں نجاست داخل نہیں ہوتی ہے
وَمَا عَلٰى ظَاهِرِهٖ يَزُوْلُ بِالْمَسْحِ
اور جو ان کے اوپر ہے وہ پونچھ دینے سے زائل ہو جاتی ہے

آئینہ، تلوار سے نجاست دور کرنے کا طریقہ

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ نجاست اگر آئینہ کو لگ گئی یا صیقل شدہ تلوار کو یا چھری وغیرہ کو تو یہ چیزیں زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جاتی ہیں پانی وغیرہ سے دھونا شرط نہیں۔ اسی کے قائل امام مالکؒ ہیں۔

دلیل یہ ہے کہ ان چیزوں میں نجاست کے اجزاء داخل نہیں ہوتے ہیں لہٰذا ان کو اندر سے نکالنے کی بھی حاجت نہیں۔ اور رہی وہ نجاست جو اوپر لگی ہے سو وہ پونچھنے سے زائل ہو جائے گی اس لئے پانی سے دھونے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ ہاں اگر تلوار وغیرہ منقوش ہو یا کھردرا پن ہو یا اس پر میل کچیل لگا ہو پھر نجاست لگ گئی تو اب بغیر دھوئے پاک نہیں ہوگی۔

وَاِنْ اَصَابَتِ الْاَرْضَ نَجَاسَةٌ فَجَفَّتْ بِالشَّمْسِ وَذَهَبَ اَثَرُهَا جَازَتِ الصَّلٰوةُ عَلٰى مَكَانِهَا
اور اگر نجاست زمین کو لگ جائے پھر وہ سورج سے خشک ہو جائے اور اس کا اثر بھی جاتا رہے تو اس نجاست کی جگہ پر نماز جائز ہے
وَقَالَ زُفَرُؒ وَالشَّافِعِيُّؒ لَا تَجُوْزُ لِاَنَّهٗ لَمْ يُوْجَدِ الْمُزِيْلُ وَلِهٰذَا لَا يَجُوْزُ التَّيَمُّمُ بِهَا
اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ جائز نہیں ہے کیونکہ کوئی زائل کرنے والی چیز نہیں پائی گئی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کے ساتھ تیمم جائز نہیں
وَلَنَا قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ ذَكَاةُ الْاَرْضِ يُبْسُهَا وَاِنَّمَا لَا يَجُوْزُ التَّيَمُّمُ
اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ زمین کی پاکی اس کا خشک ہو جانا ہے، اور تیمم اس لئے جائز نہیں
لِاَنَّ طَهَارَةَ الصَّعِيْدِ ثَبَتَ شَرْطًا بِنَصِّ الْكِتَابِ فَلَا تَتَاَدّٰى بِمَا ثَبَتَ بِالْحَدِيْثِ
کہ مٹی کی طہارت نص کتاب سے شرط ہو کر ثابت ہے پس اس سے ادا نہ ہوگی جو حدیث سے ثابت ہوئی ہے

نجاست زمین کو لگ جائے تو زمین کیسے پاک ہوگی

تشریح:۔ مسئلہ اگر زمین پر نجاست لگی پھر وہ خشک ہوگئی سورج سے یا آگ سے یا ہوا سے یا اس کے علاوہ کسی اور چیز سے اور نجاست کا اثر رنگ، بو وغیرہ بھی جاتا رہا تو اس جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے البتہ اس سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ اس زمین پر نماز بھی جائز نہیں ہے۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس جگہ پر نجاست کا لگنا تو یقینی ہے اور اس کو زائل کرنے والی کوئی چیز پائی نہیں گئی اس لئے وہ زمین ناپاک ہی رہے گی۔ اور اس پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے تیمم کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول ذَکَاۃُ الْاَرْضِ یَبْسُھَا ہے یعنی زمین کی پاکی اس کا خشک ہوجانا ہے اسی کے ہم معنی یہ حدیث ہے اَیُّمَا اَرْضٍ جَفَّتْ فَقَدْ ذَکَتْ یعنی جو زمین خشک ہوگئی وہ پاک ہوگئی۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ کوئی مزیل نجاست نہیں پایا گیا غلط ہے بلکہ مزیل نجاست موجود ہے یعنی حرارت کیونکہ جس طرح آگ سے جلانا پاک کرتا ہے اسی طرح حرارت بھی پاک کرتی ہے خواہ حرارت کم ہو یا زیادہ ہو۔

وَاِنَّمَا لَا یَجُوْزُ التَّیَمُّمُ سے امام زفرؒ کے قیاس کا جواب ہے۔ حاصل جواب یہ کہ تیمم کیلئے مٹی کے پاک ہونے کی شرط کا ثبوت نصِ کتاب فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا سے ہے اور جو حکم نص کتاب سے ثابت ہوتا ہے وہ قطعی ہوگا لہٰذا تیمم کے لئے مٹی کی طہارت کا قطعی اور یقینی ہونا ضروری ہے۔

اور یہاں زمین کی طہارت ثابت ہوئی ہے خبر واحد یعنی ذَکَاۃُ الْاَرْضِ یَبْسُھَا سے اور جو حکم خبر واحد سے ثابت ہوتا ہے وہ غیر قطعی یعنی ظنی ہوتا ہے پس تیمم جس کے لئے مٹی کی طہارت قطعی الثبوت ہے اس مٹی سے ادا نہیں ہوگا جس کی طہارت ظنی الثبوت ہے۔ جمیل۔

وَقَدْرُ الدِّرْهَمِ وَمَادُوْنَهٗ مِنَ النَّجِسِ الْمُغَلَّظِ كَالدَّمِ وَالْبَوْلِ وَالْخَمْرِ وَخُرْءِ الدَّجَاجِ وَبَوْلِ الْحِمَارِ
نجاست مغلظہ جیسے پیشاب، خون، شراب، مرغی کی بیٹ اور گدھے کے پیشاب سے ایک درہم کی مقدار یا اس سے کم (معاف ہے)
جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَهٗ وَاِنْ زَادَ لَمْ تَجُزْ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ قَلِيْلُ النَّجَاسَةِ وَكَثِيْرُهَا سَوَاءٌ
اس کے ساتھ نماز جائز ہے اور اگر (اس سے) زائد ہو تو نماز جائز نہیں ہے۔ اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ نجاست کا قلیل اور کثیر ہونا برابر ہے
لِاَنَّ النَّصَّ الْمُوْجِبَ لِلتَّطْهِيْرِ لَمْ يُفَصِّلْ وَلَنَا اَنَّ الْقَلِيْلَ
کیونکہ اس نص نے جو پاک کرنے کو واجب کرنے والی ہے (قلیل وکثیر کی) کوئی تفصیل نہیں کی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قلیل نجاست

لا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ فَيُجْعَلُ عَفْوًا وَقَدَّرْنَاهُ بِقَدْرِ الدِّرْهَمِ
ایسی چیز ہے جس سے بچنا ممکن نہیں ہے لہٰذا اس کو معاف قرار دیا جائے گا۔ اور ہم نے اس کا ایک درہم کے ساتھ اندازہ لگایا
اَخْذًا عَنْ مَوْضِعِ الْاِسْتِنْجَاءِ ثُمَّ يُرْوٰى اِعْتِبَارُ الدِّرْهَمِ مِنْ حَيْثُ الْمَسَاحَةِ وَهُوَ قَدْرُ عَرْضِ الْكَفِّ فِي الصَّحِيْحِ
موضع استنجاء سے لے کر۔ پھر درہم کا اعتبار مساحت کے اعتبار سے مروی ہے۔ اور وہ صحیح قول میں ہتھیلی کے عرض کی مقدار کے برابر ہے۔
وَيُرْوٰى مِنْ حَيْثُ الْوَزْنِ وَهُوَ الدِّرْهَمُ الْكَبِيْرُ الْمِثْقَالُ وَهُوَ مَا يَبْلُغُ وَزْنُهُ مِثْقَالًا
اور وزن کے اعتبار سے مروی ہے اور وہ درہم کبیر مثقال ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا وزن ایک مثقال کو پہنچے
وَقِيْلَ فِي التَّوْفِيْقِ بَيْنَهُمَا اَنَّ الْاُوْلٰى فِي الرَّقِيْقِ وَالثَّانِيَةَ فِي الْكَثِيْفِ
اور ان دونوں روایتوں میں توفیق یوں دی گئی کہ پہلی روایت رقیق (نجاست) میں ہے اور دوسری کا رُحی (نجاست) میں ہے
وَاِنَّمَا كَانَتْ نَجَاسَةُ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ مُغَلَّظَةً لِاَنَّهَا ثَبَتَتْ بِدَلِيْلٍ مَقْطُوْعٍ بِهٖ
اور ان چیزوں کی نجاست، مغلظہ اس لئے ہے کہ یہ نجاست دلیل قطعی سے ثابت ہے

نجاست غلیظہ اور خفیفہ، نجاست غلیظہ کی معاف مقدار

تشریح:۔ نجاست کی دو قسمیں ہیں غلیظہ اور خفیفہ، ان دونوں کی تعریف میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نجاست مغلظہ وہ نجاست ہے جس کا ثبوت ایسی نص سے ہو سکے جس کے معارض دوسری نص، طہارت کو ثابت کرنے والی نہ ہو۔ اور اگر دو نص باہم متعارض موجود ہوں کہ ایک نجاست ثابت کرتی ہے اور دوسری طہارت، تو یہ نجاست مخففہ کہلائے گی۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک مغلظہ وہ نجاست ہے جس کے نجس ہونے پر اجماع واقع ہو گیا ہو، اور مخففہ وہ نجاست ہے جس کی نجاست اور طہارت میں علماء کا اختلاف واقع ہو۔ ثمرہ اختلاف گوبر میں ظاہر ہوگا۔ اس لئے کہ گوبر امام صاحبؒ کے نزدیک نجاست مغلظہ ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے انہوں نے فرمایا کہ میں لیلۃ الجن میں استنجاء کے لئے دو پتھر اور ایک گوبر لایا تو حضور ﷺ نے گوبر یہ کہہ کر پھینکدیا کہ یہ رجس یا رکس ہے یعنی پلید ہے اور دوسری کوئی نص اس کے معارض نہیں جو گوبر کی طہارت پر دلالت کرتی ہو۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک گوبر نجاست مخففہ ہے کیونکہ امام مالکؒ گوبر کے پاک ہونے کے قائل ہیں۔

اس تمہید کے بعد ملاحظہ کیجئے کہ مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ نجاست کی کتنی مقدار معاف ہے اور کتنی مقدار معاف نہیں ہے۔ سو فرمایا کہ نجاست مغلظ (جیسے بہنے والا خون، پیشاب، شراب، مرغی کی بیٹ اور گدھے کا پیشاب) کی صورت میں

ایک درہم کی مقدار یا اس سے کم معاف ہے۔ اگر اس قدر نجاست کے ساتھ نماز پڑھی تو نماز درست ہو جائے گی خواہ یہ مقدار کپڑے کو لگی ہو یا بدن کو لگی ہو۔ اور اگر ایک درہم سے زائد لگی ہو تو معاف نہیں حتیٰ کہ اس کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوگی۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ نجاست کا قلیل اور کثیر یکساں ہے یعنی نماز مطلقاً نجاست کے ساتھ جائز نہیں ہوگی خواہ نجاست قلیل ہو یا کثیر ہو۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ نص وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ جس نے نجاست سے پاک کرنا واجب کیا ہے اس نے قلیل وکثیر کی کوئی تفصیل نہیں کی بلکہ مطلقاً نجاست سے پاک کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا قلیل وکثیر سب کا پاک کرنا واجب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قلیل نجاست ایسی چیز ہے کہ اس سے بچاؤ کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ مکھیاں نجاست پر بیٹھتی ہیں پھر انسان کے اوپر بیٹھ جاتی ہیں اسی طرح مچھروں کے خون سے بچنا ممکن نہیں پس جب نجاست کی قلیل مقدار سے بچنا ممکن نہیں تو اس کو معاف کر دیا گیا۔ کیونکہ مقدار قلیل میں ضرورت ہے اور دلائل شرع میں مواضع ضرورت مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ مقدار قلیل یا کثیر کا معیار کیا ہے تو اس بارے میں ہمارے علماء نے کہا کہ ایک درہم کی مقدار قلیل ہے اور اس سے زائد کثیر ہے۔ اور اس کو موضع استنجاء پر قیاس کیا گیا ہے یعنی موضع استنجاء بالاجماع معاف ہے پس ہم نے اسی کی مقدار اندازہ کر کے ایک درہم عفو کی تقدیر بیان کی۔

پھر واضح ہو کہ درہم کا اعتبار کرنے میں امام محمدؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ درہم کی مقدار مساحت کے اعتبار سے مراد ہے یعنی ہاتھ کی ہتھیلی کے عرض کی مقدار یعنی انگلیوں کے جوڑوں کے اندر کی گہرائی کے بقدر ایک درہم کے بقدر ہوتا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ درہم کی مقدار وزن کے اعتبار سے مراد ہے یعنی درہم سے مراد یہ ہے کہ اس کا وزن ایک مثقال کے وزن کے برابر ہو۔

فقیہ ابو جعفرؒ نے کہا کہ امام محمدؒ کی دونوں روایات میں یوں تطبیق دی جا سکتی ہے کہ روایت اولیٰ یعنی مساحت کا اعتبار رقیق نجاست میں ہے اور دوسری روایت یعنی وزن کا اعتبار گاڑھی نجاست میں ہے۔ چنانچہ اگر آدمی کا پیشاب ہو تو وہ باعتبار مساحت کے ایک درہم کی مقدار معاف ہے اور اس سے زائد معاف نہیں۔ اور اگر پاخانہ ہو تو باعتبار وزن کے ایک درہم کی مقدار معاف ہے اور اس سے زائد معاف نہیں۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ متن میں مذکور تمام چیزوں کی نجاست مغلظہ ہے کیونکہ ان چیزوں کا نجس ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہے جس کی معارض کوئی دوسری دلیل نہیں ہے۔

وَإِنْ كَانَتْ مُخَفَّفَةً كَبَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَهُ حَتّٰى يَبْلُغَ رُبْعَ الثَّوْبِ
اور اگر نجاست خفیفہ ہو جیسے ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے یہاں تک کہ چوتھائی کپڑے کو پہنچے
يُرْوٰى ذٰلِكَ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ لِأَنَّ التَّقْدِيْرَ فِيْهِ بِالْكَثِيْرِ الْفَاحِشِ وَالرُّبْعُ مُلْحَقٌ بِالْكُلِّ
یہی امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے۔ کیونکہ خفیفہ نجاست کے بارے میں تقدیر کثیر فاحش کے ساتھ ہے اور بعض احکام میں چوتھائی
فِيْ بَعْضِ الْأَحْكَامِ وَعَنْهُ رُبْعُ أَدْنٰى ثَوْبٍ تَجُوْزُ فِيْهِ الصَّلٰوةُ كَالْمِئْزَرِ
کل کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ ادنیٰ کپڑا جس میں نماز جائز ہو جائے اس کا چوتھائی (مراد ہے) جیسے تہبند۔

وَقِيْلَ رُبْعُ الْمَوْضِعِ الَّذِيْ اَصَابَهٗ كَالذَّيْلِ وَالدِّخْرِيْصِ وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ شِبْرٌ
اور کہا گیا کہ اس جگہ کا چوتھائی مراد ہے جہاں نجاست لگی ہے جیسے دامن اور کلی۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ایک بالشت طول اور ایک
فِيْ شِبْرٍ وَاِنَّمَا كَانَ مُخَفَّفًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ لِمَكَانِ الْاِخْتِلَافِ فِيْ نَجَاسَتِهٖ
بالشت عرض ہے۔ اور ماکول اللحم کا پیشاب شیخینؒ کے نزدیک مخفف اس لئے ہے کہ اس کے نجس ہونے میں اختلاف ہے
اَوْ لِتَعَارُضِ النَّصَّيْنِ عَلٰى اِخْتِلَافِ الْاَصْلَيْنِ
یا دونصوں کے تعارض کی وجہ سے دونوں اصلوں کے مختلف ہونے کی بناء پر

نجاست خفیفہ کی معاف مقدار

تشریح:۔ اس عبارت میں نجاست مخففہ کی مقدار معفُوٌّ عَنْهُ کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ نجاست مخففہ جیسے ماکول اللحم جانور کا پیشاب چوتھائی کپڑے کی مقدار سے کم معاف ہے اور چوتھائی کپڑے کی مقدار معاف نہیں ہے۔ یعنی اگر چوتھائی کپڑے سے کم پر مخففہ نجاست لگی ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے اور اگر چوتھائی کپڑے کی مقدار یا اس سے زائد لگی تو نماز جائز نہیں ہوگی۔ یہی امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا جاتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ نجاست مخففہ کے بارے میں کثیر فاحش کے ساتھ اندازہ کیا گیا ہے یعنی نجاست مخففہ اگر کثیر فاحش لگ گئی ہو تو نماز جائز نہیں ہے۔ اور بہت سے احکام میں چوتھائی کو کل کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے مثلاً چوتھائی سر کا مسح پورے سر کے مسح کے قائم مقام ہے اور چوتھائی ستر عورت کا کھلنا پوری عورت (واجب الستر) کے قائم مقام ہے اور جیسے حالت احرام میں چوتھائی سر کا حلق پورے سر کے قائم مقام ہے۔

حاصل یہ ہے کہ چوتھائی کل کے قائم مقام ہے اور کل سے نجاست مخففہ کا فاحش کثیر ہونا حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا جو اس کے قائم مقام ہے یعنی چوتھائی اس سے بھی فاحش کثیر ہونا حاصل ہو جائے گا اور چونکہ فاحش کثیر نجاست مخففہ معاف نہیں ہے اس لئے ہم نے کہا کہ اگر چوتھائی کپڑے کو نجاست لگ گئی تو اس کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوگی۔ رہی یہ بات کہ چوتھائی کس کا مراد ہے سو اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت تو یہی ہے کہ پورے بدن کا چوتھائی اور پورے کپڑے کا چوتھائی مراد ہے اگرچہ کپڑا بڑا ہو۔ علامہ ابن الہمام نے کہا کہ یہ احسن ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ مَا يَجُوْزُ بِهِ الصَّلٰوةُ کا چوتھائی مراد ہے یعنی کم از کم اتنا کپڑا کہ جس میں نماز ہو جائے اس کا چوتھائی مراد ہے جیسے تہ بند۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ کپڑے کے جس حصہ پر نجاست لگی ہو اس کا چوتھائی مراد ہے جیسے دامن اور کلی۔ پس اگر چوتھائی دامن کو نجاست مخففہ لگ گئی تو اس کے ساتھ نماز جائز نہ ہوگی۔

اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر نجاست مخففہ ایک بالشت طولاً اور ایک بالشت عرضاً لگی ہو تو کثیر فاحش ہے اس کے

ساتھ نماز جائز نہیں ہے اور اگر اس سے کم ہے تو وہ مَعْفُوْعَنْهُ ہے اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کی نجاست اور طہارت میں نصوص مختلف ہیں چنانچہ حدیث عرنیین اونٹ کے پیشاب کی طہارت پر دلالت کرتی ہے اور اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ فَاِنَّهٗ عَامَّةُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مطلقاً پیشاب نجس ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خفیفہ اس لئے ہے کہ ماکول اللحم کے پیشاب کے پاک اور ناپاک ہونے میں مجتہدین کا اختلاف ہے چنانچہ امام محمدؒ طہارت کے قائل ہیں اور دوسرے حضرات نجاست کے، اس لئے ان کا پیشاب نجاست خفیفہ ہوگا۔

وَاِذَا اَصَابَ الثَّوْبَ مِنَ الرَّوْثِ اَوْ مِنْ اَخْثَاءِ الْبَقَرِ اَكْثَرُ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ لَمْ تَجُزِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَؒ
اور جب کپڑے کو لید یا گائے کا گوبر ایک درہم کی مقدار سے زائد لگ جائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کپڑے میں نماز جائز نہیں
لِاَنَّ النَّصَّ الْوَارِدَ فِيْ نَجَاسَتِهٖ وَهُوَ مَارُوِيَ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَمٰى بِالرَّوْثَةِ وَقَالَ هٰذَا رِجْسٌ اَوْرِكْسٌ
کیونکہ لید کی نجاست میں جو نص وارد ہے اور وہ ہے جو روایت کیا گیا کہ حضور ﷺ نے لید کو پھینک دیا اور کہا کہ یہ رجس یا رکس
لَمْ يُعَارِضْهُ غَيْرُهٗ وَبِهٰذَا يَثْبُتُ التَّغْلِيْظُ عِنْدَهٗ
یعنی پلیدی ہے اس کے معارض کوئی دوسری نص نہیں ہے اور اس سے امام صاحبؒ کے نزدیک مغلظ ہونا ثابت ہو جاتا ہے
وَالتَّخْفِيْفُ بِالتَّعَارُضِ وَقَالَا يُجْزِئُهٗ حَتّٰى يَفْحُشَ لِاَنَّ لِلْاِجْتِهَادِ فِيْهِ مَسَاغًا
اور خفیفہ ہونا تعارض سے (ثابت ہوتا ہے) اور صاحبینؒ نے کہا کہ اسے کفایت کرے گی یہاں تک کہ فاحش ہو جائے کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے
وَبِهٰذَا يَثْبُتُ التَّخْفِيْفُ عِنْدَهُمَا وَلِاَنَّ فِيْهِ ضَرُوْرَةً لِاِمْتِلَاءِ الطُّرُقِ بِهَا
اور اس سے صاحبینؒ کے نزدیک تخفیف ثابت ہو جاتی ہے اور اس لئے کہ اس میں ضرورت متحقق ہے کیونکہ اس سے راستے بھرے رہتے ہیں
وَهِيَ مُؤَثِّرَةٌ فِي التَّخْفِيْفِ بِخِلَافِ بَوْلِ الْحِمَارِ لِاَنَّ الْاَرْضَ تَنْشِفُهٗ قُلْنَا الضَّرُوْرَةُ فِي
اور یہ بات تخفیف میں مؤثر ہے بخلاف گدھے کے پیشاب کے اس لئے کہ زمین اس کو جذب کر لیتی ہے ہم کہتے ہیں کہ ضرورت (صرف)
النِّعَالِ وَقَدْ اَثَّرَتْ فِي التَّخْفِيْفِ مَرَّةً حَتّٰى تَطْهُرَ بِالْمَسْحِ فَتَكْفِيْ
جوتیوں میں ہے اور یہ ایک مرتبہ تخفیف میں مؤثر ہو گئی ہے حتی کہ جوتی رگڑ دینے سے پاک ہو جاتی ہے۔ پس ضرورت اپنی مؤنت
مَؤُوْنَتَهَا وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَاكُوْلِ اللَّحْمِ وَغَيْرِ مَاكُوْلِ اللَّحْمِ وَزُفَرُؒ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا
میں کفایت کرے گی۔ اور ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اور امام زفرؒ نے دونوں کے درمیان فرق کیا ہے

فَوَافَقَ اَبَا حَنِيْفَةَ فِيْ غَيْرِ مَاكُوْلِ اللَّحْمِ وَوَافَقَهُمَا فِيْ الْمَاكُوْلِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ
پس غیر ماکول اللحم میں امام ابوحنیفہؒ کی موافقت کی ہے اور ماکول اللحم میں صاحبینؒ کی موافقت کی ہے۔ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ
اَنَّهُ لَمَّا دَخَلَ الرَّيَّ وَرَاَى الْبَلْوٰى اَفْتٰى اَنَّ الْكَثِيْرَ الْفَاحِشَ لَا يَمْنَعُ اَيْضاً
جب وہ ری شہر میں داخل ہوئے اور لوگوں میں عموم ابتلاء دیکھا تو امام محمدؒ نے فتویٰ دیا کہ یہ کثیر فاحش بھی (نماز سے) مانع نہیں ہے
وَقَاسُوْا عَلَيْهَا طِيْنَ بُخَارَا وَعِنْدَ ذٰلِكَ رُجُوْعُهُ فِيْ الْخُفِّ يُرْوٰى
اور اسی پر مشائخ نے بخارا کی کیچڑ کو قیاس کیا ہے۔ اور اسی واقعہ کے وقت امام محمدؒ کا موزہ کے مسئلہ میں رجوع کرنا روایت کیا جاتا ہے

کپڑے پر لید، گوبر لگ جائے تو اس میں نماز پڑھنے کا حکم

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کپڑے پر لید یا گائے کا گوبر ایک درہم سے زائد لگ گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کپڑے میں نماز جائز نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے۔

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ لید اور گوبر نجاست مغلظہ ہے کیونکہ ان کے نجس ہونے پر نص موجود ہے چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ قضاء حاجت کے لئے تشریف لیجارہے تھے کہ مجھ سے فرمایا کہ تین پتھر لاؤ پس دو پتھر تو مل گئے لیکن تیسرا نہ ملا تو میں لید کا ایک ٹکڑا لے کر آیا۔ آپ ﷺ نے دو پتھر لے لئے اور لید کو یہ کہہ کر پھینک دیا کہ ھٰذا رِجْسٌ یعنی یہ گندی چیز ہے۔ پس اس حدیث سے لید کا ناپاک ہونا ثابت ہو گیا اور چونکہ کوئی دوسری حدیث اس کے معارض نہیں ہے جو اس کی طہارت پر دلالت کرے اس لئے لید، گوبر نجاست مغلظہ ہے کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک عدم تعارض نصین سے نجاست کا مغلظہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور تعارض سے اس کا مخففہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ بہر حال لید، گوبر امام صاحبؒ کے نزدیک نجاست مغلظہ ہے اور نجاست مغلظہ ایک درہم کی مقدار سے زائد معاف نہیں ہے اس لئے اس قدر لید یا گوبر کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوگی۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مینگنی، لید، گوبر وغیرہ نجاست خفیفہ ہے کیونکہ ان چیزوں کی نجاست اور طہارت میں اختلاف ہے چنانچہ امام مالکؒ ان چیزوں کی طہارت کے قائل ہیں اور دوسرے حضرات نجاست کے قائل ہیں اور سابق میں گذر چکا کہ صاحبینؒ کے نزدیک کسی چیز کی نجاست اور طہارت میں مجتہدین کا اختلاف نجاست کے مخففہ ہونے کو ثابت کرتا ہے۔ اور نجاست مخففہ نماز کیلئے اس وقت مانع ہوگی جب کہ وہ چوتھائی کپڑے کو لگ جائے لہٰذا یہ نجاست اگر ایک درہم سے زائد ہو مگر چوتھائی کپڑے سے کم ہو تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

صاحبینؒ کی طرف سے لید وغیرہ کے نجاست مخففہ ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ لید وغیرہ میں ضرورت بھی متحقق ہے اور عموم بلویٰ بھی موجود ہے کیونکہ بالعموم راستے لید گوبر سے بھرے رہتے ہیں۔ اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ ضرورت اور عموم بلویٰ مورث

تخفیف ہے لہٰذا لید گوبر کی نجاست میں بھی عموم بلویٰ کی وجہ سے تخفیف پیدا ہو جائے گی۔

بِخِلَافِ بَوْلِ الْحِمَارِ سے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس طرح لید وغیرہ میں ضرورت ہے اسی طرح گدھے کے پیشاب میں بھی عموم بلویٰ اور ضرورت ہے پس جس طرح آپ لید وغیرہ کو نجاست خفیفہ کہتے ہیں اسی طرح گدھے کے پیشاب کو بھی نجاست خفیفہ کہنا چاہیے حالانکہ آپ اس کی تغلیظ کے قائل ہیں۔

جواب پیشاب میں عموم بلویٰ نہیں ہے کیونکہ پیشاب ایسی چیز ہے جس کو زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے پس اب زمین پر کوئی چیز باقی نہیں رہی کہ جس کے ساتھ گذرنے والا مبتلا ہو اس کے برخلاف لید، گوبر کہ ان کو زمین اپنے اندر جذب نہیں کرتی ہے۔

صاحبینؒ کی مذکورہ دلیل پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ عموم بلویٰ اور ضرورت کی وجہ سے تو نجاست ساقط ہو جاتی ہے جیسے بلی کا جوٹھا نجس نہیں ہوتا حالانکہ نجس ہونا چاہیے تھا کیونکہ بلی کا گوشت حرام اور نجس ہے لیکن ضرورت اور عموم بلویٰ کی وجہ سے نجاست ساقط ہو گئی۔

جواب اس کا یہ ہے کہ لید، گوبر وغیرہ میں ضرورت اور بلویٰ کم ہے بہ نسبت بلی کے جوٹھے کے اس لئے بلی کے جوٹھے میں نجاست ساقط ہو گئی اور لید گوبر کی نجاست میں تخفیف پیدا ہو گئی ہے۔

صاحب ہدایہ نے امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے صاحبینؒ کی پیش کردہ دلیل کا جواب یہ دیا کہ لید اور گوبر میں ضرورت تو مسلم ہے لیکن یہ ضرورت صرف جوتیوں کے حق میں مؤثر ہے اس کے علاوہ میں نہیں لہٰذا جوتیوں کا اثر جوتیوں کے علاوہ کی طرف متعدی نہیں ہوگا اور جوتیوں میں ضرورت کا اثر ایک مرتبہ ظاہر ہو چکا چنانچہ جوتی زمین پر رگڑ دینے سے پاک ہو جاتی ہے لہٰذا ضرورت کی مؤنت اس تخفیف کے ساتھ کفایت کرے گی۔ اور دوسری مرتبہ اس کی نجاست میں تخفیف نہیں کی جائے گی کیونکہ ایک ضرورت سے ایک بار تخفیف ہوتی ہے بار بار تخفیف نہیں ہوتی۔

مصنفؒ ہدایہ نے کہا کہ ہمارے علمائے ثلاثہؒ کے نزدیک ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے یعنی جس طرح غیر ماکول اللحم کی لید، گوبر وغیرہ ناپاک ہے اسی طرح ماکول اللحم جانوروں کا بھی ناپاک ہے لیکن اس کے غلیظہ اور خفیفہ ہونے میں فرق ہے جیسا کہ گذر چکا۔

اور امام زفرؒ نے دونوں کے درمیان فرق کیا چنانچہ غیر ماکول اللحم جانوروں کی لید اور گوبر میں امام ابو حنیفہؒ کی موافقت کی اور کہا کہ ان کی نجاست غلیظہ ہے۔ اور ماکول اللحم جانوروں کی لید اور گوبر میں صاحبینؒ کی موافقت کی اور کہا کہ ان کی نجاست خفیفہ ہے۔

حضرت امام محمدؒ سے حکایت ہے کہ جب رے شہر میں داخل ہوئے اور لوگوں کو عموماً اس میں مبتلا دیکھا کیونکہ راستے اور گھروں کے صحن و سرائیں لید، گوبر سے بھرے پڑے تھے تو امام محمدؒ نے فتویٰ دیا کہ یہ اگر کثیر فاحش بھی کپڑے یا بدن کو لگ جائے تو مانع نماز نہیں ہے۔ اسی قول پر مشائخ نے بخارا کی کیچڑ کو قیاس کیا ہے۔ جو راستوں میں گوبر اور مٹی سے مخلوط ہو کر پڑی رہتی ہے چنانچہ بخارا کے مشائخ نے کہا کہ وہ بھی چاہے جس قدر لگ جائے مانع نماز نہیں ہے۔ اسی واقعہ کے وقت امام محمدؒ کا موزہ کے مسئلہ میں رجوع کرنا روایت کیا جاتا ہے یعنی امام محمدؒ پہلے فرماتے تھے کہ موزہ زمین پر رگڑنے سے پاک نہیں ہوتا لیکن اس واقعہ کے بعد اپنے اس قول

سے رجوع کیا اور شیخینؒ کے قول کی موافقت کی۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

وَاِنْ اَصَابَهُ بَوْلُ الْفَرَسِ لَمْ يُفْسِدْهُ حَتّٰى يَفْحُشَ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَؒ وَاَبِىْ يُوْسُفَؒ
اور اگر اس کو گھوڑے کا پیشاب لگ جائے تو شیخینؒ کے ہاں اسے فاسد نہ کرے گا یہاں تک کہ فاحش ہو جائے
وَعِنْدَ مُحَمَّدٍؒ لَا تَمْنَعُ وَاِنْ فَحُشَ لِاَنَّ بَوْلَ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ عِنْدَهُ مُخَفَّفٌ نَجَاسَتُهُ
اور امام محمدؒ کے نزدیک مانع نہیں ہے اگر چہ فاحش ہو جائے اس لئے کہ امام محمدؒ کے نزدیک ماکول اللحم کا پیشاب پاک ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک
عِنْدَ اَبِىْ يُوْسُفَؒ وَلَحْمُهُ مَاكُوْلٌ عِنْدَهُمَا وَاَمَّا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَالتَّخْفِيْفُ لِتَعَارُضِ الْآثَارِ
اس کی نجاست مخفف ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور لیکن ابو حنیفہؒ کے نزدیک تخفیف تعارض آثار کی وجہ سے ہے

گھوڑے اور مَاكُوْلُ اللَّحْم جانور کے پیشاب کا حکم، اقوال فقہاء

تشریح: گھوڑے اور ماکول اللحم جانور کے پیشاب میں علمائے احناف کا اختلاف ہے۔ چنانچہ شیخینؒ نے کہا کہ گھوڑے اور ماکول اللحم کا پیشاب نجس بنجاست خفیفہ ہے۔ اگر کثیر فاحش یعنی چوتھائی کپڑے کی مقدار لگ گیا تو وہ کپڑا ناپاک اور مانع نماز ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک گھوڑے اور ماکول اللحم کا پیشاب مطلقاً مانع نماز نہیں خواہ وہ کثیر فاحش ہو یا اس سے کم ہو۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ماکول اللحم کا پیشاب پاک ہے اور پاک چیز کتنی بھی مقدار میں لگ جائے مانع نماز نہیں ہوتی اس لئے ماکول اللحم کا پیشاب نماز کیلئے مانع نہیں ہوگا اگر چہ وہ کثیر فاحش ہی کیوں نہ ہو۔

اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ماکول اللحم کا پیشاب نجس بنجاست خفیفہ ہے اور سابق میں گذر چکا کہ نجاست خفیفہ اگر کثیر فاحش یعنی چوتھائی کپڑے کی مقدار سے کم ہو تو معاف ہے مانع نماز نہیں، اور اگر کثیر فاحش ہو تو وہ مانع نماز ہے لیکن وجہ تخفیف الگ الگ ہے۔

چنانچہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ماکول اللحم کا پیشاب اس لئے نجاست خفیفہ ہے کہ اس کی نجاست اور طہارت میں مجتہدین اُمت کا اختلاف ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نصوص کا متعارض ہونا وجہ تخفیف ہے کیونکہ حدیث عرنیین ماکول اللحم کے پیشاب کی طہارت پر دلالت کرتی ہے اور حدیث اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ فَاِنَّهٗ عَامَّةُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ اس کی نجاست پر دلالت کرتی ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ صاحبینؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت حلال ہے اور امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حرام ہے لیکن حرمت کرامت اور آلہ جہاد ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ نجاست کی وجہ سے۔

وَاِنْ اَصَابَهُ خُرْءُ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ مِنَ الطُّيُوْرِ اَكْثَرَ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ اَجْزَأَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَؒ
اور اگر کپڑے کو غیر ماکول اللحم پرندے کی بیٹ ایک درہم کی مقدار سے زائد لگ جائے تو شیخینؒ کے ہاں اس کپڑے میں نماز کفایت کرے گی

وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَجُوزُ فَقَدْ قِيلَ إِنَّ الِاخْتِلَافَ فِي النَّجَاسَةِ وَقَدْ قِيلَ فِي الْمِقْدَارِ
اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔ پس کہا گیا کہ اختلاف (اس کی) نجاست میں ہے اور کہا گیا کہ (اختلاف اس کی) مقدار میں ہے
وَهُوَ الْأَصَحُّ هُوَ يَقُولُ إِنَّ التَّخْفِيفَ لِلضَّرُورَةِ وَلَا ضَرُورَةَ لِعَدَمِ الْمُخَالَطَةِ
اور یہی اصح ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تخفیف ضرورت کی وجہ سے ہے اور یہاں مخالطت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی ضرورت نہیں
فَلَا يُخَفَّفُ وَلَهُمَا أَنَّهَا تَذْرِقُ مِنَ الْهَوَاءِ وَالتَّحَامِي عَنْهُ مُتَعَذِّرٌ فَتَحَقَّقَتِ الضَّرُورَةُ
لہذا تخفیف بھی نہ ہوگی اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ چڑیاں ہوا سے بیٹ کرتی ہیں اور اس سے بچنا دشوار ہے پس ضرورت متحقق ہوگی
وَلَوْ وَقَعَ فِي الْإِنَاءِ قِيلَ يُفْسِدُهُ وَقِيلَ لَا يُفْسِدُهُ لِتَعَذُّرِ صَوْنِ الْأَوَانِي عَنْهُ
اور اگر برتن میں گر پڑے تو کہا گیا کہ اس کو خراب کر دے گی اور کہا گیا کہ خراب نہیں کرے گی کیونکہ برتنوں کو اس سے بچانا دشوار ہے

غیر ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ کا حکم

تشریح: مسئلہ اگر غیر ماکول اللحم پرند کی بیٹ ایک درہم سے زائد کپڑے یا بدن کو لگ گئی تو شیخینؒ کے نزدیک اس کے ساتھ نماز جائز ہو جائے گی، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نماز جائز نہیں ہوگی۔

رہی یہ بات کہ شیخینؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف اس کی نجاست اور طہارت میں ہے یا اس کی مقدار میں۔ سو امام کرخیؒ نے کہا کہ اختلاف نجاست اور طہارت میں ہے یعنی غیر ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ شیخینؒ کے نزدیک پاک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک ناپاک ہے۔

اور فقیہ ابو جعفرؒ نے کہا کہ اختلاف اس کی مقدار میں ہے یعنی نجس ہونے پر تو سب متفق ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے۔

واضح ہو کہ ہدایہ کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ دونوں روایتوں میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ امام کرخیؒ کی روایت کے مطابق ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں اور فقیہ ابو جعفرؒ کی روایت کے مطابق امام محمدؒ کے ساتھ ہیں جیسا کہ خادم نے اوپر ذکر کیا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہ اصح ہے کہ اختلاف مقدار میں ہے۔ (عنایہ)

صاحب ہدایہؒ کے بیان کے مطابق امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ تخفیف نجاست میں ضرورت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے لیکن یہاں پرندوں کی آدمیوں کے ساتھ مخالطت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی ضرورت نہیں اس لئے تخفیف نہ ہوگی۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ چڑیاں ہوا سے بیٹ کر دیتی ہیں اور ان سے بچنا متعذر ہے اسلئے ضرورت متحقق ہوگی۔

مولانا عبدالحیؒ نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تخفیف کا مدار تعارض نصین پر ہے اور وہ ابھی ظاہر نہیں ہوا لہذا ضرورت کا پایا جانا تخفیف کے وجود پر کیسے دلیل ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ وجود تخفیف کی دلیل نہیں بلکہ امام محمدؒ کی

دلیل کا جواب ہے۔

اور اگر پرندے کی بیٹ برتن میں گر جائے تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ بیٹ اس برتن کو ناپاک کر دے گی۔ اسی کو امام ابو بکر اعمش نے اختیار کیا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ برتن ناپاک نہیں ہوگا اس قول کو امام کرخیؒ نے اختیار کیا ہے۔ ابو بکر اعمشؒ کہتے ہیں کہ برتنوں کو اس سے بچانا ممکن ہے اس لئے برتنوں کے حق میں کوئی ضرورت نہیں۔ اور امام کرخیؒ نے فرمایا کہ برتنوں کو اس سے بچانا متعذر ہے اس وجہ سے برتنوں کے حق میں بھی ضرورت متحقق ہوگی۔

وَإِنْ أَصَابَهُ مِنْ دَمِ السَّمَكِ أَوْ مِنْ لُعَابِ الْبَغْلِ أَوِ الْحِمَارِ أَكْثَرُ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ أَجْزَأَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ
اور اگر کپڑے کو مچھلی کا خون خچر یا گدھے کا لعاب ایک درہم کی مقدار سے زائد لگ جائے تو اس میں نماز کفایت کرے گی
أَمَّا دَمُ السَّمَكِ فَلِأَنَّهُ لَيْسَ بِدَمٍ عَلَى التَّحْقِيْقِ فَلَا يَكُوْنُ نَجِساً وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ أَنَّهُ
بہر حال مچھلی کا خون تو اس وجہ سے کہ وہ درحقیقت خون ہی نہیں لہٰذا وہ ناپاک بھی نہیں ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ
اِعْتَبَرَ فِيْهِ الْكَثِيْرَ الْفَاحِشَ فَاعْتَبَرَهُ نَجِساً وَأَمَّا لُعَابُ الْبَغْلِ وَالْحِمَارِ
انہوں نے مچھلی کے خون میں کثیر فاحش کا اعتبار کیا پس ابو یوسفؒ نے اس کو ناپاک اعتبار کیا۔ اور رہا خچر اور گدھے کا لعاب
فَلِأَنَّهُ مَشْكُوْكٌ فِيْهِ فَلَا يَتَنَجَّسُ بِهِ الطَّاهِرُ
تو اس وجہ سے کہ اس کے لعاب میں شک ہے لہٰذا پاک چیز اس سے ناپاک نہ ہوگی

مچھلی کے خون، خچر اور گدھے کے لعاب کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ، اگر کپڑے کو مچھلی کا خون یا خچر یا گدھے کا لعاب ایک درہم کی مقدار سے زائد لگ گیا تو اس کپڑے میں نماز جائز ہے۔ مچھلی کے خون کی صورت میں دلیل یہ ہے کہ مچھلی کا خون درحقیقت خون ہی نہیں ہے کیونکہ مچھلی کا خون دھوپ میں سفید ہو جاتا ہے حالانکہ دوسرے تمام خون دھوپ میں سیاہ ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بغیر ذبح کئے مچھلی کا کھانا حلال ہے بہر حال جب مچھلی کا خون درحقیقت خون ہی نہیں تو وہ ناپاک بھی نہیں ہوگا اور جب ناپاک نہیں تو جواز نماز کے لئے مانع بھی نہیں ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ مچھلی کا خون نجس بنجاست خفیفہ ہے لہٰذا اگر کپڑے کو کثیر فاحش لگ گیا تو اس میں نماز نہیں ہوگی۔ رہا گدھے اور خچر کا لعاب تو اس وجہ سے کہ اس کے لعاب میں شک ہے لہٰذا جو چیز یقین کے ساتھ پاک ہے وہ اس شک وجہ سے ناپاک نہیں ہوگی۔

فَإِنِ انْتَضَحَ عَلَيْهِ الْبَوْلُ مِثْلَ رُؤُوْسِ الْإِبَرِ فَذٰلِكَ لَيْسَ بِشَيْءٍ لِأَنَّهُ لَا يُسْتَطَاعُ الْاِمْتِنَاعُ عَنْهُ
پھر اگر آدمی پر سوئی کے ناکے کے برابر پیشاب کی چھینٹیں پڑیں تو یہ کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ اس سے بچاؤ کی قدرت نہیں ہے

کپڑوں پر سوئی کے ناکہ کے برابر پیشاب کی چھینٹیں لگ جائیں تو ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے

تشریح: صورت مسئلہ اور دلیل ظاہر ہیں محتاج بیان نہیں۔

وَالنَّجَاسَةُ ضَرْبَانِ مَرْئِيَّةٌ وَغَيْرُ مَرْئِيَّةٍ فَمَا كَانَ مِنْهَا مَرْئِيًّا فَطَهَارَتُهَا بِزَوَالِ عَيْنِهَا
اور نجاست کی دو قسم ہیں۔ مرئیہ اور غیر مرئیہ۔ پس جو نجاست میں سے مرئیہ ہو تو اس کی طہارت اس کے عین کے زائل ہونے سے ہے
لِاَنَّ النَّجَاسَةَ حَلَّتِ الْمَحَلَّ بِاِعْتِبَارِ الْعَيْنِ فَتَزُوْلُ بِزَوَالِهٖ
کیونکہ نجاست نے محل میں باعتبار اپنی ذات کے حلول کیا پس ذات کے زائل ہونے سے نجاست زائل ہو گی
اِلَّا اَنْ يَّبْقٰى مِنْ اَثَرِهَا مَا يَشُقُّ اِزَالَتُهٗ لِاَنَّ الْحَرَجَ مَدْفُوْعٌ وَهٰذَا يُشِيْرُ اِلٰى
مگر یہ کہ نجاست کے اثر سے وہ چیز باقی رہ جائے جس کا دور کرنا دشوار ہو کیونکہ حرج (شریعت میں) کو دور کیا گیا ہے اور یہ کلام اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے
اَنَّهٗ لَا يُشْتَرَطُ الْغَسْلُ بَعْدَ زَوَالِ الْعَيْنِ وَاِنْ زَالَ بِالْغَسْلِ مَرَّةً وَّاحِدَةً وَّفِيْهِ كَلَامٌ
کہ عین نجاست دور ہونے کے بعد دھونا شرط نہیں ہے اگرچہ ایک ہی مرتبہ دھونے سے زائل ہو جائے۔ اور اس میں (مشائخ کا) کلام ہے

نجاست کی دو قسمیں، مرئی اور غیر مرئی...... دونوں کی طہارت کا حکم

تشریح: شیخ قدوریؒ نے کہا کہ نجاست کی دو قسمیں ہیں ایک مرئی دوم غیر مرئی۔ کیونکہ نجاست خشک ہونے کے بعد مجسد اور مجسم نظر آئے گی یا نہیں۔ اور اگر اول ہو تو مرئی ہے اور اگر ثانی ہو تو غیر مرئی ہے پس نجاست مرئی سے کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا عین اور اس کی ذات دور کر دی جائے اگرچہ اس کے بعض اوصاف رنگ، بو وغیرہ رہ جائیں۔ دلیل یہ ہے کہ نجاست نے باعتبار اپنی ذات کے محل میں حلول کیا ہے لہٰذا ذات اور عین کے زائل ہونے سے نجاست زائل ہو جائے گی۔ مگر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ نجاست کا وہ اثر جس کا دور کرنا دشوار ہے وہ باقی رہ جائے گا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے دور کرنے میں حرج ہے اور شریعت میں حرج دور کیا گیا ہے اس لئے اثر کے باقی رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس کی تائید حضرت خولہ بنت یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اِنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ ثَوْبًا وَاحِدًا وَاَنِّيْ اَحِيْضُ فِيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ رُحِّيْهِ وَاقْرُصِيْهِ ثُمَّ اغْسِلِيْهِ بِالْمَاءِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَبْقٰى لَهٗ اَثَرُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكْفِيْكِ الْمَاءُ فَلَا يَضُرُّكِ اَثَرُهٗ۔

حضرت خولہ بنت یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول میرے پاس ایک کپڑا ہے میں اسی میں حیض لاتی ہوں پس حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو اس پر پانی چھڑک پھر مل پھر اس کو پانی سے دھو ڈال۔ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ اے اللہ

کے رسول اس کا اثر باقی رہ جاتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھ کو پانی کافی ہے یعنی پانی سے دھوڈالنا۔ اور اس کا اثر تجھے مضر نہیں ہے۔

اور یہاں مشقت کی تفسیر یہ ہے کہ اثر دور کرنے میں پانی کے علاوہ دوسری چیز مثلاً صابون وغیرہ کی ضرورت ہو۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ قدوری کا کلام اس طرف مشیر ہے کہ عینِ نجاست دور ہونے کے بعد اس کا دھونا شرط نہیں ہے اگر چہ عینِ نجاست ایک مرتبہ دھونے سے دور ہو جائے یعنی اگر نجاست مرئی ایک بار دھونے سے دور ہوگئی تو یہ کافی ہے اور اگر تین مرتبہ دھونے سے بھی زائل نہ ہو تو اس کو دھوتا رہے یہاں تک کہ عینِ نجاست دور ہو جائے۔

صاحب ہدایہؒ کہتے ہیں کہ اگر نجاست مرئیہ ایک مرتبہ دھونے سے دور ہوگئی تو اس میں مشائخؒ نے کلام کیا ہے چنانچہ بعض نے کہا کہ عینِ نجاست دور ہونے کے بعد پھر تین مرتبہ دھوئے کیونکہ عینِ نجاست دور ہونے کے بعد وہ بمنزلہ نجاست غیر مرئیہ کی ہوگئی اور نجاست غیر مرئیہ کو تین مرتبہ دھونا شرط ہے۔

فقیہ ابو جعفرؒ نے کہا کہ ایک بار تو دھو چکا دو بار اور دھو دے تا کہ تین کا عدد محقق ہو جائے لیکن تحقیقی بات وہی ہے جس کو فاضل مصنفؒ نے بیان کیا ہے۔

وَمَا لَيْسَ بِمَرْئِيٍّ فَطَهَارَتُهُ اَنْ يُغْسَلَ حَتّٰى يَغْلِبَ عَلٰى ظَنِّ الْغَاسِلِ اَنَّهُ قَدْ طَهُرَ
اور جو نجاست غیر مرئی ہے اس کی طہارت یہ ہے کہ اُسے دھویا جاتا رہے یہاں تک کہ دھونے والے کے گمان پر غالب آجائے کہ وہ تحقیق پاک ہوگئی
لِاَنَّ التَّكْرَارَ لَا بُدَّ مِنْهُ لِلْاِسْتِخْرَاجِ وَلَا يُقْطَعُ بِزَوَالِهِ فَاعْتُبِرَ غَالِبُ الظَّنِّ
کیونکہ نجاست نکالنے کے لئے تکرار ضروری ہے۔ اور اس نجاست کے زوال کا یقین نہیں ہوگا پس غالب گمان کا اعتبار کرلیا گیا
كَمَا فِيْ اَمْرِ الْقِبْلَةِ وَاِنَّمَا قَدَّرُوْا بِالثَّلٰثِ لِاَنَّ غَالِبَ الظَّنِّ يَحْصُلُ عِنْدَهُ
جیسا کہ جہت قبلہ کے مسئلہ میں ہے۔ اور فقہاء نے تین مرتبہ کے ساتھ اس لئے مقدر کیا ہے کہ غالب گمان اس عدد پر حاصل ہو جاتا ہے
فَاُقِيْمَ السَّبَبُ الظَّاهِرُ مَقَامَهُ تَيْسِيْرًا وَيَتَاَيَّدُ ذٰلِكَ بِحَدِيْثِ الْمُسْتَيْقِظِ مِنْ مَنَامِهِ
پس آسانی کے لئے سبب ظاہر کو غالب گمان کے قائم مقام کیا گیا اور اس کی تائید حدیث مُسْتَيْقِظ مِنْ مَنَامِهِ سے بھی ہوتی ہے
ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ الْعَصْرِ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِاَنَّهُ هُوَ الْمُسْتَخْرِجُ
پھر ظاہر الروایہ میں ہر بار نچوڑنا ضروری ہے کیونکہ نچوڑنا ہی نجاست غیر مرئیہ کو نکالنے والا ہے

غیر مرئی نجاست کی طہارت کا حکم

تشریح: اس عبارت میں نجاست کی دوسری قسم یعنی نجاست غیر مرئیہ کا بیان ہے مثلاً پیشاب، شراب وغیرہ اس کا حکم یہ

ہے کہ کپڑے کو اس قدر دھویا جائے کہ دھونے والے کو غالب گمان ہو کہ وہ پاک ہو گیا۔

دلیل یہ ہے کہ نجاست نکالنے کے لئے دھونے میں تکرار ضروری ہے اور چونکہ اس نجاست کے زائل ہونے کا قطعی علم ممکن نہیں اس لئے غالب گمان کا اعتبار کر لیا گیا جیسے جہت قبلہ کے مسئلہ میں ہے یعنی اگر کسی شخص پر جہت قبلہ مشتبہ ہو گئی اور کوئی بتلانے والا موجود نہیں ہے تو ایسی صورت میں وہ شخص تحری کرے جس جانب کو غالب گمان ہو وہی معتبر ہے حتی کہ تحری سے پڑھنے کے بعد اگر دوسری طرف قبلہ متحقق ہوا تو نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ فقہاء نے غالب گمان کا اندازہ تین مرتبہ دھونے کے ساتھ لگایا ہے کیونکہ اس تعداد سے غالب گمان حاصل ہو جاتا ہے پس آسانی کے لئے ظاہری سبب یعنی تین کے عدد کو غالب گمان کے قائم مقام کر دیا گیا یعنی تین مرتبہ دھونے پر پاکی کا حکم لگا دیا جائے گا۔ اور اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث اِذَا اسْتَیْقَظَ اَحَدُکُمْ مِنْ مَنَامِهٖ فَلَا یَغْمِسَنَّ یَدَهٗ فِی الْاِنَاءِ حَتّٰی یَغْسِلَهَا ثَلٰثًا فَاِنَّهٗ لَا یَدْرِیْ اَیْنَ بَاتَتْ یَدُهٗ اس حدیث میں نجاست موہومہ کی وجہ سے تین مرتبہ ہاتھ دھونے کا حکم دیا گیا ہے پس نجاست متحققہ میں بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا۔ پھر ظاہر الروایہ کے مطابق ہر مرتبہ کپڑے کا نچوڑنا ضروری ہے کیونکہ نچوڑنا ہی نجاست غیر مرئیہ کو نکالنے والا ہے۔

اور غیر ظاہر الروایہ میں امام محمدؒ سے مروی ہے کہ تیسری مرتبہ نچوڑنا کافی ہے ہر مرتبہ نچوڑنا ضروری نہیں ہے۔

فَصْلٌ فِی الْاِسْتِنْجَاءِ

(یہ) فصل استنجاء (کے احکام کے بیان میں) ہے

اَلْاِسْتِنْجَاءُ سُنَّةٌ لِاَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَیْهِ وَیَجُوْزُ فِیْهِ الْحَجَرُ وَمَا قَامَ مَقَامَهٗ

استنجاء سنت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر مداومت فرمائی ہے۔ اور استنجاء میں پتھر اور وہ چیز جو (پتھر) کے قائم مقام ہو جائز ہے

یَمْسَحُهٗ حَتّٰی یُنَقِّیَهٗ لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ هُوَ الْاِنْقَاءُ فَیُعْتَبَرُ مَا هُوَ الْمَقْصُوْدُ وَلَیْسَ فِیْهِ عَدَدٌ مَسْنُوْنٌ

اس کو پونچھے یہاں تک کہ اس کو پاک کر دے کیونکہ مقصود پاک وصاف کرنا ہے پس جو مقصود ہے وہی معتبر ہے اور اس میں کوئی عدد مسنون نہیں ہے

وَقَالَ الشَّافِعِیُّؒ لَا بُدَّ مِنَ الثَّلٰثِ لِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَلْیَسْتَنْجِ مِنْکُمْ بِثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ

اور امام شافعیؒ نے کہا کہ تین کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ تم میں سے (ہر ایک) تین پتھروں سے استنجاء کرے

وَلَنَا قَوْلُهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ فَمَنْ فَعَلَ فَحَسَنٌ وَمَنْ لَا

اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جو (پتھر سے) استنجاء کرے تو وہ طاق کرے۔ پس جس نے ایسا کیا تو اچھا ہے اور جس نے نہ کیا تو

فَلَا حَرَجَ وَمَا رَوَاهُ مَتْرُوْكُ الظَّاهِرِ فَإِنَّهُ لَوِ اسْتَنْجَى بِحَجَرٍ لَهُ ثَلَاثَةُ اَحْرُفٍ جَازَ
کچھ حرج نہیں ہے اور جو حدیث امام شافعیؒ نے روایت کی ہے وہ متروک الظاہر ہے چنانچہ اگر اس نے ایک ایسے پتھر سے جس کے تین کونے ہوں استنجاء کیا تو
بِالْاِجْمَاعِ وَغَسْلُهُ بِالْمَاءِ اَفْضَلُ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا
بالاجماع جائز ہے اور اس کو پانی سے دھونا افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس بستی میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں
نَزَلَتْ فِيْ اَقْوَامٍ كَانُوْا يَتْبَعُوْنَ الْحِجَارَةَ الْمَاءَ ثُمَّ هُوَ اَدَبٌ
یہ آیت ایسی قوم کے حق میں نازل ہوئی جو پتھروں کے بعد پانی استعمال کرتے تھے۔ پھر پانی سے استنجاء کرنا ادب ہے
وَقِيْلَ سُنَّةٌ فِيْ زَمَانِنَا وَيَسْتَعْمِلُ الْمَاءَ اِلٰى اَنْ يَّقَعَ فِيْ غَالِبِ ظَنِّهٖ اَنَّهُ قَدْ طَهُرَ
اور کہا گیا کہ ہمارے زمانے میں سنت ہے اور پانی کو استعمال کرتا رہے یہاں تک کہ اس کے غالب گمان میں واقع ہو جائے کہ تحقیق پاک ہو گیا
وَلَا يُقَدَّرُ بِالْمَرَّاتِ اِلَّا اِذَا كَانَ مُوَسْوِسًا فَيُقَدَّرُ بِالثَّلٰثِ فِيْ حَقِّهٖ وَقِيْلَ بِالسَّبْعِ
اور باریوں سے اندازہ نہیں کیا جائے گا مگر جب کہ کسی آدمی کو وساوس ہوں تو اس کے حق میں تین کے ساتھ اندازہ کیا جائے گا اور کہا گیا کہ سات بار کے ساتھ

استنجاء کی شرعی حیثیت و کیفیت اور استنجاء میں ڈھیلوں اور پانی کا استعمال

تشریح:۔ مسئلہ امام قدوریؒ نے اس فصل میں استنجاء کے احکام ذکر کئے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ استنجاء وضو کی سنتوں میں سے ہے لہٰذا سنن وضو میں ذکر کرنا زیادہ مناسب تھا۔

جواب چونکہ سبیلین پر سے نجاست حقیقیہ کو دور کرنے کا نام استنجاء ہے اس لئے کہ اس کو **بَابُ الْاَنْجَاسِ وَتَطْهِيْرُهَا** کے تحت ذکر کیا۔ استنجاء، استطابۃ، اور استجمار تینوں ہم معنی ہیں مگر استنجاء اور استطابہ عام ہیں پانی سے ہو یا دوسری پاک کرنے والی چیز سے اور استجمار ڈھیلوں اور پتھروں کے ساتھ خاص ہے۔ استنقاء کے معنی بھی پتھر وغیرہ سے پاک کر لینا، استبراء زمین پر پاؤں مارنا۔ اور استنزاہ پیشاب سے نزاہت چاہنا۔

استنجاء ماخوذ ہے نَجْوٌ سے اور نَجْوٌ اس چیز کو کہتے ہیں جو پیٹ سے نکلے اور بلند جگہ کو بھی نَجْوٌ کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک استنجاء سنت مؤکدہ ہے اور اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام مزنیؒ ہیں۔

اور امام شافعیؒ نے کہا کہ فرض ہے، استنجاء مسنون ہونے پر دلیل حضور ﷺ کا ہمیشگی فرمانا ہے چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت ہے: **عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَاَحْمِلُ اَنَا وَغُلَامٌ نَحْوِيْ اِدَاوَةً مِّنْ مَّاءٍ وَعَنَزَةً فَيَسْتَنْجِيْ بِالْمَاءِ** حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پاخانہ تشریف لے جاتے تو میں

اور میرے مانند ایک لڑکا پانی کا برتن اور پوری دار عصا اٹھاتے پس آپ پانی سے استنجاء کرتے تھے۔

اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے **قَالَتْ مَارَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ قَطُّ اِلَّا مَسَّ مَاءً** ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ پاخانہ سے نکلے مگر یہ کہ پانی چھوتے تھے۔

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے استنجاء کرنے پر ہمیشگی فرمائی ہے۔ استنجاء میں پتھر اور جو اس کے قائم مقام ہو اس کا استعمال کرنا جائز ہے اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ استنجاء کی جگہ کا اس قدر مسح کرے کہ وہ پاک ہو جائے کیونکہ پاک کرنا ہی مقصود ہے لہٰذا جو مقصود ہے اسی کا اعتبار ہوگا۔

صاحب ہدایہؒ کہتے ہیں کہ پتھروں میں کوئی عدد مسنون نہیں ہے بلکہ جس قدر سے پاکی حاصل ہو جائے اسی قدر استعمال کرے۔ تین ہوں یا تین سے کم یا تین سے زائد۔

امام شافعیؒ نے کہا کہ تین پتھروں کا ہونا ضروری ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ اِذَا ذَهَبَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْغَائِطِ فَلَا يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَلَا يَسْتَدْبِرُهَا بِغَائِطٍ وَلَا بَوْلٍ وَلْيَسْتَنْجِ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے واسطے مثل باپ کے ہوں۔ جب تم میں سے کوئی پاخانہ جائے تو پاخانہ اور پیشاب میں نہ قبلہ کا استقبال کرے اور نہ استدبار کرے اور تین پتھروں سے استنجاء کرے۔ اس حدیث میں صیغہ امر واقع ہے۔ اور امر وجوب کے لئے پس اس حدیث سے استنجاء کا واجب ہونا اور پتھروں میں تین کا عدد ہونا ثابت ہو گیا۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے **عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنِ اكْتَحَلَ فَلْيُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اِسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَكَلَ فَمَا تَخَلَّلَ فَلْيَلْفِظْ وَمَا لَاكَ بِلِسَانِهٖ فَلْيَبْتَلِعْ وَمَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَتَى الْغَائِطَ فَلْيَسْتَتِرْ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ اِلَّا اَنْ يَّجْمَعَ كَثِيْبًا مِنْ رَمْلٍ فَلْيَسْتَدْبِرْهُ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِيْ آدَمَ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ (ابو داؤد)**

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی سرمہ لگائے وہ طاق کرے جس نے کیا اس نے بہت اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جس نے پتھر وغیرہ سے استنجاء کیا تو طاق کرے جس نے کیا اس نے بہت اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جس نے کھایا تو جو خلال سے نکالے اس کو پھینک دے

اور جو زبان سے نکالے اس کو نگل جائے جس نے کیا اس نے بہت اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جو پاخانہ جائے اس کو چاہیے کہ پردہ کرے پھر اگر نہ پائے مگر یہ کہ ریت کا ڈھیر کرے تو اس کی طرف پشت کرلے کیونکہ شیطان آدمیوں کے مقاعد سے کھیل کرتا ہے جس نے کیا اس نے بہت اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

علامہ ابن الہمامؒ نے کہا کہ ایتار (طاق) ایک پر بھی واقع ہوتا ہے۔ اور حدیث میں فرمایا گیا کہ ترک ایتار میں کوئی گناہ نہیں ہے تو اس کا حاصل یہ ہوا کہ ترک استنجاء میں کوئی گناہ نہیں ہے اور جس چیز کے ترک پر کوئی گناہ نہ ہو وہ فرض یا واجب نہیں ہو سکتی پس معلوم ہوا کہ استنجاء فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔ اور ایتار جس طرح تین کے عدد میں پایا جاتا ہے اسی طرح ایک اور پانچ ہسات کے عدد سے بھی تحقق ہو جاتا ہے اس لئے تین کا عدد بھی ضروری نہیں ہوگا۔

اور رہی وہ حدیث جس کو امام شافعیؒ نے دلیل میں پیش کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث متروک الظاہر ہے اس لئے کہ اگر ایسے پتھر سے استنجاء کیا جس کے تین کونے ہوں تو بالاتفاق جائز ہے پس معلوم ہوا کہ تین کا عدد شرط نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ صیغہ امر کو استحباب پر محمول کرلیا جائے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور ﷺ نے استنجاء کے پتھر مانگے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو پتھر لائے اور تیسرا پتھر نہ پایا تو لید اٹھا لائے۔ پس آپ ﷺ نے دونوں پتھر لے لئے اور تیسرا یعنی لید پھینک دی اور فرمایا کہ یہ پلید ہے۔ پس اگر تین واجب ہوتے تو آپ ﷺ تیسرا پتھر ضرور منگواتے۔ حالانکہ آپ ﷺ نے تیسرا پتھر نہیں منگوایا جیسا کہ بخاری میں ہے۔ اس واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ تین کا عدد شرط نہیں ہے۔

صاحبؒ ہدایہ نے کہا کہ ڈھیلوں سے پونچھنے کے بعد پانی سے دھونا افضل ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا قول فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا اہل قبا کے بارے میں نازل ہوا اور اہل قبا کی یہ عادت تھی کہ وہ پتھروں کے بعد پانی کا استعمال کیا کرتے تھے۔

واضح ہو کہ پتھروں کے بعد پانی کا استعمال ادب اور مستحب ہے کیونکہ حضور ﷺ کبھی پانی سے استنجاء کرتے اور کبھی اس کو چھوڑ دیتے، اور ظاہر ہے کہ یہ استحباب کا درجہ ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ ہمارے زمانے میں پانی سے استنجاء کرنا مسنون ہے یہی حسن بصریؒ سے منقول ہے دلیل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: قَالَ إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَبْعَرُوْنَ بَعْرًا وَأَنْتُمْ تَثْلِطُوْنَ ثَلْطًا فَاتْبِعُوا الْحِجَارَةَ الْمَاءَ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ مینگنیاں کرتے تھے اور تم پتلا پاخانہ کرتے ہو پس پتھروں کے بعد پانی کا استعمال کرلیا کرو (بیہقی)

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ استنجاء کی جگہ پانی استعمال کرتا رہے یہاں تک کہ پاک ہونے کا غالب گمان ہو جائے۔ اور تین یا پانچ مرتبہ کی کوئی قید نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص وساوس میں مبتلا ہو تو اس کے حق میں تین مرتبہ دھونے کے ساتھ تحدید کی جائے گی۔ جیسا

کہ نجاست غیر مرئیہ میں ہے اور پاخانہ اگرچہ مرئی ہے لیکن استنجاء کرنے والا چونکہ اس کو دیکھ نہیں سکتا اس لئے وہ بھی اس کے حق میں پیشاب یعنی نجاست غیر مرئیہ کے مرتبہ میں ہوگا۔

اور بعض حضرات نے سات مرتبہ کے ساتھ مقدر کیا ہے اس حدیث کا اعتبار کرتے ہوئے جو کتے کا برتن میں منہ ڈالنے کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

وَلَوْ جَاوَزَتِ النَّجَاسَةُ مَخْرَجَهَا لَمْ يَجُزْ إِلَّا الْمَاءُ وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ إِلَّا الْمَائِعُ
اور اگر نجاست نے اپنے مخرج سے تجاوز کیا تو پانی کے سوا کچھ جائز نہیں ہے اور بعض نسخوں میں الا المائع (سوائے بہنے والی چیز کے) ہے۔
وَهٰذَا يُحَقِّقُ اخْتِلَافَ الرِّوَايَتَيْنِ فِي تَطْهِيرِ الْعُضْوِ بِغَيْرِ الْمَاءِ عَلٰى مَا بَيَّنَّا وَهٰذَا لِأَنَّ الْمَسْحَ
اور یہ پانی کے علاوہ سے عضو کو پاک کرنے میں اختلاف روایتین کو ثابت کرتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اور یہ اس لئے کہ مسح کرنا
غَيْرُ مُزِيلٍ إِلَّا أَنَّهُ اُكْتُفِيَ بِهِ فِي مَوْضِعِ الْاِسْتِنْجَاءِ فَلَا يَتَعَدَّاهُ ثُمَّ يُعْتَبَرُ بِالْمِقْدَارِ الْمَانِعِ
زائل کرنے والا نہیں ہے مگر مقام استنجاء میں اسی پر اکتفاء کیا گیا ہے لہٰذا اس سے (کسی دوسری طرف) متعدی نہیں ہوگا پھر وہ مقدار جو مانع نماز ہے
وَرَاءَ مَوْضِعِ الْاِسْتِنْجَاءِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ لِسُقُوطِ اعْتِبَارِ ذٰلِكَ الْمَوْضِعِ
شیخین کے نزدیک موضع استنجاء کے علاوہ ہے۔ اس لئے کہ اس مقام کا اعتبار ساقط ہے۔
وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ مَعَ مَوْضِعِ الْاِسْتِنْجَاءِ اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الْمَوَاضِعِ
اور امام محمدؒ کے نزدیک موضع استنجاء کے ساتھ تمام مواضع پر قیاس کرتے ہوئے

نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے تو صرف پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے

تشریح:۔ مسئلہ ”اگر نجاست استنجاء کی جگہ یعنی مخرج سے ادھر ادھر متجاوز ہوگئی تو اس کو صرف پانی سے دور کیا جاسکتا ہے پتھر وغیرہ سے پونچھنا کافی نہیں ہوگا۔ اور بعض نسخوں میں الماء یعنی پانی کی جگہ المائع (بہنے والی چیز) لکھا ہے یعنی جو نجاست مخرج سے متجاوز ہوگئی اس کو صرف بہنے والی چیز سے دور کیا جاسکتا ہے۔ بہنے والی چیز پانی ہو یا پانی کے علاوہ سرکہ وغیرہ۔ اور اِلَّا الْمَاءَ اور اِلَّا الْمَائِعَ کا اختلاف اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ پانی کے علاوہ دوسری پاک کرنے والی چیز سے بدن کا عضو پاک ہونے اور نہ ہونے میں دونوں مختلف روایتیں موجود ہیں جیسا کہ ہم بَابُ الْاَنْجَاسِ کے شروع میں بیان کر چکے یعنی اِلَّا الْمَاءُ کا نسخہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بدن سے نجاست حقیقیہ کو صرف پانی سے دور کرنا جائز ہے اور اِلَّا الْمَائِعُ کا نسخہ دلالت کرتا ہے کہ جس چیز سے نجاست حقیقیہ کو زائل کرنا ممکن ہو اس سے زائل کرنا جائز ہے خواہ وہ پانی سے ہو خواہ پانی کے علاوہ سے۔

رہی اس بات کی دلیل کہ اگر نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے تو اس کا دھونا فرض ہے یہ ہے کہ پتھر وغیرہ سے پونچھنا نجاست زائل نہیں کرتا بلکہ نجاست کو پھیلا دیتا ہے لیکن موضع استنجاء میں ضرورت کی وجہ سے خلاف قیاس پتھر وغیرہ سے پونچھنے کو طہارت شمار کیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز خلاف قیاس کسی ضرورت کی وجہ سے ثابت ہو وہ بقدر ضرورت ثابت ہوتی ہے موضع ضرورت کے علاوہ کی طرف حکم متعدی نہیں ہوتا۔ اس لئے کہا گیا کہ موضع استنجاء کے علاوہ کی طرف پتھر سے پونچھنے کا حکم متعدی نہیں ہوگا۔ پس بالدلیل ثابت ہو گیا کہ اگر نجاست مخرج سے تجاوز ہو گئی تو اس کو پانی یا بہنے والی پاک چیز کے علاوہ سے دور کرنا جائز نہیں۔

واضح ہو کہ مقدار جو مانع نماز ہے وہ شیخینؒ کے نزدیک موضع استنجاء کی نجاست سے علاوہ ایک درہم سے زائد ہو تو معتبر ہے کیونکہ موضع استنجاء کا اعتبار تو ساقط ہے لہٰذا اس کے علاوہ ایک درہم سے زائد ہو تو اس کا دھونا فرض ہوگا۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک مقام استنجاء کے ساتھ مل کر اگر درہم سے زائد ہو تو مانع ہے دوسرے مواضع پر قیاس کرتے ہوئے یعنی جس طرح دوسرے مواضع میں ایک درہم کی مقدار نجاست معاف ہے اور اس سے زائد معاف نہیں۔ اسی طرح اگر موضع استنجاء میں ہو تو ایک درہم کی مقدار معاف ہے اور اس سے زائد معاف نہیں ہے۔

وَلَا يَسْتَنْجِيْ بِعَظْمٍ وَلَا بِرَوْثٍ لِاَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ وَلَوْ فَعَلَ يُجْزِئُهُ
اور ہڈی اور گوبر سے استنجاء نہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور اگر (ان چیزوں سے استنجاء) کر لیا تو مقصود کے حاصل ہو جانے کی وجہ سے کافی ہو جائیگا۔
لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ وَمَعْنَى النَّهْيِ فِي الرَّوْثِ النَّجَاسَةُ وَفِي الْعَظْمِ كَوْنُهٗ زَادَ الْجِنِّ وَ لَا بِطَعَامٍ
اور گوبر میں ممانعت کی وجہ نجاست ہے اور ہڈی میں اس کا جنات کی غذا ہونا ہے۔ اور طعام سے (استنجاء نہ کرے)
لِاَنَّهٗ اِضَاعَةٌ وَاِسْرَافٌ وَلَا بِيَمِيْنِهٖ لِاَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهٰى عَنِ الْاِسْتِنْجَاءِ بِالْيَمِيْنِ
کیونکہ یہ ضائع کرنا اور اسراف ہے۔ اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے (استنجاء کرے) کیونکہ حضور ﷺ نے داہنے ہاتھ کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع کیا ہے

ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنا جائز نہیں

تشریح: مسئلہ ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنا شرعاً ممنوع ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے:

قَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ اَبْغِنِيْ اَحْجَاراً اَسْتَنْفِضْ بِهَا وَلَا تَأْتِنِيْ بِعَظْمٍ وَلَا بِرَوْثَةٍ قُلْتُ مَا بَالُ الْعِظَامِ وَالرَّوْثَةِ قَالَ هُمَا مِنْ طَعَامِ الْجِنِّ حضور ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میرے واسطے پتھر تلاش کرو تا کہ میں ان سے پاکی حاصل کروں اور ہڈی اور گوبر نہ لانا میں نے کہا کہ ہڈی اور گوبر کا کیا حال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں جنات کا کھانا ہیں۔

اور ترمذی نے روایت کیا۔ لَا تَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَإِنَّهُ زَادُ إِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ یعنی تم لوگ گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو اس لئے کہ وہ تمہارے بھائیوں جنات کا توشہ ہے۔

اور اگر ممانعت کے باوجود ان چیزوں سے استنجاء کر لیا تو استنجاء ہو جائے گا اس لئے کہ مقصود حاصل ہو گیا یعنی صفائی اور پاک کرنا لیکن اس سے سنت ادا نہ ہوگی۔

اور گوبر میں ممانعت کی وجہ اس کا نجس ہونا ہے۔ اور ہڈی میں ممانعت کی وجہ اس کا جنات کی غذا ہونا ہے۔

سابق میں مذکور دونوں حدیثوں سے گوبر کے پاک ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے جیسا کہ امام مالکؒ کا قول ہے اس لئے کہ گوبر اگر ناپاک ہوتا تو جنات کے لئے اس کا کھانا حلال نہ ہوتا۔ کیونکہ شریعت عامہ مکلفین کی دونوں کے حق میں مختلف نہ ہوتی الا یہ کہ کوئی دلیل پائی جائے۔

علامہ ابن الہمام نے فرمایا کہ گوبر کے نجس ہونے پر دلیل موجود ہے یعنی حضور ﷺ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گوبر کے بارے میں فرمایا تھا هٰذَا رِكْسٌ یعنی یہ گندی چیز ہے اور ناپاک ہے۔

اور کھانے کی چیز کے ساتھ بھی استنجاء نہ کرے کیونکہ یہ برباد کرنا اور اسراف ہے اور یہ دونوں باتیں حرام ہیں۔ اور اپنے داہنے ہاتھ سے بھی استنجاء نہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے استنجاء بالیمین سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: قَالَ إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَأْخُذْ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَلَا يَسْتَنْجِيْ بِيَمِينِهِ وَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ (بخاری مسلم) یعنی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنا عضو تناسل اپنے دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے اور نہ برتن میں سانس لے۔ اس حدیث میں استنجاء بالیمین کی صراحۃً ممانعت کی گئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ جمیل احمد عفی عنہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کتاب الصلوٰۃ

(یہ) کتاب نماز (کے احکام کے بیان میں) ہے

تشریح: نماز چونکہ ام العبادات اور اساس الطاعات ہے اس لئے اس کو تمام مشروعات پر مقدم کیا گیا۔ اور طہارت چونکہ نماز کی شرط ہے اور شرط شی، شی پر مقدم ہوتی ہے اس لئے کتاب الطہارت کو کتاب الصلوٰۃ پر مقدم کیا گیا ہے۔ لغت میں صلوٰۃ دعا کے معنی میں آتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ یعنی آپ ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے۔

اور حضور ﷺ کا قول وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ یعنی ملائکہ نے تم کو دعا دی۔ اور نبی ﷺ کا قول إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الطَّعَامِ فَلْيُجِبْ فَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَأْكُلْ وَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ یعنی جب کسی کو دعوت دی جائے تو اس کو قبول کرنا چاہیے پس اگر روزہ دار نہ ہو تو کھالے اور اگر روزہ دار ہو تو اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کر دے۔

اور شریعت کی اصطلاح میں افعال معلومہ اور ارکان مخصوصہ کا نام صلوٰۃ ہے اور ان افعال معلومہ اور ارکان مخصوصہ کو صلوٰۃ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ دعا کے معنی کو مشتمل ہے۔ وجوب نماز کا سبب اس کا وقت ہے اور ادائے نماز کا سبب اللہ رب العزت کا امر تقدیری ہے۔

نماز کی شرطیں طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ، وقت، نیت اور تکبیر تحریمہ ہیں۔ اس موقع پر اگر کوئی اشکال کرے کہ وقت سبب ہے لہٰذا شرط کیسے ہو سکتا ہے تو جواب یہ ہوگا کہ وقت سبب ہے وجوب کا اور شرط ہے ادا کے لئے پس اب کوئی اشکال نہ ہوگا۔ اور نماز کے ارکان قیام، قراءت، رکوع، سجود، اور تشہد کی مقدار قعدہ اخیرہ۔ اور اس کا حکم دنیا میں ذمہ سے واجب کا ساقط ہونا اور آخرت میں موعود ثواب کا حاصل ہونا ہے۔

نماز کی فرضیت کتاب، سنت اور اجماع امت تینوں سے ثابت ہے۔ کتاب مثلاً باری تعالیٰ کا قول وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ اور إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ہے۔ اور سنت رسول ﷺ مثلاً حضور ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى فَرَضَ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَمْسَ صَلَوَاتٍ اور اجماع یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے سے آج تک نماز کی فرضیت پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔

نمازوں کا پانچ ہونا بھی کتاب اللہ سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى یہ آیت نماز کی فرضیت پر بھی دلالت کرتی ہے اور ان کے پانچ ہونے پر بھی۔ اس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نمازوں کی محافظت کا حکم دیا اور اس پر صلاۃ وسطیٰ کا عطف کیا گیا۔ اور اقل جمع جس میں وسط متحقق ہو سکے چار ہے پس عَلَى الصَّلَوَاتِ میں چار نمازوں کا ذکر ہوا اور صلاۃ وسطیٰ میں ایک کا۔ اس طرح یہ پانچ نمازیں ہو جائیں گی۔

سورہ طٰہٰ میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ پانچوں نمازیں مذکور ہیں چنانچہ ارشاد باری ہے۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ صاحب جلالین نے لکھا ہے کہ سَبِّحْ بمعنی صَلِّ ہے اور قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ سے مراد صبح کی نماز ہے اور قَبْلَ غُرُوبِهَا سے عصر کی نماز کا ذکر کیا گیا اور اٰنَآئِ الَّيْلِ میں مغرب اور عشاء کا بیان ہے اور اَطْرَافَ النَّهَارِ سے ظہر کی نماز کا بیان ہے اس طور پر کہ جب سے ظہر کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے وہ دن کے نصف اول کا طرف آخر ہے اور دن کے نصف ثانی کا طرف اول ہے یعنی زوال آفتاب جو ظہر کے وقت کی ابتداء ہے اس پر دن کا نصف اول ختم ہو جاتا ہے اور نصف ثانی شروع ہوتا ہے پس ظہر کے وقت پر دن کی دونوں طرفیں جمع ہو گئیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ دن کے دونوں اطراف کے جمع ہونے کے وقت بھی نماز پڑھو یعنی ظہر کی نماز پڑھو۔

رہی یہ بات کہ نماز کب فرض ہوئی اور نماز فرض ہونے سے پہلے حضور ﷺ کا طریقہ عبادت کیا تھا۔ سو اس بات پر تمام اہل سیر وحدیث متفق ہیں کہ پانچوں نمازوں کی فرضیت شب معراج میں ہوئی۔ البتہ شب معراج کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ وہ کون سے سنہ میں ہوئی چنانچہ ۵ھ نبوی سے ۱۲ھ نبوی تک مختلف اقوال ہیں۔ جمہور علماء ۵ھ نبوی کے قائل ہیں۔ پھر اس بارے میں کلام ہے کہ شب معراج سے پہلے کوئی نماز فرض تھی یا نہیں۔ اکثر علماء کا یہ خیال ہے کہ صلوات خمسہ سے پہلے کوئی نماز فرض نہ تھی۔ لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نماز تہجد اس سے پہلے فرض ہو چکی تھی جس کی دلیل سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا الخ ہیں۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔

بعض حضرات نے جواب دیا کہ سورۂ مزمل میں نماز کا حکم مدنی ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ اسی سورت کے اخیر میں وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ آرہا ہے اور قتال مدینہ طیبہ میں شروع ہوا۔ لیکن یہ بات درست نہیں اس لئے کہ قتال کا ذکر اس سیاق میں ہے۔ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس آیت میں صیغہ استقبال موجود ہے جو اس امر پر دال ہے کہ یہ حکم پہلے دیا جا رہا ہے اور آیت کے نزول کے وقت قتال نہیں تھا اس لئے اس سورت کو مکی ماننے میں کوئی حرج نہیں لہٰذا امام شافعیؒ کا استدلال درست ہے۔ البتہ بعض علماء نے فرمایا کہ تہجد کی نماز صرف آنحضرت ﷺ پر فرض تھی عام مسلمانوں پر نہیں۔

پھر اس میں کلام ہے کہ عام مسلمان بھی صلوات خمسہ سے پہلے کوئی نماز پڑھا کرتے تھے یا نہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ فجر اور عشاء کی نمازیں شب معراج سے پہلے فرض ہو چکی تھیں جس کی دلیل قرآن کی آیت وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ہے یہ آیت معراج سے پہلے نازل ہوئی اور اس میں انہی دو نمازوں کا ذکر ہے۔

اس بارے میں میں محقق بات یہ ہے کہ اتنی بات تو روایات سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام شب معراج سے پہلے ہی فجر اور عشاء پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ سورۂ جن میں جنات کے جس سماع کا ذکر ہے وہ فجر کی نماز میں ہوا تھا اور یہ واقعہ غالبًا شب معراج سے پہلے کا ہے۔ لیکن یہ دونوں نمازیں آپ پر فرض تھیں یا آپ تطوعاً پڑھتے تھے اس کی کوئی دلیل اور صراحت روایات میں موجود نہیں ہے رہا یہ کہ پانچ ہی نمازیں کیوں مشروع کی گئی ہیں۔ اس سے کم یا زائد کیوں مشروع نہیں کی گئیں، سو اس کی چند حکمتیں بیان کی گئی ہیں ملاحظہ فرمایئے:۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے ظاہری چیزیں معلوم کرنے کے لئے انسان کے اندر پانچ قوتیں پیدا کی ہیں۔

(۱) قوت باصرہ (۲) قوت سامعہ (۳) قوت شامہ (۴) قوت ذائقہ (۵) قوت لامسہ۔ پس ان پانچ قوتوں کے مقابلہ میں خداوند قدوس نے پانچ نمازیں فرض فرمائیں۔

(۲) خالق کائنات نے انسان کو جب دنیا میں پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے اس کو جان بخشی پھر اس کی ضرورت کی بڑی بڑی پانچ نعمتیں عطا فرمائیں (۱) کھانے پینے کی چیزیں (۲) گرم و سرد لباس (۳) رہائش کیلئے مکان (۴) خدمت کے لئے دلہن، نوکر وغیرہ (۵) سفر کے لئے سواری۔ جان کا شکریہ تو کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار ہے اور ان پانچ نعمتوں کے شکریہ میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں تا کہ ایک نماز سے ایک نعمت عظمیٰ کا شکر ادا ہو سکے۔

(۳) انسان کی پوری زندگی پانچ حالتوں میں گذرتی ہے (۱) لیٹنے (۲) بیٹھنے (۳) کھڑے ہونے (۴) سونے (۵) جاگنے میں۔ ان پانچوں حالتوں میں بندہ پر اللہ کی رحمتیں اور نعمتیں بارش کی طرح برستی ہیں جنکا شمار بھی خارج از امکان ہے پس اللہ رب العزت نے ان پانچ حالتوں کی تمام نعمتوں کا شکریہ پانچوں نمازوں میں رکھدیا۔ گویا جس نے پانچ نمازیں پڑھیں اس نے ہر حالت اور خدا کی ہر نعمت کا شکر ادا کردیا۔

(۴) دنیوی زندگانی ختم ہونے کے بعد انسان پر پانچ مصیبتیں آتی ہیں (۱) موت (۲) قبر (۳) پل صراط (۴) نامہ اعمال کا بائیں ہاتھ میں ملنا (۵) جنت کا دروازہ بند ہو جانا۔ خدائے رحیم و کریم نے ان پانچ مصیبتوں کے رفع کرنے کیلئے یہ پانچ نمازیں فرض فرمائیں۔

علامہ ابن حجر مکیؒ نے فرمایا مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلٰوةِ اَكْرَمَهُ اللّٰهُ بِخَمْسِ خِصَالٍ يَرْفَعُ عَنْهُ ضِيْقَ الْمَوْتِ وَعَذَابَ الْقَبْرِ وَيُعْطِيْهِ اللّٰهُ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ وَيَمُرُّ عَلَى الصِّرَاطِ كَالْبَرْقِ وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ جس نے پانچوں نمازیں ادا کیں اللہ تعالیٰ اس کو پانچ چیزیں عنایت فرمائے گا (۱) موت کی سختی سے بچائے گا (۲) قبر کی تنگی اور عذاب سے محفوظ رکھے گا (۳) نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیگا (۴) پل صراط سے بجلی کی طرح گذر جائے گا (۵) جنت میں بلا حساب داخل ہوگا۔

بَابُ الْمَوَاقِيْتِ

(یہ) باب (نماز کے) اوقات (کے بیان) میں ہے

تشریح چونکہ نماز کے اوقات وجوب نماز کے اسباب ہیں اور سبب مسبب سے مقدم ہوتا ہے اس لئے نماز کے اوقات کا بیان مقدم کیا گیا۔ مواقیت، میقات کی جمع ہے۔ میقات وہ زمانہ یا وہ مکان ہے جس سے حد مقرر کی جائے جیسے مواقیت صلوٰۃ اور مواقیت احرام۔

اَوَّلُ وَقْتِ الْفَجْرِ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ الثَّانِيْ وَهُوَ الْمُعْتَرِضُ فِي الْاُفُقِ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ
فجر کا اول وقت جبکہ فجر ثانی طلوع ہو اور فجر ثانی وہ ہے جو افق میں چوڑان میں پھیلے اور فجر کا آخری وقت جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو
لِحَدِيْثِ اِمَامَةِ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهُ اَمَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْهَا فِي الْيَوْمِ الْاَوَّلِ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ
حدیث امامت جبریل کی وجہ سے کہ جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو پہلے دن فجر کے طلوع ہونے کے وقت نماز پڑھائی
وَفِي الْيَوْمِ الثَّانِيْ حِيْنَ اَسْفَرَ جِدًّا وَكَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ ثُمَّ قَالَ فِيْ اٰخِرِ الْحَدِيْثِ مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ
اور دوسرے دن اس وقت جبکہ خوب سفیدی ہوگئی اور سورج نکلنے کے قریب ہو گیا۔ پھر آخر حدیث میں کہا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان جو ہے
وَقْتٌ لَكَ وَلِاُمَّتِكَ وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْفَجْرِ الْكَاذِبِ وَهُوَ الْبَيَاضُ الَّذِيْ يَبْدُوْ طُوْلًا
وہ وقت ہے آپ کیلئے اور آپ کی امت کیلئے۔ اور صبح کاذب کا اعتبار نہیں اور وہ ایسی سفیدی ہے جو دراز ہو کر ظاہر ہوتی ہے
ثُمَّ يَعْقُبُهُ الظَّلَامُ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَغُرَّنَّكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيْلُ
پھر اس کے بعد تاریکی آجاتی ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ بلالؓ کی اذان تم کو دھوکہ نہ دے اور نہ فجر مستطیل
وَاِنَّمَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيْرُ فِي الْاُفُقِ اَيِ الْمُنْتَشِرُ فِيْهَا
اور فجر تو وہی ہے جو افق میں مستطیر ہوتی ہے یعنی اس میں منتشر ہوتی ہے

پانچ نمازوں کے اوقات……فجر کا اول اور آخری وقت

تشریح: حدیث میں اگرچہ ظہر کا وقت مقدم ہے لیکن یہاں چند وجوہ سے فجر کو مقدم رکھا گیا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ فجر کا اول وقت اور آخر وقت چونکہ متفق علیہ ہے اس لئے اس کو مقدم کیا گیا، اس کے برخلاف دوسری نمازوں کے اوقات میں قدرے اختلاف ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فجر کی نماز سب سے پہلے دنیا کے سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدمؑ نے پڑھی ہے پس چونکہ فجر کی نماز سب سے پہلی نماز ہے اس لئے ذکر میں بھی اس کو مقدم کیا گیا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ فجر کی نماز دن کی پہلی نماز ہے اس لئے

اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ سونے والا جو میت کے مانند ہے اس پر سب سے پہلا عمل جو واجب ہوتا ہے وہ فجر کی نماز ہے اس لئے فجر کا وقت پہلے ذکر کیا گیا۔ (حاشیہ ملا عبد الغفور عنایہ)

بہر حال فجر کی نماز کا وقت فجر صادق سے شروع ہو کر طلوع آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔ فجر صادق وہ سفیدی ہے جو عرضاً افق پر پھیلتی ہے اور فجر کاذب وہ سفیدی ہے جو طولاً آسمان پر ظاہر ہوتی ہے پھر اس کے بعد تاریکی آجاتی ہے۔

عرب والے فجر کاذب کو ذَنَبُ السِّرْحَان (بھیڑیے کی دم) کہتے ہیں۔ فجر کے اول وقت اور آخر وقت کی دلیل حدیث امامت جبریل ہے۔ صاحب عنایہؒ نے پوری حدیث اس طرح بیان کی ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَمَّنِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ وَصَلّٰى بِالظُّهْرِ فِي الْيَوْمِ الْاَوَّلِ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَصَارَ الْفَيْءُ مِثْلَ الشِّرَاكِ وَصَلّٰى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ وَصَلّٰى بِيَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ وَصَلّٰى بِيَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلّٰى بِيَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ وَصَلّٰى بِيَ الظُّهْرَ فِي الْيَوْمِ الثَّانِيْ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَصَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ وَصَلّٰى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ وَصَلّٰى بِيَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ لِوَقْتِهِ بِالْاَمْسِ وَصَلّٰى بِيَ الْعِشَاءَ حِيْنَ مَضٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ اَوْقَالَ نِصْفُ اللَّيْلِ وَصَلّٰى بِيَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ وَاَسْفَرَ وَكَادَتِ الشَّمْسُ اَنْ تَطْلَعَ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ هٰذَا وَقْتُكَ وَوَقْتُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبریلؑ نے خانہ کعبہ کے پاس دو مرتبہ میری امامت کی اور پہلے دن میں مجھ کو ظہر پڑھائی جب کہ سورج ڈھل چکا تھا اور سایہ شراک (جوتے کا تسمہ) کے مثل تھا اور عصر پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل (برابر) تھا اور مغرب پڑھائی جب کہ سورج ڈوب چکا تھا اور عشاء پڑھائی جبکہ شفق (آسمان کی سرخی) غائب ہوئی اور فجر پڑھائی جبکہ فجر طلوع ہوئی۔ پھر دوسرے دن ظہر پڑھائی جبکہ آفتاب ڈھل چکا اور ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل تھا اور عصر پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل تھا اور مغرب پڑھائی جبکہ سورج غائب ہو گیا اسی وقت میں جس وقت میں کل گذشتہ پڑھائی تھی اور عشاء پڑھائی جبکہ تہائی رات گزر گئی یا آپ نے فرمایا کہ آدھی رات گزر گئی اور فجر پڑھائی جبکہ اسفار ہو گیا اور سورج نکلنے کے قریب ہو گیا۔ پھر جبریل نے کہا اے محمد ﷺ یہ تیرا وقت ہے اور تجھ سے پہلے انبیاء کا وقت ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ فجر کی نماز میں صبح صادق معتبر ہے صبح کاذب معتبر نہیں ہے دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے تہجد یا سحری کھانے کے لئے اذان دیا

کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح صادق طلوع ہونے کے بعد نماز فجر کیلئے اذان دیتے تھے اس پر حضور ﷺ نے فرمایا لَا یَغُرَّنَّکُمْ اَذَانُ بِلَالٍ وَ لَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِیْلُ یعنی بلال کی اذان تم کو دھوکہ نہ دے یعنی بلال کی اذان سے یہ گمان نہ کرو کہ فجر کی نماز کا وقت داخل ہو گیا کیونکہ وہ فجر کے لئے نہیں ہے بلکہ تہجد یا سحور کیلئے ہے اور نہ فجر مستطیل دھوکے میں ڈالے۔ فجر مستطیل یعنی فجر کاذب وہ سفیدی جو دراز ہو کر آسمان میں پھیلتی ہے۔

وَاَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ لِاِمَامَةِ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْيَوْمِ الْاَوَّلِ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ
اور ظہر کا اول وقت جبکہ سورج ڈھل جائے کیونکہ جبریل علیہ السلام نے پہلے دن اس وقت امامت کرائی جبکہ سورج ڈھل گیا
وَاٰخِرُ وَقْتِهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ سِوٰى فَيْءِ الزَّوَالِ
اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظہر کا آخری وقت جبکہ ہر چیز کا سایہ سایۂ زوال (سایہ اصلی) کے علاوہ، اس کے دو مثل ہو جائے
وَقَالَا اِذَا صَارَ الظِّلُّ مِثْلَهٗ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ فَيْءُ الزَّوَالِ هُوَ الْفَيْءُ
اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے اور یہی ایک روایت امام ابوحنیفہؒ سے ہے اور فی ءِ زوال وہ سایہ ہے
الَّذِيْ يَكُوْنُ لِلْاَشْيَاءِ وَقْتَ الزَّوَالِ لَهُمَا اِمَامَةُ جِبْرِيْلَ فِي الْيَوْمِ الْاَوَّلِ لِلْعَصْرِ فِيْ هٰذَا الْوَقْتِ
جو زوال کے وقت اشیاء کا ہوتا ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل جبریل علیہ السلام کا عصر کیلئے پہلے دن اس وقت میں امامت کرنا ہے
وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ
اور ابوحنیفہؒ کی دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ظہر کے ٹھنڈے وقت میں پڑھو اس لئے کہ شدت حرارت جہنم کی شدت حرارت سے ہے
وَاَشَدُّ الْحَرِّ فِيْ دِيَارِهِمْ فِيْ هٰذَا الْوَقْتِ وَاِذَا تَعَارَضَتِ الْاٰثَارُ لَا يَنْقَضِي الْوَقْتُ بِالشَّكِّ
اور گرمی کی شدت صحابہؓ کے دیار میں اس وقت میں ہوتی ہے اور جب آثار متعارض ہوئے ہوئے تو وقت شک کی وجہ سے خارج نہ ہوگا

ظہر کا ابتدائی اور آخری وقت

تشریح: صاحب عنایہؒ نے محمد بن شجاعؒ کے حوالہ سے فی ءِ زوال دریافت کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے کہ اولاً زمین کو اس قدر ہموار کیا جائے کہ اس میں بال برابر نشیب و فراز نہ رہے پھر اس جگہ ایک لکڑی گاڑی جائے اور جہاں تک سایہ پہنچے وہاں ایک نشان لگا دیا جائے پس جب تک سایہ گھٹتا رہے گا تو وہ زوال سے پہلے کا وقت ہے اور جب اس لکڑی کا سایہ ٹھہر جائے نہ گھٹے اور نہ بڑھے تو وہ وقت استواء اور نصف النہار ہے۔ پس اس وقت جو سایہ ہوگا وہ فی ءِ زوال اور سایہ اصلی کہلائے گا اور جب سایہ بڑھنے لگا تو سمجھ لو کہ سورج ڈھل گیا اور ظہر کی نماز کا وقت شروع ہو گیا۔

بہر حال ظہر کا اول وقت زوال کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے پہلے دن ظہر کی نماز اسی وقت میں پڑھائی ہے۔ ظہر کے آخر وقت کے بارے میں علمائے احناف باہم مختلف ہو گئے چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں تین روایات ہیں۔ ایک روایت جس کو امام محمدؒ نے روایت کیا یہ ہے کہ جب سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو چند ہو گیا تو ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہو گیا ہے۔ یہی روایت امام اعظمؒ کا مذہب ہے۔

دوسری روایت جس کو حسن بن زیادؒ نے روایت کیا یہ ہے کہ جب سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل یعنی اس چیز کے برابر ہو گیا تو ظہر کا وقت نکل گیا اور عصر کا وقت شروع ہو گیا یہی صاحبینؒ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔

تیسری روایت جس کو اسد بن عمرؒ اور علی بن جعدؒ نے روایت کیا یہ ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ سایہ اصلی کے علاوہ اس کے ایک مثل ہو گیا تو ظہر کا وقت ختم ہو گیا لیکن عصر کا وقت شروع نہیں ہوا بلکہ عصر کا وقت اس وقت داخل ہوگا جب کہ سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو چند ہو جائے پس اس روایت کی بنا پر ظہر اور عصر کے درمیان وقت مہمل ہوگا جیسا کہ فجر اور ظہر کے درمیان وقت مہمل ہے (عنایہ)۔

یہاں قدوری کی عبارت میں ذرا سا جھول ہے وہ یہ کہ امام قدوریؒ نے کہا کہ امام صاحبؒ کے نزدیک ظہر کا آخر وقت یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو چند ہو جائے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک مثل ہو جائے حالانکہ اس وقت میں ظہر کا وقت نکل جاتا ہے لہٰذا اس کے آخر وقت ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آخر سے مراد وہ وقت ہے جس سے ظہر کے وقت کا نکلنا متحقق ہو جائے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے عصر کی نماز پہلے دن اس وقت پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل ہو گیا تھا پس معلوم ہوا کہ اس وقت عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے یعنی **اَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ** اس حدیث سے استدلال اس طور پر ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اور عرب کے شہروں میں سایہ ایک مثل ہونے کے وقت شدید گرمی پڑتی تھی پس ثابت ہوگا کہ آپ ﷺ نے ایک مثل کے بعد ہی ظہر پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اور جب ایک مثل کے بعد ظہر کا وقت باقی رہتا ہے تو ایک مثل کے بعد عصر کا وقت کیسے شروع ہو سکتا ہے۔

اور حدیث امامت جبریلؑ کا جواب علامہ ابن الہمامؒ نے یہ دیا کہ اوقات نماز کے سلسلہ میں یہ حدیث سب سے مقدم ہے اور جو حدیثیں اس کے مخالف ہیں وہ سب اس سے مؤخر ہیں اور مؤخر، مقدم کے لئے ناسخ ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ امامت جبریلؑ کی حدیث منسوخ ہے لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں ہوگی صاحب ہدایہؒ نے اس طور پر جواب دیا کہ حدیث امامت جبریلؑ اور حدیث **اَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ** میں تعارض واقع ہو گیا کیونکہ امامت جبریلؑ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم ہو گیا اور حدیث **اَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ** سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوا بلکہ باقی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ایک مثل پر ظہر کے وقت کا نکلنا

مشکوک ہے حالانکہ ایک مثل سایہ ہونے سے پہلے بالیقین ظہر کا وقت ثابت تھا اور قاعدہ ہے کہ جو چیز بالیقین ثابت ہو وہ شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتی لہٰذا ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جانے کے وقت چونکہ ظہر کے وقت کا نکلنا مشکوک ہے اس لئے نہیں نکلے گا۔

فائدہ:۔ زوال کے بعد سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار رکعت نماز پڑھی ہے جبکہ ان کو اپنے بیٹے اسماعیلؑ کے ذبح کرنے کا حکم کیا گیا تھا۔ چنانچہ پہلی رکعت حضرت اسماعیلؑ کا غم چلے جانے کے شکریہ میں تھی اور دوسری رکعت کے ذریعہ اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا گیا کہ اللہ نے حضرت اسماعیلؑ کے بدلے میں فدیہ (مینڈھا) اُتارا۔ اور تیسری رکعت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی وجہ سے جبکہ حضرت ابراہیمؑ کو **قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا** کی خبر دی گئی۔ اور چوتھی رکعت حضرت ذبیح پر حضرت اسماعیلؑ کے صبر کرنے کی وجہ سے تھی۔ یہ نماز حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے بطور نفل تھی لیکن اُمت مرحومہ پر فرض کی گئی۔ (عنایہ)۔

وَاَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ اِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَغْرُبِ الشَّمْسُ
اور عصر کا اول وقت جبکہ ظہر کا وقت دونوں قولوں پر نکل جائے اور عصر کا آخر وقت جب تک کہ آفتاب غروب نہ ہو
لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَهَا
اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت پالی تو اس نے عصر پالی

عصر کا ابتدائی اور آخری وقت

تشریح: عصر کا اول وقت، ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے خواہ ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہو جیسا کہ امام صاحبؒ کا مذہب ہے خواہ ایک مثل پر ختم ہو جیسا کہ صاحبینؒ کا مذہب ہے۔ اور عصر کا آخر وقت غروب آفتاب سے پہلے تک ہے۔ دلیل حدیث ابو ہریرہؓ ہے۔ **قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الْعَصْرَ** (صحیحین) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے طلوع آفتاب سے پہلے صبح کی ایک رکعت پائی تو اس نے صبح کو پالیا اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پائی اس نے عصر کو پالیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ حسن بن زیادؒ کا خیال ہے کہ عصر کا وقت اصفرار شمس تک باقی رہتا ہے اس کے بعد باقی نہیں رہتا۔ اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث **اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ وَقْتُ الْعَصْرِ مَالَمْ يَصْفَرَّ الشَّمْسُ** سے استدلال کرتے ہیں یعنی نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ آفتاب زرد نہ ہو جائے۔ لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں وقتِ مستحب کا بیان ہے نہ کہ وقتِ جواز کا لہٰذا یہ حدیث حدیث ابی ہریرہؓ کے معارض نہ ہوگی حدیث ابی ہریرہؓ سے ثابت ہوا کہ جس نے

عصر کی ایک رکعت پڑھی پھر سلام سے پہلے وقت نکل گیا تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور اگر صبح کی نماز میں ایک رکعت کے بعد سورج نکل آیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز باطل ہوگئی یعنی آفتاب طلوع ہونے کے بعد قضاء پڑھے ہے اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک باطل نہیں ہوئی بلکہ اسی کو پوری کرے ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ابی ہریرہؓ ہے۔

ہماری طرف سے اس حدیث کا جواب شیخ الادبؒ نے یہ لکھا ہے کہ **فَقَدْ اَدْرَکَ الصُّبْحَ** کے معنی ہیں **فَقَدْ اَدْرَکَ وَقْتَ الصُّبْحِ** یعنی اگر کوئی شخص نماز کا اہل نہیں تھا پھر ایسے وقت میں نماز کا اہل ہوا جبکہ ایک رکعت کی مقدار وقت باقی رہ گیا تو اس پر نماز واجب ہوگی مثلاً کافر مسلمان ہوگیا، یا بچہ بالغ ہوگیا، یا حائضہ پاک ہوگئی۔ یہ بات واضح رہے کہ ایک رکعت کا بیان محض فہمائش کیلئے ہے ورنہ خواہ ایک رکعت کا وقت پایا ہو یا تھوڑا پایا ہو دونوں صورتوں میں اس پر یہ نماز لازم ہوگی۔

فائدہ: عصر کی نماز سب سے پہلے حضرت یونسؑ نے پڑھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عصر کے وقت چار ظلمتوں سے نجات عطا فرمائی (۱) لغزش کی ظلمت (۲) رات کی ظلمت (۳) پانی کی ظلمت (۴) مچھلی کے پیٹ کی ظلمت۔ حضرت یونسؑ نے چار رکعتیں تطوعاً بطور شکرانہ ادا کی لیکن امت مرحومہ پر فرض کردی گئی۔

وَاَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّؒ
اور مغرب کا اول وقت جبکہ سورج چھپ جائے اور مغرب کا آخر وقت جب تک کہ شفق غائب نہ ہو جائے۔ اور امام شافعیؒ نے کہا
مِقْدَارُ مَايُصَلِّيْ فِيْهِ ثَلٰثَ رَكَعَاتٍ لِاَنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَمَّ فِيْ يَوْمَيْنِ فِيْ وَقْتٍ وَّاحِدٍ وَلَنَا
کہ اتنی مقدار کہ جس میں تین رکعات نماز پڑھ لے کیونکہ جبرئیل علیہ السلام نے ایک ہی وقت میں دونوں دن امامت کی۔ اور ہماری دلیل
قَوْلُهٗ عليه السَّلَامُ اَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ حِيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا حِيْنَ يَغِيْبُ الشَّفَقُ
حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مغرب کا اول وقت جس وقت آفتاب چھپ جائے اور مغرب کا آخر وقت جبکہ شفق غائب ہو جائے
وَمَا رَوَاهُ كَانَ لِلتَّحَرُّزِ عَنِ الْكَرَاهَةِ ثُمَّ الشَّفَقُ هُوَ الْبَيَاضُ الَّذِيْ فِي الْاُفُقِ بَعْدَ الْحُمْرَةِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَؒ
اور جس حدیث کو امام شافعیؒ نے روایت کیا وہ کراہت سے بچنے کی وجہ سے تھا پھر شفق امام صاحبؒ کے ہاں وہ سفیدی ہے جو افق میں سرخی کے بعد ہوتی ہے۔
وَعِنْدَهُمَا هُوَ الْحُمْرَةُ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَؒ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّؒ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ
اور صاحبینؒ کے نزدیک شفق سرخی ہے اور یہ ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ
اَلشَّفَقُ الْحُمْرَةُ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَؒ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاٰخِرُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ اِذَا اسْوَدَّ الْاُفُقُ
اَلشَّفَقُ الْحُمْرَةُ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مغرب کا آخر وقت جبکہ افق سیاہ پڑ جائے

وَمَا رَوَاهُ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ عُمَرَؓ ذَكَرَهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّا وَفِيْهِ اخْتِلَافُ الصَّحَابَةِؓ

اور وہ حدیث جو (صاحبینؒ) نے روایت کی، ابن عمرؓ پر موقوف ہے۔ امام مالکؒ نے اس کو مؤطا میں ذکر کیا اور اس میں صحابہؓ کا اختلاف ہے

مغرب کا اول اور آخری وقت

تشریح:۔ مغرب کا وقت سورج ڈوبنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور غروب شفق تک باقی رہتا ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مغرب کا صرف اتنا وقت ہے جس میں تین رکعت ادا کی جائیں اور یہی امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ امام غزالیؒ نے کہا کہ مغرب کے وقت میں امام شافعیؒ سے دو قول منقول ہیں ایک یہ کہ مغرب کا وقت غروب شفق تک ممتد ہوتا ہے یہی قول امام احمدؒ بن حنبلؒ کا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ غروب کے بعد اگر وضو، اذان، اقامت اور پانچ رکعت کی مقدار وقت گذر گیا تو سمجھ لو کہ مغرب کا وقت ختم ہو گیا یعنی مغرب کا وقت صرف اتنا ہے جس میں وضو، اذان، اقامت کے بعد پانچ رکعت پڑھ سکے۔ اور حلیہ میں کہا کہ صرف اتنا ہے جس میں تین رکعت پڑھ سکے۔ مصنف ہدایہؒ نے اسی کو ذکر کیا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل حدیث امامت جبرئیلؑ ہے یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مغرب کی نماز دونوں دن ایک ہی وقت میں پڑھائی تھی۔ لہٰذا اگر مغرب کی نماز کا وقت دراز ہوتا جس میں اول و آخر ہوتا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام دونوں دن ایک ہی وقت میں نماز نہ پڑھاتے۔ ہماری دلیل حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ **اَوَّلُ الْمَغْرِبِ حِيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ وَآخِرُهُ حِيْنَ يَغِيْبُ الشَّفَقُ** ہے اور رہا جبرئیل علیہ السلام کا دونوں دن ایک ہی وقت میں نماز پڑھانا تو وہ کراہت سے احتراز کی وجہ سے تھا کیونکہ مغرب کو آخر وقت تک مؤخر کرنا مکروہ ہے۔

واضح ہو کہ شفق کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ شفق وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد افق پر آتی ہے یہی قول صدیق اکبر، معاذ، انس، ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ اور صاحبینؒ نے کہا کہ اس سرخی کا نام شفق ہے۔ یہی ایک روایت امام ابو حنیفہؒ سے ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول **اَلشَّفَقُ الْحُمْرَةُ** ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے: **اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ وَآخِرُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ اِذَا اسْوَدَّ الْاُفُقُ** حضور ﷺ نے فرمایا کہ مغرب کا آخر وقت جبکہ افق سیاہ پڑ جائے اور یہ بات ظاہر ہے کہ افق پر سفیدی کے بعد سیاہی آتی ہے پس ظاہر ہوا کہ سفیدی تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور حدیث میں شفق سے مراد سفیدی ہے۔ اور حدیث **اَلشَّفَقُ الْحُمْرَةُ** حضرت عبداللہ بن عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر موقوف ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے اپنی مؤطا میں اس کو ذکر کیا ہے اور حدیث موقوف حجت نہیں ہوتی اس لئے یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہوگی اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ حدیث مرفوع ہے تو ہم جواب دیں گے کہ اس حدیث کی مراد میں صحابہؓ کا اختلاف ہے چنانچہ بعض نے کہا کہ شفق سے مراد سفیدی ہے اور بعض نے کہا کہ سرخی مراد ہے اور حدیث مرفوع اگر اس میں صحابہؓ کا اختلاف ہو تو وہ بھی قابل استدلال نہیں ہوتی۔

فائدہ:۔ مغرب کی نماز سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پڑھی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اور آپ نے یہ نماز غروب کے بعد پڑھی تھی۔ پہلی رکعت اپنی ذات سے الوہیت کی نفی کرنے کے لئے تھی اور دوسری رکعت اپنی والدہ سے الوہیت کی نفی کرنے کے لئے تھی اور تیسری رکعت اللہ تعالیٰ کے واسطے الوہیت ثابت کرنے کے لئے تھی۔

وَاَوَّلُ وَقْتِ الْعِشَاءِ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ
اور عشاء کا اول وقت جبکہ شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخر وقت جب تک کہ فجر طلوع نہ ہو کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے
وَاٰخِرُ وَقْتِ الْعِشَاءِ حِيْنَ لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِيْ تَقْدِيْرِهٖ بِذَهَابِ ثُلُثِ اللَّيْلِ
اور عشاء کا آخر وقت جس وقت کہ فجر طلوع نہ ہو اور یہ حدیث امام شافعیؒ کے خلاف تہائی رات گذرنے کے ساتھ اندازہ لگانے میں حجت ہے

عشاء کا اول اور آخری وقت

تشریح: عشاء کا اول وقت شفق چھپنے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے اور آخر وقت جب تک کہ صبح صادق نہ ہو۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تہائی رات گذرنے تک عشاء کا وقت باقی رہتا ہے۔

ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ وَ آخِرُ وَقْتِ الْعِشَاءِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کا وقت صبح صادق تک باقی رہے گا۔ امام شافعیؒ کا مستدل حدیث امامت جبرئیل ہے کیونکہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کا آخر وقت تہائی رات تک ہے لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب وقت ظہر کے ذیل میں گذر چکا ملاحظہ فرمائیے۔

فائدہ:۔ عشاء کی نماز سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پڑھی ہے (عنایہ)۔

وَاَوَّلُ وَقْتِ الْوِتْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَآخِرُهٗ مَالَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْوِتْرِ
اور وتر کا اول وقت عشاء کے بعد ہے اور اس کا آخر وقت جب تک کہ فجر طلوع نہ ہو کیونکہ وتر کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے

فَصَلُّوْهَا مَابَيْنَ الْعِشَاءِ اِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ هٰذَا عِنْدَهُمَا وَعِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ
کہ اس کو عشاء اور صبح صادق کے درمیان پڑھو۔ مصنفؒ نے کہا کہ یہ صاحبینؒ کے نزدیک ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک
وَقْتُهٗ وَقْتُ الْعِشَاءِ اِلَّا اَنَّهٗ لَا يُقَدَّمُ عَلَيْهِ عِنْدَ التَّذْكِيْرِ لِلتَّرْتِيْبِ
وتر کا وقت عشاء کا وقت ہے مگر یہ کہ یاد ہونے کی حالت میں وتر کو عشاء پر مقدم نہ کیا جائے ترتیب (کے واجب ہونے) کی وجہ سے

وتر کا اول اور آخری وقت

تشریح: وتر کے اول وقت میں اختلاف ہے چنانچہ صاحبینؒ کے نزدیک عشاء کی نماز کے بعد سے وتر کا وقت شروع ہوتا ہے اور صبح صادق کے طلوع ہونے تک باقی رہتا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشاء کا وقت ہی وتر کا وقت ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: **قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِىَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ وَهِىَ الْوِتْرُ فَجَعَلَهَا لَكُمْ فِيْمَا بَيْنَ الْعِشَاءِ اِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ** حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز کا اضافہ کیا ہے وہ تمہارے لئے سرخ رنگ کے اونٹوں سے بھی بہتر ہے اور وہ وتر کی نماز ہے اس کو عشاء اور صبح صادق کے درمیان رکھا ہے۔ (فتح القدیر)

صاحب ہدایہؒ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا **فَصَلُّوْهَا مَابَيْنَ الْعِشَاءِ اِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ** کہ عشاء اور صبح صادق کے درمیان اس کو پڑھو۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وتر عملاً فرض ہے اور وقت اگر دو واجب نمازوں کو جمع کرے تو ان دونوں نمازوں کا ایک ہی وقت ہوتا ہے جیسے فائتہ اور وقتیہ۔ حضرت امام صاحبؒ پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اگر دونوں کا ایک وقت ہے تو وتر کو عشاء پر مقدم کرنا جائز ہونا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے جواب: یاد ہونے کی حالت میں مقدم کرنا اس لئے جائز نہیں کہ وتر اور عشاء میں ترتیب واجب ہے چنانچہ اگر وتر کی نماز عشاء سے پہلے عمداً پڑھی تو بالاتفاق وتر کا اعادہ ضروری ہوگا۔ اور اگر عشاء کی نماز بھول گیا اور وتر کی نماز پڑھ لی پھر عشاء کی نماز یاد آ گئی تو امام صاحبؒ کے نزدیک وتر کا اعادہ نہ کرے کیونکہ نسیان ترتیب کو ساقط کر دیتا ہے۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک اعادہ کرے گا کیونکہ صاحبینؒ کے نزدیک وتر عشاء کی سنت ہے جیسے عشاء کے بعد دو رکعتیں سنت ہیں پس اگر وہ دو رکعتیں عشاء پر مقدم کر دی گئیں تو جائز نہیں عمداً ہو یا نسیاناً ایسے ہی وتر کو عشاء پر مقدم کرنا جائز نہیں نہ عمداً اور نہ نسیاناً۔

فَصْل

(یہ) فصل (مستحب اوقات کے بیان میں) ہے

وَيُسْتَحَبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ

اور فجر کی نماز میں اسفار کرنا مستحب ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ فجر کی نماز اسفار میں پڑھو اس لئے کہ وہ ثواب کے اعتبار سے اعظم ہے

وَقَالَ الشَّافِعِیُّ يُسْتَحَبُّ التَّعْجِيْلُ فِیْ كُلِّ صَلٰوةٍ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَارَوَيْنَاهُ

اور امام شافعیؒ نے کہا کہ ہر نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے اور امام شافعیؒ کے خلاف حجت وہ حدیث ہے جسے ہم نے روایت کیا

وَمَا نَرْوِيْهِ وَالْاِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِی الصَّيْفِ وَتَقْدِيْمُهٗ فِی الشِّتَاءِ

اور (وہ حدیث ہے) جو ہم آئندہ روایت کریں گے۔ اور گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈک میں پڑھنا (مستحب ہے) اور سردی کے موسم میں اس کو مقدم کرنا

لِمَارَوَيْنَا وَلِرِوَايَةِ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ فِی الشِّتَاءِ

اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی اور روایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ جب سردی کا موسم ہوتا

بَكَّرَ بِالظُّهْرِ وَاِذَا كَانَ فِی الصَّيْفِ اَبْرَدَ بِهَا وَتَاْخِيْرُ الْعَصْرِ مَالَمْ تَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ

تو ظہر میں جلدی فرماتے اور جب گرمی ہوتی تو ظہر کو ٹھنڈک میں پڑھتے اور عصر کی سردی اور گرمی میں مؤخر کرنا (مستحب ہے)

فِی الصَّيْفِ وَالشِّتَاءِ لِمَا فِيْهِ مِنْ تَكْثِيْرِ النَّوَافِلِ لِكَرَاهَتِهَا بَعْدَهٗ

جب تک کہ سورج متغیر نہ ہو کیونکہ اس تاخیر میں نوافل کی زیادتی کا (موقع) ہے کیونکہ عصر کے بعد نوافل مکروہ ہیں

وَالْمُعْتَبَرُ تَغَيُّرُ الْقُرْصِ وَهُوَ اَنْ يَّصِيْرَ بِحَالٍ لَا تَحَارُ فِيْهِ الْاَعْيُنُ هُوَ الصَّحِيْحُ وَالتَّاْخِيْرُ اِلَيْهِ مَكْرُوْهٌ

اور معتبر سورج کی ٹکیہ کا متغیر ہونا ہے اور وہ یہ ہے کہ سورج ایسی حالت میں ہو جائے کہ اس میں آنکھیں نہ چندھیا ویں یہی صحیح ہے اور اس تک مؤخر کرنا مکروہ ہے

مستحب اوقات......فجر، ظہر اور عصر کا مستحب وقت

تشریح: گذشتہ اوراق میں نمازوں کے مطلق اوقات کا بیان تھا۔ اب یہاں سے وقت کامل اور ناقص کو ذکر کریں گے۔ چنانچہ دونوں میں سے ہر ایک کیلئے کے لئے علیحدہ فصل ذکر کی ہے پہلی فصل میں اوقات کاملہ یعنی اوقات مستحبہ کو بیان کیا ہے اور دوسری فصل میں اوقات ناقصہ یعنی اوقات مکروہہ کو بیان کیا ہے۔

احناف کے نزدیک صبح کی نماز اسفار (روشنی) میں پڑھنا مستحب ہے۔ اور اسفار کی حد یہ ہے کہ سفیدی پھیل جانے کے

بعد قراءت مسنونہ کے ساتھ نماز شروع کرے۔اس کے بعد اگر وضو وغیرہ کی ضرورت پیش آجائے تو اس کے لئے وضو کر کے سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز پڑھنا ممکن ہو۔حاصل یہ کہ نماز اسفار ہی میں شروع کی جائے اور اسفار ہی میں ختم کی جائے تو استحباب پر عمل ہوگا۔

امام طحاویؒ نے کہا کہ مستحب یہ ہے کہ نماز غلَس (اندھیرے) میں شروع کرے اور اسفار میں ختم کرے حاصل یہ کہ تطویل قراءت کے ذریعہ غلَس اور اسفار دونوں کو جمع کرے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ جلدی کرنا مستحب ہے اور جلدی یہ ہے کہ وقت کے نصف اول میں نماز ادا کرے۔

امام شافعیؒ حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے استدلال کرتے ہیں: **قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّفَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ** (بخاری و مسلم) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے تو عورتیں اپنی اوڑھنیوں میں لپٹی ہوئیں (اپنے گھروں کو) واپس ہوتیں تو غلَس کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

یہ حدیث اس بات پر شاہد ہے کہ حضور ﷺ غلَس میں نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے تھے دوسری دلیل حضور ﷺ کا قول **اَوَّلُ الْوَقْتِ رِضْوَانُ اللّٰهِ وَآخِرُهُ عَفْوُ اللّٰهِ** اور عفو تقاضا کرتا ہے تقصیر اور کوتاہی کا۔پس اس سے بھی ثابت ہوا کہ نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے نیز جب حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ **اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ** تو آپ ﷺ نے فرمایا **اَلصَّلٰوةُ لِاَوَّلِ وَقْتِهَا**۔

فقہاء احناف کی دلیل حضرت رافع بن خدیج کی حدیث **اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ** ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث میں اسفار کا امر فرمایا گیا ہے۔اور امر کا ادنیٰ مرتبہ ندب اور استحباب ہے اس لئے کہا گیا کہ فجر کی نماز کو اسفار میں ادا کرنا مستحب ہے۔اور رہی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس کو امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث عائشہؓ فعلی حدیث ہے اور **اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ** حدیث قولی ہے اور قول وفعل میں تعارض کے وقت قول کو ترجیح ہوتی ہے نہ کہ فعل کو۔

اور گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز ٹھنڈک میں ادا کرنا اور سردی کے موسم میں ظہر کو جلد ادا کرنا مستحب ہے دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم سابق میں روایت کر چکے یعنی **اَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ** اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بھی مُسْتَدَلٌ ہے۔چنانچہ بخاری میں پوری حدیث اس طرح ہے کہ خالد بن دینار کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے امیر نے جمعہ کی نماز پڑھائی پھر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا **كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ** یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ ظہر کی نماز کس طرح پڑھتے تھے تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ جب ٹھنڈ کا زمانہ ہوتا تو حضور ﷺ نماز ظہر جلدی ادا کرتے اور جب گرمی زیادہ ہوتی تو ٹھنڈک میں ادا کرتے۔

اور عصر کی نماز ہر موسم میں مؤخر کرنا مستحب ہے بشرطیکہ آفتاب متغیر نہ ہو۔ دلیل یہ ہے کہ عصر کو مؤخر کرنے میں نوافل کی زیادتی کا موقع ہے کیونکہ عصر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے لہٰذا عصر کی نماز کو تاخیر سے پڑھا جائے تا کہ عصر سے پہلے زیادہ سے زیادہ نوافل کی گنجائش باقی رہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ عصر کو جلدی ادا کرنا افضل ہے دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلَى الْعَوَالِي وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز پڑھتے تھے اور جانے والا عوالی مدینہ کی طرف چلا جاتا حالانکہ سورج بلند ہوتا۔ پس یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ عصر کی نماز جلدی ادا کی جائے۔

مگر ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ عوالی مدینہ دو تین میل کی دوری پر کہلاتا ہے اور میل سے وہی میل مراد ہے جو باب التیمم میں مذکور ہوا، اور یہ کوئی زیادہ مسافت نہیں ہے بلکہ عصر کی نماز تاخیر کے ساتھ پڑھ کر بھی اس قدر مسافت طے کی جاسکتی ہے پس یہ حدیث ہمارے خلاف حجت نہیں ہوگی۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ تغیر شمس سے مراد سورج کی ٹکیہ کا متغیر ہونا ہے اور وہ یہ ہے کہ سورج ایسی حالت میں ہو جائے کہ اس کو دیکھنے والے کی آنکھیں نہ چندھیائیں بلکہ اس پر نظر جم جائے یہی صحیح قول ہے۔

ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ تغیر شمس سے مراد اس روشنی کا متغیر ہونا ہے جو دیواروں پر پڑتی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ روشنی تو زوال کے بعد ہی سے متغیر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

صاحب عنایہؒ نے لکھا ہے کہ سورج کی ٹکیہ کا متغیر ہونا یہ ہے کہ سورج ایک نیزے کی مقدار سے کم ہو۔ اور اگر ایک نیزے کی مقدار پر قائم ہو تو تغیر قرص نہیں ہوا۔

مصنفؒ ہدایہ نے کہا کہ تغیر تک نماز مؤخر کرنا مکروہ ہے اس لئے اس سے پہلے ہی ادا کرنا مستحب ہے۔

وَيُسْتَحَبُّ تَعْجِيْلُ الْمَغْرِبِ لِاَنَّ تَاخِيْرَهَا مَكْرُوْهٌ لِمَا فِيْهِ مِنَ التَّشَبُّهِ بِالْيَهُوْدِ
اور مغرب کی نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے کیونکہ اس نماز کی تاخیر مکروہ ہے کیونکہ اس میں یہود کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے
وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَزَالُ اُمَّتِيْ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْمَغْرِبَ وَاَخَّرُوا الْعِشَاءَ
اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی جب تک کہ مغرب کو جلدی ادا کرتے رہیں گے اور عشاء کو تاخیر سے ادا کرتے رہیں گے

مغرب کا مستحب وقت

تشریح:۔ مسئلہ، مغرب کی نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے یعنی اذان اور اقامت کے درمیان کچھ فصل نہ کرے سوائے خفیف سی بیٹھک یا سکوت کے۔ دلیل یہ ہے کہ مغرب کی نماز کو مؤخر کرنا مکروہ ہے۔ اور تاخیر اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں یہود کے

ساتھ تَشَبُّہ لازم آتا ہے اس لئے کہ یہود مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھتے تھے۔

دوسری دلیل حضور ﷺ کا قول لَا تَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوْا الْمَغْرِبَ وَاَخَّرُوْا الْعِشَاءَ ہے۔

وَتَاخِیْرُ الْعِشَاءِ اِلٰی مَاقَبْلَ ثُلُثِ اللَّیْلِ لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَخَّرْتُ
اور عشاء کو تہائی رات سے پہلے تک مؤخر کرنا (مستحب ہے) کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر میں اپنی اُمت پر شاق نہ پاتا تو میں عشاء کو
الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ وَلِاَنَّ فِیْہِ قَطْعَ السَّمَرِ الْمَنْہِیِّ عَنْہُ بَعْدَہٗ وَقِیْلَ فِی الصَّیْفِ
تہائی رات تک مؤخر کرتا اور اس لئے کہ اس میں اس قصہ گوئی کو قطع کرنا ہے جس سے عشاء کے بعد منع کیا گیا ہے۔ اور کہا گیا کہ گرمی میں
تُعَجَّلُ کَیْلَا تَتَقَلَّلَ الْجَمَاعَۃُ وَالتَّاخِیْرُ اِلٰی نِصْفِ اللَّیْلِ مُبَاحٌ لِاَنَّ دَلِیْلَ الْکَرَاہَۃِ وَہُوَ تَقْلِیْلُ الْجَمَاعَۃِ
جلدی کی جائے تا کہ جماعت کی قلت نہ ہو جائے اور آدھی رات تک عشاء کو مؤخر کرنا مباح ہے کیونکہ دلیل کراہت کو اور وہ تقلیل جماعت ہے
عَارَضَہٗ دَلِیْلُ النَّدْبِ وَہُوَ قَطْعُ السَّمَرِ بِوَاحِدٍ فَیَثْبُتُ الْاِبَاحَۃُ اِلَی النِّصْفِ الْاَخِیْرِ وَ مَکْرُوْہٌ
دلیل ندب معارض ہوئی اور وہ کسی کے ساتھ باتیں کرنے کا انقطاع ہے۔ پس آدھی رات تک اباحت ثابت ہوگی اور (نصف اخیر تک مؤخر کرنا) مکروہ ہے
لِمَا فِیْہِ مِنْ تَقْلِیْلِ الْجَمَاعَۃِ وَقَدِ انْقَطَعَ السَّمَرُ قَبْلَہٗ
کیونکہ اس میں جماعت کی تقلیل ہے حالانکہ قصہ گوئی اس سے پہلے ہی منقطع ہو چکی ہے

عشاء کا مستحب وقت

تشریح عشاء کی نماز کو تہائی رات سے پہلے تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ اور شرح نقایہ میں ہے کہ تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَخَّرْتُ الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ الَّیْلِ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد قصہ گوئی شرعاً ممنوع ہے چنانچہ ارشاد ہے لَا سَمَرَ بَعْدَ الْعِشَاءِ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ عشاء کے بعد قصہ گوئی نہیں ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَکْرَہُ النَّوْمَ قَبْلَہَا وَالْحَدِیْثَ بَعْدَہَا یعنی حضور ﷺ عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ حاصل یہ کہ عشاء کے بعد باتیں کرنے اور قصہ گوئی سے منع کیا گیا ہے۔ اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنے میں اس کو منقطع کر دینا ہے اس لئے کہ جب تاخیر سے نماز پڑھے گا تو اس کے بعد فوراً سونے کی فکر ہوگی نہ کہ قصہ گوئی کی۔ اس لئے تہائی رات تک مؤخر کرنے کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔

بعض فقہاء نے کہا کہ گرمی کے موسم میں عشاء کی نماز کو جلد ادا کرنا مستحب ہے کیونکہ گرمی کے زمانے میں اگر عشاء کو مؤخر

کیا گیا تو تقلیلِ جماعت ہو جائے گی اس لئے کہ گرمی کے موسم میں رات چھوٹی ہوتی ہے لوگ جلدی ہی سو جاتے ہیں۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ عشاء کی نماز کو آدھی رات تک مؤخر کرنا مباح ہے دلیل یہ ہے کہ تاخیر اس اعتبار سے کہ جماعت میں کمی واقع ہو جائے گی مکروہ ہے اور اس اعتبار سے کہ قصہ گوئی بالکلیہ منقطع ہو جائے گی مندوب ہے پس چونکہ دلیلِ ندب اور دلیلِ کراہت میں تعارض واقع ہو گیا اس لئے دونوں ساقط ہو کر اباحت ثابت ہو جائے گی۔ اور نصف اخیر تک عشاء کو مؤخر کرنا مکروہ ہے کیونکہ دلیلِ کراہت اور تقلیلِ جماعت موجود ہے اور دلیل ندب اس کے معارض نہیں ہے کیونکہ قصہ گوئی تو اس سے پہلے ہی منقطع ہو چکی ہے پس دلیلِ ندب نہیں پائی گئی۔

وَيُسْتَحَبُّ فِي الْوِتْرِ لِمَنْ يَّأْلَفُ صَلٰوةَ اللَّيْلِ اٰخِرَ اللَّيْلِ فَاِنْ لَّمْ يَثِقْ بِالْاِنْتِبَاهِ
اور وتر میں آخر رات مستحب ہے اس شخص کیلئے جو رات کی نماز کو دوست رکھتا ہو پھر اگر اس کو جاگنے پر بھروسہ نہ ہو
اَوْتَرَ قَبْلَ النَّوْمِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ اٰخِرَ اللَّيْلِ
تو وہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو آخر رات میں نہ اٹھنے کا خوف ہو
فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهٗ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ يَّقُوْمَ اٰخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اٰخِرَ اللَّيْلِ
تو وہ اول رات میں وتر پڑھ لے اور جو آخر رات میں قیام کرنے کا طمع رکھتا ہو تو وہ آخر رات میں وتر پڑھے

وتر کا مستحب وقت

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جس کو تہجد کی نماز کی عادت ہے اور اس کو جاگنے پر بھروسہ بھی ہے تو اس کے حق میں مستحب یہ ہے کہ وتر کو تہجد کے بعد آخر رات میں پڑھے۔ اور اگر اس کو جاگنے پر بھروسہ نہیں ہے یا رات میں تہجد کی نماز کی عادت نہیں ہے تو یہ شخص سونے سے پہلے وتر پڑھ لے۔

صاحبؒ ہدایہ نے حدیث رسول اللہ ﷺ سے استدلال کیا ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ آخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهٗ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ يَّقُوْمَ آخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ.

وَاِذَا كَانَ يَوْمُ غَيْمٍ فَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْفَجْرِ وَالظُّهْرِ وَالْمَغْرِبِ تَاْخِيْرُهَا وَفِي الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ تَعْجِيْلُهَا
اور جب ابر کا دن ہو تو فجر، ظہر اور مغرب میں تاخیر نماز مستحب ہے اور عصر اور عشاء میں تعجیل نماز (مستحب) ہے
لِاَنَّ فِي تَاْخِيْرِ الْعِشَاءِ تَقْلِيْلَ الْجَمَاعَةِ عَلٰى اِعْتِبَارِ الْمَطَرِ وَفِي تَاْخِيْرِ الْعَصْرِ تَوَهُّمُ الْوُقُوْعِ فِي الْوَقْتِ الْمَكْرُوْهِ
کیونکہ بارش کے اعتبار کی وجہ سے عشاء کو مؤخر کرنے میں جماعت میں کمی کرنا ہوگا۔ اور عصر کو مؤخر کرنے میں وقت مکروہ میں وقوع کا وہم ہوگا۔

وَلَا تَوَهُّمَ فِي الْفَجْرِ لِاَنَّ تِلْكَ الْمُدَّةَ مَدِيْدَةٌ وَعَنْ اَبِي حَنِيْفَةَ التَّاخِيْرُ فِي الْكُلِّ لِلْاِحْتِيَاطِ
اور فجر میں کوئی وہم نہیں کیونکہ یہ مدت دراز ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے احتیاط کی وجہ سے تمام نمازوں میں تاخیر مروی ہے
اَلَا تَرٰى اَنَّهُ يَجُوْزُ الْاَدَاءُ بَعْدَ الْوَقْتِ لَا قَبْلُ
کیا نہیں دیکھتے کہ وقت کے بعد ادا کرنا جائز ہے نہ کہ وقت سے پہلے

ابر کے دن پانچوں نمازوں کے مستحب اوقات

تشریح: سابق میں ان اوقات مستحبہ کا بیان تھا جبکہ مطلع صاف ہو اور اگر مطلع صاف نہ ہو بلکہ آسمان ابر آلود ہو تو اس صورت میں صاحب عنایہؒ نے ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ اَلْعَيْنُ مَعَ الْعَيْنِ یعنی ہر وہ نماز کہ جس میں لفظ عین ہو جیسے عصر اور عشاء تو اس میں ابر کے دن عجلت کی جائے اور ان دونوں کے علاوہ باقی نمازوں میں تاخیر مستحب ہے۔ ابر کے دن عشاء میں جلدی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایسی حالت میں عشاء کی نماز کو مؤخر کیا گیا تو جماعت میں کمی واقع ہوگی اور بارش کی وجہ سے لوگ سستی کریں گے اور رخصت پر عمل کریں گے کیونکہ جب بارش کا دن ہوتا تو حضور ﷺ اذان کے بعد اعلان کرا دیتے کہ اَلَا صَلُّوْا فِيْ رِحَالِكُمْ خبردار ہو جاؤ کہ اپنے اپنے ٹھکانے پر نماز پڑھ لو۔

اور عصر میں تعجیل کی وجہ یہ ہے کہ عصر کو مؤخر کرنے میں مکروہ وقت میں نماز واقع ہونے کا وہم ہے کیونکہ عصر کا آخر وقت مکروہ ہے اس لئے عصر کی نماز میں تعجیل مستحب ہے اس کے برخلاف فجر کی نماز کہ اس میں یہ وہم نہیں ہے کیونکہ فجر کی نماز کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک دراز ہے لہٰذا فجر کی نماز کو مؤخر کرنے کے باوجود طلوع شمس کے وقت نماز واقع ہونے کا وہم نہیں ہوگا اس وجہ سے ابر کے دن فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے۔ اور ظہر اور مغرب میں تاخیر اس لئے مستحب ہے کہ ابر کے دن اگر ان کو جلدی ادا کیا گیا تو وقت سے پہلے ادائے نماز کا امکان ہے درآنحالیکہ وقت سے پہلے نماز ادا نہیں ہوتی اس لئے ان میں تاخیر کو مستحب قرار دیا گیا۔

حسن بن زیادؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی کہ ابر کے دن احتیاط اسی میں ہے کہ تمام نمازوں میں تاخیر کی جائے کیونکہ جلدی کرنے میں وقت سے پہلے نماز واقع ہونے کا احتمال ہے اور تاخیر میں وقت کے بعد واقع ہونے کا احتمال ہے۔ اور یہ بات مُسلّم ہے کہ وقت کے بعد نماز ادا کرنا جائز ہے گو قضا ہو۔ لیکن وقت سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں ہے نہ اداءً اور نہ قضاءً۔ جمیل عفی عنہ۔

فَصْلٌ فِی الْاَوْقَاتِ الَّتِیْ تُکْرَہُ فِیْهَا الصَّلٰوۃُ

یہ فصل ان اوقات (کے بیان) میں ہے جن میں نماز مکروہ ہے

لَا تَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ قِیَامِهَا فِی الظَّهِیْرَۃِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِهَا لِحَدِیْثِ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ

نماز آفتاب طلوع ہونے کے وقت جائز نہیں اور نہ دوپہر میں آفتاب کے قیام کے وقت اور نہ غروب آفتاب کے وقت کیونکہ عقبہ بن عامرؓ

قَالَ ثَلَاثَةُ اَوْقَاتٍ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نُصَلِّیَ وَاَنْ نَقْبُرَ فِیْهَا مَوْتَانَا

کی حدیث ہے فرمایا کہ تین اوقات ہیں جن میں حضور ﷺ نے ہمیں نماز پڑھنے اور اپنے مردے دفن کرنے سے منع فرمایا ہے

عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ حَتّٰی تَرْتَفِعَ وَعِنْدَ زَوَالِهَا حَتّٰی تَزُوْلَ

طلوع آفتاب کے وقت یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے اور زوال آفتاب کے وقت یہاں تک کہ وہ ڈھل جائے

وَحِیْنَ تَضَیَّفُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰی تَغْرُبَ وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهٖ وَاَنْ نَقْبُرَ صَلٰوۃُ الْجَنَازَۃِ

اور جس وقت کہ سورج غروب ہونے لگے یہاں تک کہ غروب ہو جائے، اور مصنفؒ کے قول وَاَنْ نَقْبُرَ سے مراد نماز جنازہ ہے

لِاَنَّ الدَّفْنَ غَیْرُ مَکْرُوْهٍ وَالْحَدِیْثُ بِاِطْلَاقِهٖ حُجَّةٌ عَلَی الشَّافِعِیِّ فِیْ تَخْصِیْصِ الْفَرَائِضِ وَبِمَکَّةَ

کیونکہ دفن کرنا مکروہ نہیں اور حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے فرائض اور مکہ کی تخصیص کرنے میں امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے

وَحُجَّةٌ عَلٰی اَبِیْ یُوْسُفَ فِیْ اِبَاحَةِ النَّفْلِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقْتَ الزَّوَالِ

اور ابو یوسفؒ کے خلاف جمعہ کے روز زوال کے وقت نفل نماز مباح قرار دینے میں حجت ہے

نماز کے مکروہ اوقات طلوع شمس، زوال شمس اور غروب شمس میں نماز پڑھنا ناجائز ہے

تشریح:۔ ماقبل میں وقت کی دو قسموں میں سے ایک کا بیان تھا یعنی اوقات مستحبہ کا اس فصل میں دوسری قسم یعنی اوقات مکروہہ کا بیان ہے۔ یہاں کراہت عام ہے جو جواز مع الکراہت اور عدم جواز دونوں کو شامل ہے۔ حاصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک طلوع آفتاب، نصف النہار اور غروب کے وقت نہ فرض نماز پڑھنا جائز ہے اور نہ نفل نماز، امام شافعیؒ نے کہا کہ ان اوقات میں تمام شہروں اور تمام جگہوں میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے اور مکۃ المکرمہ میں ان اوقات میں نوافل کی اجازت ہے (عنایہ)

صاحب فتح القدیرؒ نے لکھا ہے کہ ان اوقات میں مکۃ المکرمہ میں امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً نماز پڑھنا جائز ہے خواہ فرض ہو خواہ نفل ہو۔

اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن قیام شمس کے وقت نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل وہ

حدیث ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا ہے اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ نَھٰی عَنِ الصَّلَاۃِ نِصْفَ النَّھَارِ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ یعنی حضور ﷺ نے نصف النہار میں نماز پڑھنے سے منع کیا یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے مگر جمعہ کے دن۔ فرائض کے سلسلہ میں امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاۃٍ اَوْنَسِیَھَا فَلْیُصَلِّھَا اِذَا ذَکَرَھَا فَاِنَّ ذٰلِکَ وَقْتُھَا ہے۔ یعنی جو شخص نماز سے سو گیا یا اس کو بھول گیا تو اس کو پڑھے جس وقت اس کو یاد کرے کیونکہ یہی اس کا وقت ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان اوقات میں بھی فرض نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور ان اوقات میں مکۃ المکرمہ میں جواز نفل پر حدیث ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان اوقات میں نماز پڑھنے سے ممانعت کی گئی ہے سوائے مکہ کے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوْا اَحَداً طَافَ بِھٰذَا الْبَیْتِ وَصَلّٰی فِیْ اَیَّۃِ سَاعَۃٍ شَاءَ مِنْ لَیْلٍ اَوْنَھَارٍ اے بنی عبد مناف کسی کو اس گھر کا طواف کرنے اور نماز پڑھنے سے منع مت کرو جس وقت وہ چاہے رات میں یا دن میں۔ اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ مکۃ المکرمہ میں ہر وقت نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

ہماری دلیل حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے قَالَ ثَلَاثَۃُ اَوْقَاتٍ نَھَانَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ نُصَلِّیَ وَاَنْ نَقْبِرَ فِیْھَا مَوْتَانَا عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ حَتّٰی تَرْتَفِعَ وَعِنْدَ زَوَالِھَا حَتّٰی تَزُوْلَ وَحِیْنَ تَضَیَّفُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰی تَغْرُبَ حدیث عقبہ بن عامرؓ میں صلوٰۃ سے مراد عام ہے فرض ہو یا نفل، اور اَنْ نَقْبِرَ سے مراد نماز جنازہ ہے کیونکہ ان اوقات میں میت کو دفن کرنا مکروہ نہیں ہے۔ پس اب مطلب یہ ہوگا کہ حضور ﷺ نے ان اوقات میں مطلق نماز پڑھنے سے منع کیا ہے خواہ فرض ہو یا نفل اور نماز جنازہ سے منع کیا ہے پس یہ حدیث مطلق ہونے کی وجہ سے امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے خلاف حجت ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ استثناء منقطع ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ کے معنی ہیں وَلَا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اب معنی یہ ہوں گے کہ حضور ﷺ نے نصف النہار میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اور جمعہ کے دن بھی اس وقت میں نماز نہ پڑھے۔

اور امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث میں مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاۃٍ الخ کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے اوقات ثلثہ میں نماز کی اباحت ثابت ہوتی ہے اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اگر اباحت اور حرمت جمع ہو جائیں تو حرمت کو ترجیح ہوگی اس وجہ سے یہاں حدیث عقبہؓ راجح ہوگی۔

اور حدیث ابو ذرؓ کا جواب یہ ہے کہ اِلَّا بِمَکَّۃَ کے معنی ہیں وَلَا بِمَکَّۃَ، جیسے باری تعالیٰ کا قول اِلَّا خَطَأً کے معنی

وَلَا خَطَاً کے ہیں اس صورت میں یہ حدیث امام شافعیؒ کا مُسْتَدَلْ نہیں ہو سکتی، واللہ اعلم بالصواب۔

قَالَ وَلَا صَلٰوۃُ جَنَازَۃٍ لِمَا رَوَیْنَا وَلَا سَجْدَۃُ تِلَاوَۃٍ لِاَنَّھَا فِیْ مَعْنَی الصَّلٰوۃِ
فرمایا اور نہ نماز جنازہ (جائز ہے) اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی اور نہ سجدہ تلاوت کیونکہ سجدہ تلاوت بھی نماز کے معنی میں ہے
اِلَّا عَصْرَ یَوْمِہٖ عِنْدَ الْغُرُوْبِ لِاَنَّ السَّبَبَ ھُوَ الْجُزْءُ الْقَائِمُ مِنَ الْوَقْتِ لِاَنَّہٗ لَوْ تَعَلَّقَ بِالْکُلِّ
سوائے غروب کے وقت اسی دن کی عصر کے کیونکہ سبب وقت کا وہ جز ہے جو قائم ہے کیونکہ سبب اگر کل وقت کے ساتھ متعلق ہو
لَوَجَبَ الْاَدَاءُ بَعْدَہٗ وَلَوْ تَعَلَّقَ بِالْجُزْءِ الْمَاضِیْ فَالْمُؤَدِّیْ فِیْ اٰخِرِ الْوَقْتِ قَاضٍ
تو ادا کرنا وقت کے بعد واجب ہوگا اور اگر سبب اس جز کے ساتھ متعلق ہو جو گذر گیا تو آخر وقت میں ادا کرنے والا قضا کرنے والا ہوگا
وَاِذَا کَانَ کَذٰلِکَ فَقَدْ اَدَّاھَا کَمَا وَجَبَتْ بِخِلَافِ غَیْرِھَا مِنَ الصَّلَوَاتِ لِاَنَّھَا وَجَبَتْ کَامِلَۃً
اور جب ایسا ہے تو اس نے اسی طرح ادا کی جیسی واجب ہوئی تھی۔ بخلاف دوسری نمازوں کے اس لئے کہ وہ کامل واجب ہوئی تھیں
فَلَا تَتَاَدّٰی بِالنَّاقِصِ قَالَ وَالْمُرَادُ بِالنَّفْیِ الْمَذْکُوْرِ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ وَسَجْدَۃِ التِّلَاوَۃِ الْکَرَاھَۃُ
تو ناقص (وقت) کے ساتھ ادا نہ ہوں گی۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں نفی مذکور سے مراد کراہت ہے
حَتّٰی لَوْ صَلَّاھَا فِیْہِ اَوْ تَلَا سَجْدَۃً فِیْہِ وَسَجَدَھَا جَازَ لِاَنَّھَا اُدِّیَتْ نَاقِصَۃً
حتیٰ کہ اگر مکروہ وقت میں نماز جنازہ پڑھی یا اس میں آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا تو جائز ہے کیونکہ سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ ناقص ادا کر دی گئی
کَمَا وَجَبَتْ اِذِ الْوُجُوْبُ بِحُضُوْرِ الْجَنَازَۃِ وَالتِّلَاوَۃِ
جیسے واجب ہوئی تھی۔ اس لئے کہ وجوب جنازہ حاضر ہونے اور آیت سجدہ تلاوت کرنے سے ثابت ہوتا ہے

اوقات ثلاثہ میں نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کا حکم

تشریح:۔ مصنفؒ نے کہا کہ اوقات ثلاثہ میں نہ نماز جنازہ پڑھے اور نہ سجدہ تلاوت کرے دلیل وہ حدیث ہے جو سابق میں گذر چکی یعنی اَنْ نَقْبُرَ مَوْتَانَا، اور سجدہ تلاوت کے عدم جواز پر دلیل یہ ہے کہ سجدہ تلاوت نماز ہی کے معنی میں ہے بایں طور کہ جو شرطیں نماز میں ہیں طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ وغیرہ وہ سجدہ تلاوت میں بھی شرط ہیں پس جب سجدہ تلاوت نماز کے معنی میں ہے تو وہ اوقات ثلثہ میں نہی عن الصلوٰۃ کے تحت داخل ہوگا چنانچہ ارشاد ہے ثَلَاثَۃُ اَوْقَاتٍ نَھَانَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ نُصَلِّیَ فِیْھَا لیکن یہاں اشکال ہوگا وہ یہ کہ جب سجدہ تلاوت نماز کے ہم معنی ہے تو جس طرح قہقہہ لگا کر ہنسنے سے وضو اور نماز دونوں باطل ہو جاتے ہیں اسی طرح سجدہ تلاوت میں قہقہہ لگا کر ہنسنے سے وضو ٹوٹ جانا چاہیے۔ حالانکہ سجدہ تلاوت میں قہقہہ لگا کر

ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ جواب حدیث میں جس نماز میں قہقہہ کو ناقض وضو کہا گیا اس سے مراد تحریمہ اور رکوع سجدہ والی نماز ہے اور سجدہ تلاوت ایسا نہیں ہے اس لئے سجدہ تلاوت میں اگر قہقہہ لگایا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور ان اوقات ثلاثہ میں نماز پڑھنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے تا کہ سورج پوجنے والوں کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے۔

شیخ ابوالحسن قدوریؒ نے کہا کہ اوقات ثلاثہ میں مطلقاً نماز پڑھنا ممنوع ہے لیکن اسی دن کی عصر اس سے مستثنیٰ ہے یعنی اگر کسی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ غروب کا وقت ہو گیا تو وہ اس دن کی عصر کی نماز غروب کے وقت پڑھ سکتا ہے۔ لیکن دوسری کوئی نماز یا کسی دوسرے روز کی عصر کی نماز اگر اس وقت میں پڑھنا چاہے تو جائز نہیں ہے۔ دلیل سے پہلے چند باتیں ذہن نشین کر لیجئے۔

(۱) یہ کہ نماز کے اوقات اس کے واجب ہونے کا سبب ہوتے ہیں۔

(۲) یہ کہ سبب، مسبب سے مقدم ہوتا ہے۔

(۳) یہ کہ جیسا سبب ہوگا ویسا ہی مسبب واجب ہوگا یعنی سبب اگر کامل ہے تو مسبب بھی کامل واجب ہوگا اور اگر سبب ناقص ہے تو مسبب بھی ناقص واجب ہوگا۔

(۴) یہ کہ نماز اگر کامل واجب ہوئی تو کامل ادا کرنا ضروری ہوگا۔ اور اگر ناقص واجب ہوئی تو صفت نقصان کے ساتھ ادا کرنے سے بھی ادا ہو جائے گی۔ اب دلیل کا حاصل یہ ہوگا کہ جو شخص غروب آفتاب کے وقت عصر کی نماز ادا کرتا ہے تو اس کے سبب میں تین احتمال ہیں:۔

ایک یہ کہ پورے وقت کو سبب قرار دیا جائے۔ دوم یہ کہ وقت کا جو حصہ گذر چکا وہ سبب ہو، سوم یہ کہ جزء متصل بِالْاَدَاءِ سبب ہو۔ اول کے دو احتمال باطل ہیں اس لئے کہ اگر پورے وقت کو سبب مانا جائے تو وقت کے بعد نماز ادا کرنا واجب ہونا چاہیے کیونکہ مسبب، سبب سے مؤخر ہوتا ہے حالانکہ نماز وقت کے اندر واجب ہوتی ہے نہ کہ وقت کے بعد پس معلوم ہوا کہ پورا وقت وجوب صلوٰۃ کا سبب نہیں ہے۔

اور دوسرا احتمال اس لئے باطل ہے کہ اگر جزء ماضی یعنی گذرے ہوئے جز کو سبب مانا جائے تو جو شخص آخر وقت میں نماز پڑھے گا تو اس کو قضا کرنے والا کہنا چاہیے۔ حالانکہ اس کو قضا کرنے والا نہیں کہا جاتا۔ پس ثابت ہوا کہ جو جز ادائے صلوٰۃ کے متصل ہے وہ وجوب صلوٰۃ کا سبب ہے اور مسئلہ مذکورہ میں جز متصل بِالْاَدَاءِ وقت ناقص ہے اور سابق میں گذر چکا کہ وقت (سبب) اگر ناقص ہو تو نماز بھی ناقص ہی واجب ہوگی پس اس شخص پر جیسی نماز واجب ہوئی تھی ویسی ہی ادا کی ہے اس لئے ہم نے کہا کہ آج کی عصر غروب آفتاب کے وقت پڑھنا جائز ہے۔

اس کے برخلاف دوسری نمازیں جو اس روز کی عصر کے علاوہ ہوں وہ غروب کے وقت ادا کرنے سے ادا نہ ہوں گی کیونکہ وہ

نمازیں بصفت کمال واجب ہوئی تھیں لہٰذا ناقص وقت کے ساتھ ادا نہ ہوں گی۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں جو جواز کی نفی کی گئی اس سے کراہت مراد ہے یعنی یہ دونوں ان اوقات میں مکروہ ہیں حتی کہ اگر مکروہ وقت جنازہ آیا اور اسی مکروہ وقت میں نماز جنازہ پڑھ لی، یا مکروہ وقت میں آیت سجدہ تلاوت کر کے وقت مکروہ ہی میں سجدہ ادا کر دیا تو جائز ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ نماز جنازہ کے واجب ہونے کا سبب جنازہ کا حاضر ہونا ہے اور سجدہ تلاوت واجب ہونے کا سبب آیت سجدہ کی تلاوت کرنا ہے اور چونکہ یہ دونوں سبب وقت ناقص (وقت مکروہ) میں پائے گئے اس لئے نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت بھی ناقص ہی واجب ہوں گے پس یہ دونوں جیسے واجب ہوئے تھے ویسے ہی ادا کر دیئے اس لئے ادا ہو گئے۔ اس کے برخلاف فرائض کہ وہ ان اوقات ثلاثہ میں جائز نہیں ہیں۔

وَيُكْرَهُ اَنْ يَّتَنَفَّلَ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ لِمَارُوِيَ
اور فجر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو اور عصر کے بعد یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو کیونکہ روایت کیا گیا
اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ وَلَا بَاْسَ بِاَنْ يُّصَلِّيَ فِيْ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ الْفَوَائِتَ وَيَسْجُدَ لِلتِّلَاوَةِ
کہ حضور ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور ان دونوں وقتوں میں فوت شدہ نمازیں پڑھنے اور تلاوت کا سجدہ کرنے
وَيُصَلِّيَ عَلَى الْجَنَازَةِ لِاَنَّ الْكَرَاهَةَ كَانَتْ لِحَقِّ الْفَرْضِ لِيَصِيْرَ الْوَقْتُ كَالْمَشْغُوْلِ بِهٖ
اور جنازہ کی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ کراہت تو حق فرض کی وجہ سے تھی تاکہ پورا وقت گویا اسی وقت کے فرض میں مشغول ہو جائے
لَا لِمَعْنًى فِي الْوَقْتِ فَلَمْ تَظْهَرْ فِيْ حَقِّ الْفَرَائِضِ وَفِيْمَا وَجَبَ
نہ کہ کسی ایسے معنی کی وجہ سے جو وقت میں پائے جائیں پس (کراہت) ظاہر نہیں ہوگی فرائض کے حق میں اور ان چیزوں کے حق میں جو لذاتہ واجب ہیں جیسے سجدۂ تلاوت
لِعَيْنِهٖ كَسَجْدَةِ التِّلَاوَةِ وَظَهَرَ فِيْ حَقِّ الْمَنْذُوْرِ لِاَنَّهٗ تَعَلَّقَ وُجُوْبُهٗ بِسَبَبٍ
اور (نماز) نذر کے حق میں (کراہت) ظاہر ہوگی کیونکہ (نماز) نذر کا وجوب ایسے سبب کے ساتھ متعلق ہے جو نذر کرنے والے کی
مِنْ جِهَتِهٖ وَفِيْ حَقِّ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ وَفِي الَّذِيْ شَرَعَ فِيْهِ
جہت سے ہے اور طواف کی دو رکعتوں کے حق میں اور اسی (نماز) کے حق میں (کراہت ظاہر ہوگی)
ثُمَّ اَفْسَدَهٗ لِاَنَّ الْوُجُوْبَ لِغَيْرِهٖ وَهُوَ خَتْمُ الطَّوَافِ وَصِيَانَةُ الْمُؤَدّٰى عَنِ الْبُطْلَانِ
جس کو اس نے شروع کر کے فاسد کر دیا کیونکہ وجوب لغیرہ ہے اور وہ ختم طواف ہے اور مؤدّٰی کو باطل ہونے سے بچانا ہے

فجر اور عصر کے بعد نوافل کا حکم

تشریح: ۔ مسئلہ یہ ہے کہ فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک نوافل پڑھنا مکروہ ہے دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے۔ شَهِدَ عِنْدِيْ رِجَالٌ مَرْضِيُّوْنَ وَاَرْضَاهُمْ عِنْدِيْ عُمَرُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَشْرُقَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ مجھے بندگان حق پسندیدہ نے شہادت دی جن میں میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کے بعد نماز سے منع کیا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج چھپ جائے۔ (بخاری و مسلم)

لیکن حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس کو شیخین نے روایت کیا اس کے معارض ہے حدیث یہ ہے رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدَعُهُمَا سِرًّا وَلَا عَلَانِيَةً رَكْعَتَانِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ. یعنی دو رکعتیں ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نہیں چھوڑتے تھے نہ پوشیدہ اور نہ علانیہ، دو رکعتیں نماز صبح سے پہلے اور دو رکعتیں نماز عصر کے بعد۔ اور ایک روایت میں ہے مَاكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَاْتِيْنِيْ فِيْ يَوْمٍ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلَّا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ یعنی کبھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے بعد عصر مگر دو رکعتیں پڑھیں۔

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے بعد آپ ﷺ نے دو رکعتوں پر التزام کیا ہے...... جواب یہ ہے کہ عصر کے بعد دو رکعات آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے تھیں لہٰذا آپ ﷺ کی اُمت کے لئے ان کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ایک مرتبہ ظہر کے بعد عبدالقیس کے کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے ساتھ مشغولیت کی وجہ سے آپ ﷺ ظہر کے بعد کی دو رکعتیں نہیں پڑھ سکے تھے پس آپ ﷺ نے بطور تلافی یہ دو رکعتیں عصر کے بعد پڑھی تھیں اور چونکہ عادت شریفہ یہ تھی کہ جب آپ ﷺ کوئی عمل کرتے تو اس پر مداومت فرماتے اس لئے آپ ﷺ عصر کے بعد ہمیشہ دو رکعت پڑھتے رہے اور دوسروں کو ان دو رکعتوں سے منع فرماتے تھے۔

چنانچہ علامہ ابن الہمامؒ نے بخاری اور مسلم کے حوالہ سے پورا واقعہ اس طرح قلمبند کیا ہے عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ وَعَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ اَزْهَرَ وَمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ اَرْسَلُوْهُ اِلٰى عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوْا اِقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنَّا جَمِيْعًا وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَقُلْ بَلَغَنَا اَنَّكِ تُصَلِّيْنَهُمَا وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْهُمَا قَالَ كُرَيْبٌ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا فَاَخْبَرْتُهَا فَقَالَتْ سَلْ اُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا فَرَجَعْتُ اِلَيْهِمْ

فَاَخْبَرْتُهُمْ فَرَدُّوْنِیْ اِلٰی اُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی عَنْهُمَا ثُمَّ رَاَیْتُهٗ یُصَلِّیْهِمَا فَقِیْلَ لَهٗ فِیْ ذٰلِکَ فَقَالَ اِنَّهٗ اَتَانِیْ نَاسٌ مِنْ عَبْدِالْقَیْسِ بِالْاِسْلَامِ مِنْ قَوْمِهِمْ فَشَغَلُوْنِیْ عَنِ الرَّکْعَتَیْنِ اللَّتَیْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ وَهُمَا هَاتَانِ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مولیٰ کریب سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عباس، عبدالرحمٰن بن ازہر اور مسور بن مخرمہ نے مجھے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بھیجا کہ ہم سب کی طرف سے اُم المومنین کی خدمت میں سلام پہنچا اور عصر کے بعد کی دو رکعتوں کا حال دریافت کر اور عرض کر کہ ہم کو خبر پہنچی ہے کہ آپ ان کو پڑھا کرتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے منع فرمایا ہے، کریبؒ نے کہا کہ پھر میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں جا کر پیغام عرض کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ تو جا کر حضرت اُم سلمہؓ سے دریافت کر پس میں نے واپس ہو کر ان لوگوں کو خبر دی تو انہوں نے مجھے حضرت اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بھیجا پس حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے عصر کے بعد نماز سے ممانعت فرمائی۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں تو آپ ﷺ سے اس بارے میں عرض کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس عبدالقیس کے کچھ لوگ آ گئے اپنی قوم کی طرف سے اسلام لانے کے ساتھ تو ظہر کے بعد کی دو رکعتوں کے پڑھنے سے مجھے مشغول کر دیا اور یہ وہی دو رکعتیں ہیں (بخاری فی المغازی)

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ ان دو وقتوں میں یعنی فجر کے بعد اور عصر کے بعد قضا نمازیں پڑھنے، اور سجدہ تلاوت کرنے اور نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ فجر اور عصر کے بعد کراہت، فجر اور عصر کی نماز کی وجہ سے تھی تاکہ تمام وقت اسی وقت کے فرض میں مشغول ہو جائے پس چونکہ کراہت حقِ فرض کی وجہ سے تھی لہٰذا حقیقت فرض کے حق میں کراہت ظاہر نہیں ہو گی کیونکہ حقیقت فرض کے ساتھ وقت کو مشغول کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت حق فرض کے ساتھ مشغول کرنے کے۔ اس لئے فرائض کے حق میں اور جو اس کے ہم معنی ہے اس کے حق میں کراہت ظاہر نہیں ہو گی جیسے سجدۂ تلاوت اس لئے کہ سجدۂ تلاوت لذاتہ واجب ہے کیونکہ سجدۂ تلاوت کا وجوب بندے کے فعل پر موقوف نہیں ہے۔

اور دلیل اس کی یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت جس طرح آیت سجدہ تلاوت کرنے سے واجب ہوتا ہے اسی طرح آیت سجدہ سننے سے بھی واجب ہو جاتا ہے اگرچہ سننے کا ارادہ نہ کیا ہو لہٰذا سجدہ تلاوت واجب لذاتہ ہونے میں فرائض کے مانند ہو گیا۔

یہی حال نماز جنازہ کا ہے اس لئے کہ نماز جنازہ کا وجوب بھی بندے کے فعل پر موقوف نہیں ہے۔

البتہ فجر اور عصر کے بعد نذر کی ہوئی نماز میں کراہت ظاہر ہو گی کیونکہ نذر کی ہوئی نماز واجب لذاتہ نہیں ہے اس لئے کہ نذر کی نماز کا وجوب نذر کرنے والے کی طرف سے ہے۔

اور اسی طرح طواف کی دو رکعتوں میں بھی کراہت ظاہر ہو گی چنانچہ فجر اور عصر کے بعد ان کا ارادہ کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ ان

دو رکعتوں کا وجوب طواف کرنے کی وجہ سے ہوا، اور طواف کرنا اس کا اپنا فعل ہے لہٰذا طواف کی دو رکعتیں بھی واجب لذاتہ نہیں ہیں۔

اور اسی طرح اس نماز کے حق میں بھی کراہت ظاہر ہوگی جس کو شروع کر کے فاسد کر دیا مثلاً نماز نفل شروع کر کے فاسد کر دی پھر اگر فجر یا عصر کے بعد اس کی قضا کرنا چاہے تو مکروہ ہے کیونکہ یہ نماز بھی لذاتہ واجب نہیں ہے بلکہ جو نماز شروع کر کے فاسد کر دی اس کو بطلان سے بچانے کی وجہ سے واجب ہوئی ہے۔

وَيُكْرَهُ اَنْ يَتَنَفَّلَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِاَكْثَرَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ لِاَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
اور طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعتوں سے زائد نوافل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حضور ﷺ
لَمْ يَزِدْ عَلَيْهِمَا مَعَ حِرْصِهٖ عَلَى الصَّلٰوةِ
نے ان دو رکعتوں پر زیادہ نہیں کیا باوجودیکہ آپ ﷺ نماز کے بہت حریص تھے

صبح صادق کے بعد دو رکعتوں سے زائد نوافل مکروہ ہیں

تشریح صورت مسئلہ اور اس کی دلیل واضح ہے۔

وَ لَا يَتَنَفَّلُ بَعْدَ الْغُرُوْبِ قَبْلَ الْفَرْضِ لِمَا فِيْهِ مِنْ تَاخِيْرِ الْمَغْرِبِ وَ لَا اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ لِلْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ
اور غروب کے بعد فرض سے پہلے نفل نہ پڑھے کیونکہ اس میں مغرب کو مؤخر کرنا (لازم آتا) ہے اور نہ اس وقت جب امام جمعہ کے دن خطبہ کے لئے نکلے
اِلٰى اَنْ يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْاِشْتِغَالِ عَنِ اسْتِمَاعِ الْخُطْبَةِ .
یہاں تک کہ وہ خطبہ سے فارغ ہو کیونکہ اس میں خطبہ کی طرف کان لگا کر سننے سے اعراض کر کے دوسرے کام میں مشغول ہونا (لازم آتا) ہے

مغرب کے بعد فرض نماز سے پہلے نوافل کا حکم

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ سورج چھپنے کے بعد فرض ادا کرنے سے پہلے نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ایسا کرنے میں مغرب کو مؤخر کرنا لازم آئے گا حالانکہ مغرب میں تعجیل مستحب ہے۔

اور اسی طرح اس وقت نفل پڑھنا مکروہ ہے جب کہ امام خطبہ کے لئے نکلا یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے۔

دلیل یہ ہے کہ ایسا کرنے میں خطبہ سننے سے اعراض کرنا لازم آئے گا حالانکہ خطبہ سننا واجب ہے۔ واللہ اعلم،

جمیل احمد عفی عنہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بَابُ الْاَذَانِ

(یہ) باب اذان (کے احکام کے بیان) میں ہے

چونکہ اذان دخول وقت کا اعلان ہے اس لئے پہلے اوقات بیان کئے گئے اور اس کے بعد اذان کا ذکر کیا گیا، اذان لغت میں اعلام واعلان کا نام ہے پھر غلبۃً نماز کے اعلان کے لئے استعمال کیا جانے لگا چنانچہ جب بھی لفظ اذان بولا جاتا ہے تو اس سے نماز ہی کا اعلان مراد ہوتا ہے۔ اسی لغوی معنی میں باری تعالیٰ کے قول وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اور وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا میں لفظ اذان اور اَذِّنْ مستعمل ہیں اور شریعت میں اذان کہتے ہیں مخصوص الفاظ کے ساتھ مخصوص طریقہ پر نماز کے وقت کے داخل ہونے کی خبر دینا۔

نفسِ اذان کا ثبوت تو آیات واحادیث دونوں سے ہے لیکن اس کا تعین فقط احادیث سے ہے (آیات) باری تعالیٰ کا قول وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ یعنی جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں یہ اس سبب سے کہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے۔

اس آیت میں نداء الی الصلوٰۃ سے مراد اذان ہی ہے کیونکہ اس کے شانِ نزول میں حضرت اقدس تھانویؒ نے لکھا ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی تھا جب اذان میں سنتا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو کہتا قَدْ حُرِقَ الْكَاذِبُ یعنی جوٹھا جل جائے، ایک شب ایسا اتفاق ہوا کہ وہ اور اس کے اہل وعیال سب سو رہے تھے کوئی خادم آگ لے کر گیا ایک چنگاری گر پڑی وہ اور اس کا گھر اور گھر والے سب جل گئے اسی آیت کے سبب نزول میں ایک قصہ یہ ہے کہ جب اذان ہوتی اور مسلمان نماز شروع کرتے تو یہود کہتے قَامُوْا وَ لَا قَامُوْا وَصَلُّوْا وَلَا صَلُّوْا یعنی مسلمان کھڑے ہوتے ہیں خدا کرے ان کو کبھی کھڑا ہونا نصیب نہ ہو اور یہ نماز پڑھتے ہیں خدا کرے ان کو نماز پڑھنا نصیب نہ ہو۔

ان دونوں قصوں سے معلوم ہوا کہ آیت میں نداء الی الصلوٰۃ سے مراد اذان ہے۔ دوسری آیت وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ہے۔ علامہ بغویؒ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ آیت موذنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے حضرت عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ مَنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ سے مراد موذن ہے۔ اور ابو اسامہ الباہلیؒ نے کہا کہ اس آیت میں عَمِلَ صَالِحًا سے مراد یہ ہے کہ اذان واقامت کے درمیان دو رکعت پڑھے۔

بہرحال ان اقوال سے اتنی بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ آیت دَعَآ اِلَى اللّٰهِ سے اذان مراد ہے لہٰذا اس آیت سے بھی اذان کا ثبوت ہو جائے گا۔

تیسری آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ اے ایمان والو جب

جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو۔

وہ احادیث جن سے اذان کا ثبوت اور تعین ہوتا ہے مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں جن کا ذکر اگلی سطروں میں آئے گا۔

رہی یہ بات کہ اذان کب مشروع ہوئی سو اس کے بارے میں ملا علی قاریؒ نے شرح نقایہ میں دو قول ذکر کئے ہیں۔

ایک یہ کہ اذان ۱ھ میں مشروع ہوئی، دوسرا یہ کہ ۲ھ میں مشروع ہوئی۔ قول ثانی کی دلیل یہ ہے کہ ابن سعد نے نافع بن جبیر، عروہ بن الزبیر اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے۔ اِنَّهُمْ قَالُوْا كَانَ النَّاسُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ اَنْ يُّؤْمَرَ بِالْاَذَانِ يُنَادِيْ مُنَادِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَيَجْتَمِعُ النَّاسُ فَلَمَّا صُرِفَتِ الْقِبْلَةُ اُمِرَ بِالْاَذَانِ یعنی یہ تینوں حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ لوگ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں اذان کا حکم دیئے جانے سے پہلے (اس طرح) تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا منادی اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ کی ندا لگاتا لوگ اس ندا کو سن کر جمع ہو جاتے لیکن جب تحویل قبلہ ہوا تو اذان کا حکم دیا گیا۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ تحویل قبلہ ۲ھ میں ہوا۔ پس ثابت ہو گیا کہ اذان کی مشروعیت ۲ھ میں ہوئی۔

علامہ ہند مولانا عبدالحیؒ نے السعایہ میں حافظ ابن الحجر العسقلانیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اذان مکۃ المکرمہ میں ہجرت سے پہلے شروع ہوئی۔ چنانچہ طبرانی میں ہے اِنَّهٗ لَمَّا اُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ ﷺ اَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ الْاَذَانَ فَنَزَلَ بِهٖ فَعَلَّمَهٗ بِلَالًا یعنی لیلۃ الاسراء میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی طرف اذان کی وحی کی پس آپ اس کو لے کر اترے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی تعلیم دی۔

دار قطنی میں حدیث انسؓ ہے کہ اِنَّ جِبْرِيْلَ اَمَرَ النَّبِيَّ ﷺ بِالْاَذَانِ حِيْنَ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ یعنی جس وقت نماز فرض کی گئی اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو اذان کا حکم دیا۔ ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان ہجرت سے پہلے مکہ میں مشروع ہو گئی تھی لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ان احادیث کی عدم صحت کا دعویٰ کیا ہے۔

مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ نے علم الفقہ میں لکھا ہے کہ اذان کی ابتداء مدینہ منورہ میں ۱ھ میں ہوئی اس سے پہلے نماز بے اذان کے پڑھی جاتی تھی چونکہ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد کچھ ایسی کثیر نہ تھی اسلئے ان کا جماعت کے لئے جمع ہو جانا بغیر کسی اطلاع کے دشوار نہ تھا، جب مسلمانوں کی تعداد یوماً فیوماً ترقی کرنے لگی اور مختلف طبقات کے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے تو اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ نماز کا وقت آنے اور جماعت قائم ہونے کی اطلاع ان کو دی جائے جس سے وہ اپنے اپنے

قریب و بعید مقامات سے جماعت کیلئے مسجد میں آسکیں لہٰذا اذان کا یہ طریقہ اس غرض کے پورا کرنے کیلئے مقرر کیا گیا، اور اذان اسی اُمت کیلئے خاص ہے پہلی اُمتوں میں نہ تھی۔

اذان کی مشروعیت کا مختصر قصہ یہ ہے کہ جب صحابہؓ کو نماز اور جماعت کے اوقات کی اطلاع کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا بعض نے رائے دی کہ یہود کی طرح سنکھ بجایا جائے، بعض حضرات نے کہا کہ آگ جلادی جایا کرے۔ مگر نبی ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رائے دی کہ نماز کے وقت **اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ** کہدیا جائے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ نے یہ طریقہ اذان کا جو آگے بیان کیا جائے گا ان کو تعلیم کیا کہ اسی طریقہ سے نماز کے اوقات اور جماعت کی اطلاع مسلمانوں کو کی جایا کرے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ اگر مجھے بدگمانی کا خوف نہ ہوتا تو میں کہتا کہ میں بالکل سوتا ہی نہ تھا اسی لحاظ سے بعض علماء نے اس واقعہ کو حال اور کشف پر محمول کیا ہے جو ارباب باطن کو حالت بیداری میں ہوتا ہے۔ الحاصل صبح کو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ حضور نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم میں عرض کیا تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ بے شک یہ سچ ہے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم ہوا کہ اسی طرح اذان دیا کرو۔ پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آکر اپنے خواب کو بیان کیا بعض روایات میں ہے کہ اس سے پہلے حضور ﷺ پر وحی نازل ہو چکی تھی چنانچہ عبدالرزاقؒ نے اپنے مصنف میں اور ابوداؤد نے مراسیل میں یہ روایت لکھی ہے۔

بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ شبِ معراج میں نبی ﷺ کو حضرت جبریل علیہ السلام نے اذان کی تعلیم دی تھی مگر یہ احادیث صحیح نہیں اور بر تقدیر صحت اس میں وہ شبِ معراج مقصود نہیں جو مکہ میں ہوئی تھی کیونکہ نبی ﷺ کو روحانی معراج بارہا ہوئی ہے لہٰذا اس سے مقصود وہی رات ہوگی جس رات کو یہ خواب دیکھا گیا، واللہ اعلم۔

اذان کی اہمیت و عظمت:۔ اذان اللہ تعالیٰ کے اذکار میں ایک بہت بڑے رتبہ کا ذکر ہے۔ اس میں توحید و رسالت کی شہادت اعلان کے ساتھ ہوتی ہے اس سے اسلام کی شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ بہت سی احادیث میں اذان کی فضیلت مذکور ہے۔

(۱) اذان کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے اور جو لوگ اس کو سنتے ہیں جن ہوں یا انسان، وہ سب قیامت کے دن اذان دینے والے کے ایمان کی گواہی دیں گے (بخاری، نسائی، ابن ماجہ)۔

(۲) اللہ کے سچے رسول ﷺ نے فرمایا کہ انبیاءؑ اور شہداء کے بعد اذان دینے والے جنت میں داخل ہوں گے بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ مؤذن کا مرتبہ شہید کے برابر ہے۔

(۳) یتیم عبداللہ نے کہا کہ جو شخص سات برس تک برابر اذان دے اور اس سے اس کا مقصود محض ثواب ہو تو اس کیلئے دوزخ سے آزادی لکھدی جاتی ہے (ابوداؤد، ترمذی)

(۴) نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان کہنے میں کس قدر ثواب ہے اور پھر ان کو یہ منصب بغیر قرعہ ڈالے نہ ملے تو بے شک وہ اس کے لئے قرعہ ڈالیں، حاصل یہ کہ اس منصب کیلئے سخت کوشش کریں (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی) صحابہؓ کے زمانے میں ایسا ہوا ہے کہ اذان کے لئے لوگوں میں اختلاف ہوا ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ مبارک منصب مجھے ملے یہاں تک کہ قرعہ ڈالنے کی نوبت آئی (تاریخ بخاری)۔

(۵) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے بروز قیامت تین لوگ معطر مشک کے ٹیلے پر ہوں گے نہ حساب دیں گے نہ حیران و پریشان ہوں گے۔ ایک وہ جس نے رضائے خداوندی کے لئے قرآن پڑھا دوسرا وہ جو غلامی میں مبتلا ہوتے ہوئے آخرت کے اعمال سے غافل نہ ہوا، تیسرا مؤذن (المرشد الامین)

(۶) قیامت کے دن مؤذنوں کو بھی شفاعت کی اجازت دی جائے گی کہ وہ اپنے اعزا و احباب یا جس کیلئے چاہیں خداوند عالم سے سفارش کریں۔

(۷) اذان دیتے وقت شیطان پر بہت خوف اور ہیبت طاری ہوتی ہے اور بہت بے حواسی سے بھاگتا ہے جہاں تک اذان کی آواز جاتی ہے وہاں نہیں ٹھہرتا (بخاری و مسلم)

(۸) قیامت کے دن مؤذنوں کی گردنیں بلند ہوں گی یعنی وہ نہایت معزز اور لوگوں میں ممتاز ہوں گے اور قیامت کے خوف اور مصیبت سے محفوظ رہیں گے۔

(۹) جس مقام پر اذان دی جاتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے عذاب اور بلاؤں سے وہ مقام محفوظ رہتا ہے۔

(۱۰) نبی علیہ السلام نے مؤذنوں کے لئے دعائے مغفرت فرمائی ہے۔

اَلْاَذَانُ سُنَّةٌ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ لَا سِوَاهَا لِلنَّقْلِ الْمُتَوَاتِرِ
اذان نقل متواتر کی وجہ سے پانچوں نمازوں اور جمعہ کیلئے سنت ہے نہ کہ ان کے ماسوا کیلئے
وَصِفَةُ الْاَذَانِ مَعْرُوْفَةٌ وَهُوَ كَمَا اَذَّنَ الْمَلَكُ النَّازِلُ مِنَ السَّمَاءِ
اور اذان کا طریقہ معروف ہے اور وہ اسی طرح ہے جیسے آسمان سے اترنے والے فرشتہ نے اذان دی تھی

اذان کی شرعی حیثیت

تشریح:۔ اذان پانچوں نمازوں اور جمعہ کی نماز کیلئے سنت مؤکدہ ہے اور بعض مشائخؒ نے کہا کہ واجب ہے کیونکہ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر تمام شہر والے ترک اذان پر اتفاق کرلیں تو ان سے قتال کیا جائے گا اور یہ بات ظاہر ہے کہ قتال ترک واجب

پر ہوتا ہے نہ کہ ترک سنت پر۔ پس معلوم ہوا کہ اذان واجب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اذان تو سنت ہی ہے لیکن ترک اذان پر اصرار کرنے کی وجہ سے دین کا استخفاف اور اہانت پائی گئی اور استخفاف دین کی صورت میں قتال ضروری ہے اس لئے امام محمدؒ نے ان لوگوں سے قتال کا حکم دیا ہے۔

اذان کے مسنون ہونے پر نقل متواتر دلیل ہے یعنی تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے پانچوں نمازوں اور جمعہ کیلئے اذان دلوائی ہے ان کے علاوہ وتر، عیدین، کسوف، خسوف، استسقاء، نماز جنازہ اور سنن ونوافل کیلئے اذان نہیں دلوائی ہے چنانچہ مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے **صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلْعِيْدَ غَيْرَ مَرَّةٍ وَ لَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَ لَا اِقَامَةٍ** یعنی میں نے متعدد بار حضور ﷺ کیساتھ عید کی نماز بغیر اذان اور بغیر اقامت کے پڑھی۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ **خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَبَعَثَ مُنَادِيًا يُنَادِيْ بِالصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ** یعنی عہد رسالت میں سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ منادی کو بھیجتے وہ **اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ** کہہ کر ندا دیتا۔ ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ عیدین اور خسوف وکسوف کیلئے اذان نہیں تھی اور وتر اگرچہ واجب ہے لیکن عشاء کی اذان اس کیلئے واجب ہے کیونکہ وتر کا وہی وقت ہے جو عشاء کا ہے۔ اور رہی سنتیں اور نوافل تو وہ فرائض کے تابع ہیں ان کے لئے مستقلاً اذان کی کوئی ضرورت نہیں اور اذان جمعہ کے سلسلہ میں حضرت سائب بن یزیدؓ کی حدیث صحیحین میں مروی ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ اذان کی کیفیت معلوم ہے اور وہ اسی طرح ہے جیسے آسمان سے نازل شدہ فرشتہ نے اذان دی تھی، اس کی تفصیل حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں گذر چکی، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ **عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ يَعْنِيْ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ رَاَيْتُ فِي النَّوْمِ كَاَنَّ رَجُلًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ عَلَيْهِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ نَزَلَ عَلٰى جِذْمِ حَائِطٍ مِنَ الْمَدِيْنَةِ فَاَذَّنَ مَثْنٰى مَثْنٰى ثُمَّ جَلَسَ، قَالَ اَبُوْبَكْرِبْنُ عَيَّاشٍ عَلٰى نَحْوٍ مِنْ اَذَانِنَا الْيَوْمَ قَالَ عَلِّمْهَا بِلَالًا فَقَالَ عُمَرُ وَرَاَيْتُ مِثْلَ الَّذِيْ رَاٰى وَلٰكِنَّهٗ سَبَقَنِيْ.** رہی یہ بات کہ یہ کون سا فرشتہ تھا تو علامہ بدرالدین عینیؒ نے کہا کہ اظہر یہ ہے کہ جبریل امین علیہ السلام تھے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ کوئی دوسرا فرشتہ تھا۔

وَلَا تَرْجِيْعَ فِيْهِ وَهُوَ اَنْ يُرَجِّعَ فَيَرْفَعَ صَوْتَهٗ بِالشَّهَادَتَيْنِ بَعْدَ مَا خَفَضَ بِهِمَا
اور اذان میں ترجیع نہیں ہے اور ترجیع یہ ہے کہ لوٹائے پس شہادتین کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرے ان کو پست کرنے کے بعد
وَقَالَ الشَّافِعِيُّؒ فِيْهِ ذٰلِكَ لِحَدِيْثِ اَبِيْ مَحْذُوْرَةَؓ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَمَرَهٗ بِالتَّرْجِيْعِ
اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اذان میں ترجیع ہے ابو محذورہؓ کی حدیث کی وجہ سے کہ حضور ﷺ نے ابو محذورہؓ کو ترجیع کا حکم دیا

وَلَنَا اَنَّهٗ لَا تَرْجِيْعَ فِي الْمَشَاهِيْرِ وَكَانَ مَا رَوَاهُ تَعْلِيْمًا فَظَنَّهٗ تَرْجِيْعًا

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مشہور حدیثوں میں ترجیع نہیں ہے اور وہ حدیث جس کو ابو محذورہؓ نے روایت کیا وہ بطور تعلیم تھی پس ابو محذورہؓ نے اسے ترجیع سمجھا

ترجیع کا بیان

تشریح اذان میں ترجیع کی صورت یہ ہے کہ شہادتین یعنی **اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** اور **اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کا چار بار تلفظ کرے پہلی دو مرتبہ پست آواز کے ساتھ اور پھر دو مرتبہ بلند آواز کے ساتھ ہمارے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے اور امام شافعیؒ اذان میں ترجیع کے قائل ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں **اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ الْاَذَانَ اللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ يَعُوْدُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مَرَّتَيْنِ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اَلْحَدِيْثَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔**

اس حدیث سے جہاں شہادتین کا چار بار کہنا ثابت ہوتا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر یعنی اللہ اکبر شروع میں دو مرتبہ ہے حضرت امام مالکؒ شروع میں اللہ اکبر دو بار کہنے پر اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں لیکن ابو داؤد اور نسائی نے اللہ اکبر کا چار بار کہنا روایت کیا ہے جو ہمارا مُسْتَدَلّ ہے۔ اور مسلم کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اللہ اکبر دو مرتبہ ایک سانس میں کہنا کلمہ واحدہ کے مانند ہے پس مسلم کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کی تعلیم دی اور دو مرتبہ اللہ اکبر کہا یعنی دو سانس میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہا اس تاویل کے بعد دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اذان کے بیان میں جو احادیث مشہور ہیں ان میں ترجیع نہیں ہے منجملہ ان میں سے حضرت عبداللہ بن زید عبدربہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثیں ہیں ان میں ترجیع نہیں ہے چنانچہ حضرت ابن عمر کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں **قَالَ اِنَّمَا كَانَ الْاَذَانُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَالْاِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً۔**

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ مقصود اذان **حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ** اور **حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ** ہے اور ان دو کلموں میں ترجیع نہیں لہٰذا ان دونوں کے علاوہ میں بدرجہ اولیٰ ترجیع نہیں ہوگی۔

اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کلمات کو بار بار کہلوانا بطور تعلیم کے تھا حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ترجیع خیال کیا یعنی حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادتین کے ساتھ اس قدر آواز بلند نہیں کی تھی جس قدر اللہ کا رسول چاہتا تھا اسلئے دوبارہ لوٹا دیا تا کہ بلند آواز سے کہے اسکو حضرت ابو

محذورہ نے گمان کیا کہ مجھے ہمیشہ پست آواز کے ساتھ کہنے کے بعد بلند آواز سے کہنے کا حکم دیا ہے امام طحاوی نے یہی تاویل کی ہے۔

صاحب عنایہؒ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک حکمت کی وجہ سے ترجیع کا حکم دیا تھا۔ حکمت یہ تھی کہ ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام سے پہلے حضور ﷺ سے بہت بغض رکھتے تھے پس جب ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہو گئے تو اللہ کے سچے رسول ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کلمات شہادت پر پہنچے تو اپنی قوم سے حیا اور شرم کے پیش نظر اپنی آواز کو پست کیا، پس حضور ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور ان کی گوش مالی کی اور ان سے فرمایا کہ ان کلمات کو لوٹاؤ اور ان کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرو۔

اب اس اعادہ سے یا تو اس بات کی تعلیم دینی مقصود تھی کہ حق بات کہنے میں کوئی حیا اور شرم نہیں یا یہ مقصود تھا کہ کلمات شہادت کے تکرار سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں مزید اضافہ ہو جائے۔

علامہ ابن الہمامؒ نے کہا کہ طبرانی میں ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روایت کی ہے جس میں ترجیع نہیں ہے لہٰذا حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں روایتیں متعارض ہوں گی پس تعارض کی وجہ سے دونوں روایتیں ساقط ہو جائیں گی۔ اور حضرت ابن عمر اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث جو معارض سے سلامت ہے وہ قابل عمل ہوگی۔ نیز عدم ترجیع کا قول اس لئے بھی راجح ہوگا کہ اذان کے باب میں حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ کی حدیث اصل ہے اور اس میں ترجیع نہیں ہے۔

وَيَزِيْدُ فِيْ اَذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ لِاَنَّ بِلَالًا
اور فجر کی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد دو بار اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ بڑھائے کیونکہ بلالؓ نے
قَالَ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ حِيْنَ وَجَدَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَاقِدًا فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا اَحْسَنَ هٰذَا يَا بِلَالُ
جس وقت حضور ﷺ کو سویا ہوا پایا تو کہا اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ پس حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے بلال یہ کیا خوب ہے!
اِجْعَلْهُ فِيْ اَذَانِكَ وَخُصَّ الْفَجْرُ بِهٖ لِاَنَّهٗ وَقْتُ نَوْمٍ وَغَفْلَةٍ
اس کو اپنی اذان میں داخل کر اور فجر کو اس کے ساتھ مخصوص کیا گیا کیونکہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہے

فجر کی اذان میں اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے اضافہ کا حکم

تشریح۔ فرمایا کہ فجر کی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد دوبارہ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا اضافہ کرے اور یہ اضافہ مستحب ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ایک روز حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز فجر کے لئے اذان دی پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے دروازے پر آ کر کہا اَلصَّلٰوةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اَلرَّسُوْلُ نَائِمٌ رسول ﷺ سو رہے ہیں۔ پھر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ پس جب آپ ﷺ بیدار ہو گئے

تو اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کو مطلع کیا آپ ﷺ نے اس کلمہ کو پسند فرمایا اور کہا کہ بلالؓ اس کو اپنی اذان میں داخل کرلو۔ رہی یہ بات کہ یہ زیادتی فجر کی اذان کے ساتھ کیوں خاص ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وقت نیند اور غفلت کا ہے اس لئے یہ زیادتی فجر کی اذان کے ساتھ خاص کی گئی۔

وَالْاِقَامَةُ مِثْلُ الْاَذَانِ اِلَّا اَنَّهٗ يَزِيْدُ فِيْهَا بَعْدَ الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ مَرَّتَيْنِ
اور اقامت اذان کی طرح ہے الا یہ کہ اقامت میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد دو مرتبہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ بڑھائے
هٰكَذَا فَعَلَ الْمَلَكُ النَّازِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَهُوَ الْمَشْهُوْرُ ثُمَّ هُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِيْ
(کیونکہ) آسمان سے اترنے والے فرشتہ نے ایسا ہی کیا تھا اور یہی مشہور ہے۔ پھر یہ امام شافعیؒ کے خلاف ان کے اس قول
قَوْلِهٖ اِنَّهَا فُرَادٰى اِلَّا قَوْلَهٗ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ
میں حجت ہے کہ اقامت فُرادیٰ فُرادیٰ ہے سوائے اس کے قول قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کے

اقامت اذان کی مثل ہے

تشریح: شیخ قدوریؒ نے کہا کہ اقامت بھی اذان کے مانند ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ اقامت میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد دوبار قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کا اضافہ کرے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کے علاوہ تمام کلمات ایک ایک مرتبہ کہے اور قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ دوبار کہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اذان جفت کہے اور اقامت سوائے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کے طاق کہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جو فرشتہ آسمان سے نازل ہوا تھا اس نے اذان کی طرح اقامت بھی دو دو مرتبہ کہی چنانچہ ابن ابی شیبہ نے عثمان بن ابی لیلیٰ سے روایت کی کہ ہم سے اصحاب محمد ﷺ نے بیان کیا کہ عثمان بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ گویا ایک شخص جس پر دو سبز چادریں ہیں ایک دیوار پر کھڑا ہوا اور اس نے اذان دو، دو مرتبہ اور اقامت دو، دو مرتبہ کہی، اور حدیث انسؓ کے معنی یہ ہیں کہ اذان میں دو کلمے دو آواز کے ساتھ کہے جائیں اور اقامت میں دو کلمے ایک آواز کے ساتھ کہے جائیں۔

وَيَتَرَسَّلُ فِي الْاَذَانِ وَيَحْدُرُ فِي الْاِقَامَةِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ
اور اذان میں ترسّل کرے (یعنی ٹھہر ٹھہر کر کہے) اور اقامت میں حدر کرے (یعنی جلدی کرے) کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تو اذان دے تو ترسّل کر
وَاِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ وَهٰذَا بَيَانُ الْاِسْتِحْبَابِ
اور جب تو اقامت کہے تو حدر کر۔ اور یہ استحباب کا بیان ہے

اذان میں ترسّل کا حکم

تشریح ترسّل یہ ہے کہ دو کلموں کے درمیان فصل کرے سکتہ کے ساتھ اور حدر یہ ہے کہ فصل نہ کرے۔ فرمایا کہ اذان میں ترسّل مستحب ہے اور اقامت میں حذر مستحب ہے دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی کا امر فرمایا ہے۔ پس اگر اقامت میں ترسّل کیا تو بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے لیکن ہدایہ کی عبارت سے عدم کراہت ثابت ہوتا ہے کیونکہ صاحب ہدایہؒ نے فرمایا **وَهٰذَا بَيَانُ الْاِسْتِحْبَابِ** اور ظاہر ہے کہ ترک مستحب سے کراہت پیدا نہیں ہوتی۔

علامہ ابن الہمامؒ نے فرمایا کہ قول اول حق ہے یعنی اذان میں ترسل اور اقامت میں حدر کا مسنون ہونا حق ہے۔

وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا الْقِبْلَةَ لِاَنَّ النَّازِلَ مِنَ السَّمَاءِ اَذَّنَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَلَوْ تَرَكَ

اور اذان اور اقامت میں قبلہ رخ ہووے کیونکہ آسمان سے اترنے والے فرشتے نے قبلہ رخ ہو کر اذان کہی تھی، اور اگر استقبال

الْاِسْتِقْبَالَ جَازَ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ وَيُكْرَهُ لِمُخَالَفَةِ السُّنَّةِ وَيُحَوِّلُ وَجْهَهُ لِلصَّلٰوةِ وَالْفَلَاحِ

ترک کردے تو جائز ہے کیونکہ مقصود (اذان) حاصل ہو گیا۔ اور خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا اور حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الفَلَاحِ

يُمْنَةً وَيُسْرَةً لِاَنَّهُ خِطَابٌ لِلْقَوْمِ فَيُوَاجِهُهُمْ وَاِنِ اسْتَدَارَ

کے وقت اپنا چہرہ دائیں اور بائیں طرف پھیرے کیونکہ یہ قوم کو خطاب ہے۔ پس ان کے روبرو ہو اور اگر مؤذن اپنے صومعہ

فِيْ صَوْمَعَتِهِ فَحَسَنٌ وَمُرَادُهُ اِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ تَحْوِيْلَ الْوَجْهِ يَمِيْنًا وَشِمَالًا مَعَ ثَبَاتِ قَدَمَيْهِ مَكَانَهُمَا كَمَا هُوَ السُّنَّةُ

میں گھوم جائے تو اچھا ہے۔ اور امام محمدؒ کی مراد یہ ہے کہ جب اپنے قدم اسی جگہ جمائے رکھنے کے ساتھ جو کہ سنت طریقہ ہے دائیں بائیں منہ پھیرنا ممکن نہ ہو

بِاَنْ كَانَتِ الصَّوْمَعَةُ مُتَّسِعَةً فَاَمَّا مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ فَلَا

بایں طور کہ صومعہ کشادہ ہے، بہرحال بغیر ضرورت کے تو (اپنی جگہ سے قدم ہٹانا) اچھا نہیں ہے۔

اذان اور اقامت میں استقبالِ قبلہ کا حکم

تشریح صاحب عنایہؒ نے بیان کیا کہ اذان اور اقامت میں قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو یعنی قبلہ کی طرف منہ کرے سوائے **حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ** اور **حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ** کے۔ دلیل یہ ہے کہ جو فرشتہ آسمان سے نازل ہوا تھا اس نے قبلہ رخ ہو کر اذان کہی تھی اور اگر اذان میں استقبال قبلہ چھوڑ دیا تو جائز ہے لیکن خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہوگا۔ اور **حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ** اور **حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ** کہتے وقت صرف اپنا چہرہ دائیں اور بائیں جانب گھمائے کیونکہ ان دونوں کلموں کے ساتھ قوم

کو خطاب کیا گیا ہے لہٰذا یہ خطاب ان کے روبرو ہوگا کہ نماز کی طرف اور فلاح دارین کی طرف آؤ۔ یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ قوم جس طرح دائیں اور بائیں جانب ہے اسی طرح پیچھے کی جانب بھی ہے۔ پس جس طرح دائیں اور بائیں طرف منہ پھیرنے کا حکم ہے پیچھے کی طرف بھی منہ پھیرنے کا حکم ہونا چاہیے تھا۔ جواب اس صورت میں استدبار قبلہ ہو جائے گا حالانکہ مؤذن لوگوں کو قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کی دعوت دے رہا ہے اس وجہ سے صرف دائیں اور بائیں جانب منہ پھیرنے پر اکتفا کیا گیا کیونکہ اس سے آواز پہنچانے کا مقصود بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

صَوْمَعَة: بحر الرائق میں ہے کہ صَوْمَعَة منارہ کو کہتے ہیں۔ اور علامہ بدر الدین عینیؒ نے البنایہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ صَوْمَعَة وہ بلند جگہ ہے جہاں مؤذن کھڑا ہو کر اذان دے۔ حاصل یہ کہ اگر مؤذن صَوْمَعَة میں گھوم گیا تو اچھا ہے بشرطیکہ صَوْمَعَة کشادہ ہو پس دائیں موکھلے سے سر نکال کر دو بار **حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ** کہے اور بائیں موکھلے سے سر نکال کر دو بار **حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ** کہے۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ کا کلام جو متن میں مذکور ہے اس کی مراد یہ ہے کہ صَوْمَعَة میں پھرنا اس صورت میں ہے جبکہ اس کو دونوں قدم جمائے رکھنے کے ساتھ دائیں بائیں منہ پھیرنا جو کہ سنت طریقہ ہے لیکن نہ ہو بایں طور کہ صَوْمَعَة کشادہ ہو۔

حاصل یہ کہ اپنی جگہ پر جمے ہونے کے ساتھ اذان کا پورا اعلام جو مقصود ہے حاصل نہ ہو تب موکھلے پر جانے کی ضرورت ہوگی۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اور بغیر ضرورت اپنی جگہ سے قدم ہٹانا اچھا نہیں ہے۔

وَالْاَفْضَلُ لِلْمُؤَذِّنِ اَنْ یَّجْعَلَ اِصْبَعَیْهِ فِیْ اُذُنَیْهِ بِذٰلِکَ اَمَرَ النَّبِیُّ عَلَیْهِ السَّلَامُ بِلَالًا وَلِاَنَّهٗ
اور مؤذن کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کرلے (کیونکہ) حضور ﷺ نے بلالؓ کو اسی کا حکم دیا۔ اور اس لئے کہ
اَبْلَغُ فِی الْاِعْلَامِ وَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْ فَحَسَنٌ لِاَنَّهَا لَیْسَتْ بِسُنَّةٍ اَصْلِیَّةٍ
یہ اعلام (جو مقصود اذان ہے) میں ابلغ ہے یعنی اعلام اس سے خوب پورا ہوتا ہے اور اگر وہ (ایسا) نہ کرے تو بھی اچھا ہے کیونکہ یہ سنت اصلیہ نہیں ہے

اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں دینا افضل ہے

تشریح:۔ اذان دیتے وقت مؤذن کیلئے افضل یہ ہے کہ وہ اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں داخل کرے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا حکم کیا ہے۔ چنانچہ حاکم نے اپنی مستدرک میں سعد القرظؓ (جو قباء میں حضور ﷺ کے مؤذن تھے) سے روایت کیا **اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ بِلَالًا اَنْ یَّجْعَلَ اِصْبَعَیْهِ فِیْ اُذُنَیْهِ وَقَالَ اِنَّهٗ اَرْفَعُ لِصَوْتِکَ** یعنی رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے دونوں کانوں میں اپنی دونوں انگلیاں داخل کریں اور فرمایا کہ یہ تیری آواز کو زیادہ بلند کرنے والا ہے۔

طبرانی نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے **اِذَا اَذَّنْتَ فَاجْعَلْ اِصْبَعَیْکَ فِیْ اُذُنَیْکَ فَاِنَّهٗ اَرْفَعُ لِصَوْتِکَ** یعنی جب تو اذان دے تو اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں داخل کرلیا کر کیونکہ یہ تیری آواز کو زیادہ بلند کرنے والا ہے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ اعلام واعلان جو اذان کا مقصود اصلی ہے وہ اس سے خوب پورا ہوتا ہے اور اگر مؤذن نے ایسا نہیں کیا تو بھی اذان ٹھیک رہی کیونکہ یہ فعل سنن ہدیٰ میں سے نہیں ہے بلکہ سنن زوائد میں سے ہے۔

صاحب عنایہؒ نے لکھا ہے کہ اس صورت میں اذان حسن ہے نہ کہ اس فعل کو ترک کرنا کیونکہ بوقت اذان، مؤذن کا کانوں میں انگلیاں داخل کرنا اگرچہ سنن اصلیہ میں سے نہیں اس لئے کہ عبداللہ بن زیدؓ جو باب الاذان میں اصل شمار ہوتے ہیں ان کی حدیث میں مذکور نہیں ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایسا فعل ہے جس کا حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا۔ اس لئے اس فعل کے چھوڑنے کو حسن کہنا مناسب نہیں۔

پس حاصل یہ ہوا کہ اذان اس فعل کے ساتھ احسن ہے اور اس کے ترک کے ساتھ حسن ہے۔

فوائد:۔ سعد القرظؓ کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے تین مؤذن ہیں حضرت بلال، حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم، حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ قرظ سلم کے پتے جن سے دباغت دیجاتی ہے چونکہ سعدؓ اس کی تجارت کرتے تھے اس لئے ان کو سعد القرظؓ کہا جانے لگا۔

عین الہدایہ میں لکھا ہے کہ مؤذن مرد عاقل، بالغ تندرست، متقی سنت کا عالم، اوقات نماز سے واقف بلند آواز اور پنج وقتہ دائمی اذان کہنے والا ہونا چاہیے۔ اور اذان پر اجرت نہ لے اور اگر اجرت مقرر کی تو اس کا مستحق نہ ہوگا اور جس نے اذان پر اجرت ٹھہرائی وہ فاسق ہے اس کی اذان مکروہ ہے۔

وَالتَّثْوِيْبُ فِي الْفَجْرِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ مَرَّتَيْنِ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ حَسَنٌ
اور فجر میں تثویب کرنا (یعنی) اذان اور اقامت کے درمیان دو بار حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہنا بہتر ہے
لِاَنَّهٗ وَقْتُ نَوْمٍ وَغَفْلَةٍ وَكُرِهَ فِي سَائِرِ الصَّلَوَاتِ وَمَعْنَاهُ الْعَوْدُ اِلَى الْاِعْلَامِ
کیونکہ وہ نیند اور غفلت کا وقت ہے۔ اور باقی نمازوں میں تثویب مکروہ ہے۔ اور تثویب کے معنی ہیں باخبر کرنے کی طرف عود کرنا
وَهُوَ عَلٰى حَسْبِ مَاتَعَارَفُوْهُ وَهٰذَا تَثْوِيْبٌ اَحْدَثَهٗ عُلَمَاءُ الْكُوْفَةِ بَعْدَ عَهْدِ الصَّحَابَةِؓ لِتَغَيُّرِ
اور یہ لوگوں کے عرف کے موافق ہے اور یہ تثویب ایسی ہے جس کو عہد صحابہؓ کے بعد لوگوں کی حالتوں کے بدل جانے کی وجہ سے علماء کوفہ نے
اَحْوَالِ النَّاسِ وَخَصُّوا الْفَجْرَ بِهٖ لِمَا ذَكَرْنَاهُ وَالْمُتَاَخِّرُوْنَ اِسْتَحْسَنُوْهُ
ایجاد کیا ہے۔ اور انہوں نے اس تثویب کے ساتھ فجر کو اسی وجہ سے خاص کیا ہے جو ہم ذکر کر چکے اور متاخرین فقہاء نے تمام نمازوں میں
فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا لِظُهُوْرِ التَّوَانِيْ فِي الْاُمُوْرِ الدِّيْنِيَّةِ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَؒ لَا اَرٰى بَاْسًا
تثویب کو امور دینیہ میں سستی ظاہر ہونے کیوجہ سے مستحسن قرار دیا ہے اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ میں (اس میں) کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا

اَنْ يَقُوْلَ الْمُؤَذِّنُ لِلْاَمِيْرِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْاَمِيْرُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ
کہ موذن تمام نمازوں میں امیر کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْاَمِيْرُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ
حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اَلصَّلٰوةُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَاسْتَبْعَدَهٗ محمدٌ لِاَنَّ النَّاسَ سَوَاسِيَةٌ فِيْ اَمْرِ الْجَمَاعَةِ
حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَلصَّلٰوةُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہے اور امام محمدؒ نے اس کو مُسْتَبْعَدْ سمجھا کیونکہ لوگ جماعت کے معاملہ میں برابر ہیں
وَاَبُوْ يُوْسُفَ خَصَّهُمْ بِذٰلِكَ لِزِيَادَةِ اِشْتِغَالِهِمْ بِاُمُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ
اور ابو یوسفؒ نے حکام کو اس تثویب کے ساتھ اس لئے خاص کیا کہ مسلمانوں کے اُمور میں ان کی مشغولیت زیادہ ہے
كَيْلَا تَفُوْتَهُمُ الْجَمَاعَةُ وَعَلٰى هٰذَا الْقَاضِيْ وَالْمُفْتِيْ
تاکہ ان سے جماعت فوت نہ ہو جائے اور اسی حکم پر قاضی اور مفتی ہے

تثویب کا بیان

تشریح: تثویب کے لغوی معنی رجوع اور عود کرنے کے ہیں اسی سے ثواب آتا ہے کیونکہ آدمی کے عمل کی منفعت اسی کی طرف عود کرتی ہے اور اسی سے مثابۃ ہے۔ کیونکہ لوگ اس کی طرف لوٹ لوٹ کر آتے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں تثویب اعلام بعد الاعلام کو کہتے ہیں۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان نماز کے اعلان کا نام تثویب ہے۔

تثویب کی دو قسمیں ہیں اول تثویب قدیم اور وہ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ہے فخر الاسلامؒ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ اذان کے بعد تھی اور کتاب الآثار میں امام محمدؒ کا قول بھی اس پر صریح دلالت کرتا ہے لیکن لوگوں نے اس تثویب کو اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد داخل کر لیا۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ وہ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد داخل اذان تھی جیسا کہ متن میں مذکور ہے اور معمول ہے اور حدیث يَا بِلَالُ اِجْعَلْهُ فِيْ اَذَانِكَ (اے بلالؓ اس کو اپنی اذان میں داخل کر دے) اس پر کھلی دلیل ہے۔

دوسری قسم تثویب مُحْدَث، تثویب محدث یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان دو بار حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ یا اس کے ہم معنی اپنے یہاں کے عرف کے مطابق کہے۔ تثویب میں نہ الفاظ مخصوص ہیں اور نہ زبان کا عربی ہونا۔ چنانچہ اگر اَلصَّلٰوةُ اَلصَّلٰوةُ کہہ دیا، یا قَامَتْ قَامَتْ کہا تو یہ بھی تثویب ہے اسی طرح اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ نماز تیار ہے یا نماز ہوتی ہے یا اور کوئی لفظ تب بھی درست ہے اور اگر صرف کھانسنے سے لوگ سمجھ جائیں تو یہ بھی تثویب ہے۔ حاصل یہ کہ جیسا جہاں دستور ہو اسی کے مطابق وہاں تثویب کی جائے۔

اس تثویب کو مُحْدَث اس لئے کہتے ہیں کہ یہ نہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تھی اور نہ عہد صحابہؓ میں۔ بلکہ تابعینؒ کے

دور میں جب لوگوں کے حالات متغیر ہو گئے اور لوگ دینی امور میں سستی کرنے لگے تو علماء کوفہ نے اس کو ایجاد کیا تو گویا یہ بدعت حسنہ ہے حسنہ اس لئے کہ فقہا متقدمین و متاخرین نے اس کو مستحسن قرار دیا اور مسلمان جس چیز کو حسن قرار دیں وہ اللہ کے نزدیک بھی حسن ہے اللہ کے سچے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے مَارَآہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَمَارَآہُ الْمُؤْمِنُوْنَ قَبِيْحًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ قَبِيْحٌ یعنی مسلمان جس کو اچھا تصور کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی حسن ہے اور جس کو قبیح خیال کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔

رہی یہ بات کہ تثویب مُحْدَثْ صرف فجر کی نماز میں جائز ہے یا تمام نمازوں میں جائز ہے یا تمام نمازوں میں جائز ہے سو اس بارے میں فقہاء متقدمین کا مذہب یہ ہے کہ صرف فجر میں جائز ہے اس کے علاوہ دوسری نمازوں میں جائز نہیں کیونکہ یہ وقت نیند اور غفلت کا ہے اس کی تائید ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے عَنْ بِلَالٍؓ قَالَ اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ لَّا اُثَوِّبَ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الصَّلٰوةِ اِلَّا فِي الْفَجْرِ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو حکم کیا کہ میں سوائے فجر کے کسی نماز میں تثویب نہ کروں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مؤذن کو عشاء میں تثویب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اَخْرِجُوْا هٰذَا الْمُبْتَدِعَ مِنَ الْمَسْجِدِ اس بدعتی کو مسجد سے نکالو۔

فقہاء متاخرین نے کہا کہ تثویب مُحْدَثْ تمام نمازوں میں جائز ہے۔ عین الہدایہ میں شرح نقایہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ متاخرین کے نزدیک سوائے مغرب کے تمام نمازوں میں تثویب مستحسن ہے۔ دلیل یہ ہے کہ لوگ دینی امور میں تساہل اور سستی کرنے لگے لہٰذا جب فجر میں نیند کی غفلت میں تثویب جائز ہوئی تو سستی اور کام کاج کی غفلتوں کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔

لیکن متاخرین کا یہ خیال درست نہیں کیونکہ نیند کی غفلت تو غیر اختیاری ہے اور اس میں کوئی کوتاہی و سرکشی نہیں ہے چنانچہ لیلۃ التعریس کی حدیث میں ہے کہ جب صبح کی نماز میں سب سو گئے تھے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بڑی تشویش ہوئی کہ ہم نے بڑی کوتاہی کی تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا لَا تَفْرِيْطَ فِي النَّوْمِ یعنی نیند میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہے کیونکہ ارواح قبضہء قدرت میں ہیں اس نے جب چاہا ان کو چھوڑا۔

تفریط اور کوتاہی صرف بیداری کی حالت میں ہوتی ہے پس فجر میں تثویب بغیر تفریط کے غیر اختیار حالت میں تھی تو اب اس کو دوسرے اوقات کی نمازوں میں جو صورت تفریط اور اختیاری حالت ہے قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ میرے نزدیک قاضیوں اور حاکموں کے لئے فجر کے علاوہ دوسری نمازوں میں بھی تثویب جائز ہے چنانچہ مؤذن مسلمانوں کے حاکم کو ان الفاظ کے ساتھ تثویب کرے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْاَمِيْرُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَلصَّلٰوةُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ.

امام محمدؒ نے اس کو مستبعد قرار دیا، وجہ استبعاد یہ ہے کہ شریعت کی نظر میں جماعت کے معاملہ میں سب برابر ہیں امیر ہو یا رعایا کے لوگ ہوں اس وجہ سے امیر کی کوئی خصوصیت نہیں۔

قاضی ابو یوسفؒ نے امراء اور احکام مسلمین کو اس تثویب کے ساتھ اس لئے خاص کیا کہ یہ حضرات مسلمانوں کے کاموں میں زیادہ مشغول رہتے ہیں اس وجہ سے ان کو یہ خاص اعلان کر دیا جائے تا کہ ان کی جماعت فوت نہ ہو جائے۔ یہی حکم ان تمام حضرات کیلئے ہے جو مسلمانوں کے کاموں میں مشغول رہتے جیسے مفتی اور قاضی۔

فوائد: اذان کے بعد چالیس آیات پڑھنے کی مقدار ٹھہر کر تثویب کرے۔ جمیل

وَيَجْلِسُ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ اِلَّا فِي الْمَغْرِبِ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَؒ وَقَالَا
اور اذان اور اقامت کے درمیان جلسہ کرے مگر مغرب میں (نہ کرے) اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبینؒ نے کہا
يَجْلِسُ فِي الْمَغْرِبِ اَيْضًا جَلْسَةً خَفِيْفَةً لِاَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْفَصْلِ اِذِ الْوَصْلُ مَكْرُوْهٌ وَلَا يَقَعُ الْفَصْلُ
کہ مغرب میں بھی ہلکا سا جلسہ کرے کیونکہ فصل ضروری ہے اس لئے کہ وصل مکروہ ہے۔ اور فصل سکوت سے نہیں ہوتا
بِالسَّكْتَةِ لِوُجُوْدِهَا بَيْنَ كَلِمَاتِ الْاَذَانِ فَيَفْصِلُ بِالْجَلْسَةِ كَمَا بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ وَلِاَبِي حَنِيْفَةَؒ
اس لئے کہ سکتہ تو کلمات اذان کے درمیان میں بھی موجود ہے پس بیٹھ کر فصل کرے جیسے دو خطبوں کے درمیان ہوتا ہے اور ابو حنیفہؒ کی
اَنَّ التَّاخِيْرَ مَكْرُوْهٌ فَيَكْتَفِيْ بِاَدْنَى الْفَصْلِ اِحْتِرَازًا عَنْهُ وَالْمَكَانُ فِي
دلیل یہ ہے کہ (مغرب میں) تاخیر کرنا مکروہ ہے پس تاخیر سے احتراز کرتے ہوئے کم سے کم فصل پر اکتفاء کرے اور ہمارے (اس) مسئلہ
مَسْاَلَتِنَا مُخْتَلِفٌ وَكَذَا النَّغْمَةُ فَيَقَعُ الْفَصْلُ بِالسَّكْتَةِ وَلَا كَذٰلِكَ الْخُطْبَةُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّؒ
میں مکان مختلف ہے اور اسی طرح آواز بھی (مختلف ہے) لہٰذا سکتہ کے ساتھ فصل ہو جائے گا۔ اور خطبہ ایسا نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ نے دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے کہا
يَفْصِلُ بِرَكْعَتَيْنِ اِعْتِبَارًا بِسَائِرِ الصَّلَوَاتِ وَالْفَرْقُ قَدْ ذَكَرْنَاهُ قَالَ يَعْقُوْبُؒ
دو رکعتوں کے ساتھ فصل کرے۔ اور فرق ہم نے ذکر کر دیا۔ یعقوب (ابو یوسفؒ) نے کہا
رَاَيْتُ اَبَا حَنِيْفَةَؒ يُؤَذِّنُ فِي الْمَغْرِبِ وَيُقِيْمُ وَلَا يَجْلِسُ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ
کہ میں نے ابو حنیفہؒ کو دیکھا کہ مغرب میں اذان دیتے اور اقامت کرتے اور اذان و اقامت کے درمیان نہ بیٹھتے
وَهٰذَا يُفِيْدُ مَا قُلْنَاهُ وَاَنَّ الْمُسْتَحَبَّ كَوْنُ الْمُؤَذِّنِ عَالِمًا بِالسُّنَّةِ
اور یہ قول اس بات کا فائدہ دیتا ہے جو ہم نے کہا اور اس کا بھی (فائدہ دیتا ہے) کہ مستحب یہ ہے کہ اذان دینے والا عالم بالسنۃ ہو

لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيُؤَذِّنُ لَكُمْ خِيَارُكُمْ
کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ تمہارے واسطے وہ اذان دے جو تم میں سے بہتر ہو

اذان اور اقامت کے درمیان جلسہ کا حکم، اقوال فقہاء

تشریح: اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان وصل مکروہ ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اِجْعَلْ بَيْنَ اَذَانِكَ وَاِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْآكِلُ مِنْ اَكْلِهٖ یعنی اے بلالؓ اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اس قدر فصل کر کہ کھانے والا اپنے کھانے سے فراغت پا جائے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مقصود اذان لوگوں کو دخول وقت کی خبر دینا ہے تاکہ وہ نماز کی تیاری کر کے اداء نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہو جائیں اور چونکہ وصل سے یہ مقصود فوت ہو جاتا ہے اس لئے اذان اور اقامت کے درمیان وصل مکروہ اور فصل ضروری ہے۔ پس اگر نماز ایسی ہے جس سے پہلے تطوعا کوئی نماز مسنون یا مستحب ہو تو اذان واقامت کے درمیان نماز کے ساتھ فصل کرے مثلاً فجر کی نماز سے پہلے دو رکعت اور ظہر سے پہلے چار رکعت مسنون ہیں اور عصر سے پہلے چار رکعت اور عشاء سے پہلے چار رکعت استحباب کے درجہ میں ہیں دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ یعنی ہر دو اذان واقامت کے درمیان نماز ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین بار کہی اور تیسری بار فرمایا لِمَنْ شَاءَ فَاِنْ لَمْ يُصَلِّ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِجَلْسَةٍ خَفِيْفَةٍ یعنی تیسری بار فرمایا کہ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو چاہے اگر اس نے نماز نہیں پڑھی تو ان دونوں کے درمیان جلسہ خفیفہ کے ساتھ فصل کرے۔

حاصل یہ کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک سوائے مغرب کے تمام نمازوں میں اذان واقامت کے درمیان جلسہ کرے اور مؤذن کو اسی درمیان میں سنت یا نفل پڑھنا اولیٰ ہے اور مغرب میں امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں:

ایک یہ کہ مغرب کی اذان واقامت کے درمیان سکوت کے ساتھ کھڑے کھڑے اتنی مقدار فصل کرنا مستحب ہے کہ جس میں چھوٹی تین آیات یا بڑی ایک آیت پڑھ سکے۔

دوم یہ کہ اس قدر فصل کرے کہ تین قدم چلنا ممکن ہو۔ صاحبینؒ نے کہا کہ مغرب میں بھی جلسہ کرے مگر بہت مختصر جیسے دو خطبوں کے درمیان ہوتا ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اذان واقامت کے درمیان وصل مکروہ اور فصل ضروری ہے جیسا کہ تمہید میں مذکور ہوا۔

اور یہ بات بھی تقریباً مسلم ہے کہ سکوت کے ساتھ فصل واقع نہیں ہوتا کیونکہ سکوت تو اذان کے کلمات کے درمیان میں بھی پایا جاتا ہے اس لئے بیٹھ کر فصل کرے اگرچہ وہ مختصری کیوں نہ ہو جیسے جمعہ کے دن دو خطبوں میں بیٹھ کر فصل کیا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مغرب میں تاخیر کرنا مکروہ ہے یہی وجہ ہے کہ سابق میں ہم نے کہا تھا کہ غروب کے بعد اور فرض سے پہلے نفل نہ پڑھے پس ادنیٰ فصل یعنی سکتہ پر اکتفاء کرے تا کہ تاخیر سے بھی احتراز ہو جائے اور اذان و اقامت میں فصل بھی واقع ہو جائے۔ اور صاحبینؒ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ مغرب میں اذان و اقامت کے درمیان فصل کو دو خطبوں کے درمیان فصل پر قیاس کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے بایں طور کہ اذان و اقامت کی جگہ مختلف ہوتی ہے اور دونوں میں آواز مختلف ہوتی ہے اس طور پر کہ اذان میں ترسل ہوتا ہے اور اقامت میں حدر ہوتا ہے نیز دونوں میں مؤذن کی ہیئت مختلف ہوتی ہے کیونکہ اذان کے وقت وہ اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں داخل کرتا ہے اور اقامت میں ہاتھ چھوڑے رکھتا ہے۔

اس کے برخلاف خطبہ ہے کہ دونوں خطبوں کی جگہ ایک، دونوں خطبوں میں نغمہ اور آواز متحد اور دونوں خطبوں میں خطیب کی ہیئت متحد ہے پس اس فرق کی موجودگی میں ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا۔

امام شافعیؒ نے کہا کہ مغرب کی اذان اور اقامت میں دو رکعتوں سے فصل کرے اور دلیل میں فرمایا کہ مغرب کو باقی نمازوں پر قیاس کیا جائے۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ مغرب اور دوسری نمازوں کے درمیان فرق ذکر کیا جا چکا، یعنی امام شافعیؒ کا مغرب کو باقی دوسری نمازوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ مغرب میں تاخیر مکروہ ہے اور دوسری نمازوں میں تاخیر مکروہ نہیں ہے پس مغرب کا دوسری نمازوں پر قیاس کیسے صحیح ہوگا۔

صاحب ہدایہؒ جیسے فاضل پر تعجب ہے کہ "باب المواقیت" میں مغرب کے وقت میں امام شافعیؒ کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھا کہ مغرب کا صرف اتنا وقت ہے جس میں وضو، اذان اور اقامت کے بعد صرف تین رکعتیں پڑھ سکے، اور یہاں لکھا کہ اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت کے ساتھ فصل کرے پس یہ دونوں مذہب کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے مغرب کے وقت میں دو قول ہیں جیسا کہ خادم نے امام غزالیؒ کے حوالہ سے باب المواقیت میں ذکر کیا ہے۔ پس مصنفؒ نے باب المواقیت میں امام شافعیؒ کا ایک قول ذکر کیا ہے اور یہاں دوسرے قول کا اعتبار کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مغرب کا اتنا وقت ہے جس میں وضو، اذان اور اقامت کے علاوہ پانچ رکعتیں پڑھ سکے یعنی تین رکعت فرض اور دو رکعت کے ساتھ اذان اور اقامت کے درمیان فصل کرے۔

امام ابو یوسفؒ نے کہا میں نے ابوحنیفہؒ کو دیکھا کہ وہ مغرب میں اذان دیتے اور اقامت کرتے اور اذان و اقامت کے درمیان نہیں بیٹھتے تھے۔

امام ابو یوسفؒ کا یہ قول دو باتوں کو مفید ہے ایک تو وہی جو ہم ذکر کر چکے یعنی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مغرب میں اذان

واقامت کے درمیان جلسہ نہ کرے۔ دوم یہ کہ اذان دینے والا احکام شرع کا عالم ہو۔ رہا یہ کہ یہ کس دلیل سے معلوم ہوا تو جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: لِيُؤَذِّنْ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَقْرَأُكُمْ یعنی تمہارے واسطے وہ اذان کہے جو تم میں سے بہتر ہو اور تمہارے واسطے وہ امام ہو جو اَقْرَأ ہو، یعنی کتاب الٰہی کو خوب پڑھا ہوا ہو۔

وَيُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَةِ وَيُقِيمُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَضَى الْفَجْرَ غَدَاةَ لَيْلَةِ
اور فائتہ نماز کے لئے اذان دے اور اقامت (بھی) کہے کیونکہ حضور ﷺ نے لیلۃ التعریس کے دن نکلنے پر فجر کی نماز کو
التَّعْرِيسِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي اكْتِفَائِهِ بِالْإِقَامَةِ
اذان واقامت کے ساتھ قضا کیا اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف حجت ہے ان کا اقامت پر اکتفاء کرنے میں

فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان واقامت کا حکم

تشریح: مسئلہ فوت شدہ (قضاء) نماز کیلئے اذان دے اور اقامت کہے خواہ اکیلا ہو یا جماعت ہو۔ امام شافعی نے کہا کہ اقامت پر اکتفاء کرنا کافی ہے اذان کی ضرورت نہیں۔

ہماری دلیل لیلۃ التعریس کا واقعہ ہے۔ تعریس کہتے ہیں آخری رات میں کسی مقام پر اتر کر آرام کرنا، یہ واقعہ حدیث کی کتابوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ علامہ ابن الہمامؒ نے ابوداؤد کے حوالہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں إِنَّهُ ﷺ أَمَرَ بِلَالًا بِالْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ حِيْنَ نَامُوْا عَنِ الصُّبْحِ وَصَلُّوْهَا بَعْدَ ارْتِفَاعِ الشَّمْسِ یعنی حضور ﷺ نے بلال کو اذان واقامت کا حکم دیا جس وقت کہ اصحاب رسول ﷺ صبح کی نماز سے سو گئے اور سورج نکلنے کے بعد اس کو ادا کیا۔

شیخینؒ نے اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ لَوْ عَرَّسْتَ بِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَخَافُ أَنْ تَنَامُوْا عَنِ الصَّلَاةِ قَالَ بِلَالٌ أَنَا أُوْقِظُكُمْ فَاضْطَجَعُوْا وَأَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهُ إِلٰى رَاحِلَتِهِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَالَ يَا بِلَالُ أَيْنَ مَا قُلْتَ قَالَ مَا أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِيْنَ شَاءَ يَا بِلَالُ ثُمَّ أَذِّنِ النَّاسَ بِالصَّلَاةِ فَتَوَضَّأَ فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَضَّتْ قَامَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ جَمَاعَةً دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے لیلۃ التعریس کی صبح کو دن نکلنے کے بعد اذان اور اقامت کے ساتھ فجر کی نماز کی قضا فرمائی ہے۔

امام شافعی نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے یعنی أَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلّٰى بِهِمُ الصُّبْحَ یعنی آپ نے بلال کو حکم کیا پھر آپ نے صحابہؓ کو اقامت کے ساتھ نماز پڑھائی۔ اس حدیث میں اذان کا ذکر نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ قضا نماز کے لئے اقامت پر اکتفا کرنا کافی ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ دوسری

صحیح روایتوں میں اذان کا ذکر موجود ہے لہٰذا زیادت پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

ہمارے مسلک کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر جب آپ ﷺ کی چار نمازیں فوت ہو گئیں تو آپ ﷺ نے اذان و اقامت کے ساتھ ان کی قضا فرمائی۔ پس اتنی احادیث صحیحہ کے ہوتے ہوئے امام شافعیؒ کا اختلاف کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

فَإِنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ اَذَّنَ لِلْاُوْلٰى وَاَقَامَ لِمَا رَوَيْنَا
پھر اگر اس کی چند نمازیں فوت ہو جائیں تو پہلی نماز کے لئے اذان دے اور اقامت کہے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی
وَكَانَ مُخَيَّرًا فِي الْبَاقِيْ اِنْ شَاءَ اَذَّنَ وَاَقَامَ لِيَكُوْنَ الْقَضَاءُ عَلٰى حَسْبِ الْاَدَاءِ
اور باقی نمازوں میں اسے اختیار ہے اگر چاہے تو (ہر ایک کیلئے) اذان دے اور اقامت کہے تا کہ قضاء ادا کے مطابق ہو جائے
وَاِنْ شَاءَ اقْتَصَرَ عَلَى الْاِقَامَةِ لِاَنَّ الْاَذَانَ لِلْاِسْتِحْضَارِ وَهُمْ حُضُوْرٌ قَالَ
اور اگر چاہے تو اقامت پر اکتفاء کرے کیونکہ اذان تو حاضر کرنے کے لئے ہوتی ہے اور یہاں سب حاضر ہیں۔ مصنفؒ نے کہا
وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهُ يُقَامُ لِمَا بَعْدَهَا قَالُوْا يَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ هٰذَا قَوْلُهُمْ جَمِيْعًا
کہ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اول کے بعد والی نمازوں کیلئے اقامت کہی جائیگی۔ مشائخ نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ سب کا قول ہو

متعدد فوت شدہ نمازوں میں اول کیلئے اذان واقامت کہے اور بقیہ کیلئے صرف اقامت پر اکتفاء کافی ہے

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی چند نمازیں فوت ہو گئی ہوں تو پہلی نماز کے لئے اذان بھی دے اور اقامت بھی کہے۔ دلیل حدیث لیلۃ التعریس ہے اور باقی نمازوں کے حق میں اختیار ہے۔ جی چاہے ہر نماز کے لئے اذان بھی دے اور اقامت بھی کہے تا کہ قضاء اداء کے موافق ہو جائے اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو علامہ ابن الہمامؒ نے امام ابو یوسفؒ کے واسطے سے بیان کیا ہے۔ اِنَّهُ ﷺ حِيْنَ شَغَلَهُمُ الْكُفَّارُ يَوْمَ الْاَحْزَابِ عَنْ اَرْبَعِ صَلَوَاتٍ عَنِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ قَضَاهُنَّ عَلَى الْوَلَاءِ وَاَمَرَ بِلَالًا اَنْ يُّؤَذِّنَ وَيُقِيْمَ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ غزوۂ احزاب کے موقع پر کفار نے آپ ﷺ کو چار نمازوں سے مشغول کر دیا یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء سے آپ ﷺ نے ان کی علی الترتیب قضاء فرمائی اور بلال کو حکم دیا کہ وہ ان میں سے ہر نماز کے لئے اذان بھی دے اور اقامت بھی کہے اور جی چاہے اقامت پر اکتفاء کرے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اذان ہوتی ہے استحضار کے لئے اور یہاں سب حاضر ہیں اس لئے اذان کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔

غیر روایت اصول میں امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر چند نمازیں فوت ہو جائیں تو پہلی نماز کی قضاء اذان اور اقامت کے ساتھ کرے اور باقی نمازوں کی قضاء صرف اقامت کے ساتھ کرے۔ مشائخ نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ قول امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام ابو حنیفہؒ سب کا ہو۔

وَيَنْبَغِي اَنْ يُؤَذِّنَ وَيُقِيْمَ عَلٰى طُهْرٍ فَاِنْ اَذَّنَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ جَازَ
اور طہارت کی حالت میں اذان دینا اور اقامت کہنا مناسب ہے۔ پس اگر بغیر وضو اذان دے تو جائز ہے
لِاَنَّهٗ ذِكْرٌ وَلَيْسَ بِصَلٰوةٍ فَكَانَ الْوُضُوْءُ فِيْهِ اِسْتِحْبَابًا كَمَا فِي الْقِرَاءَةِ
کیونکہ اذان ذکر ہے نماز نہیں ہے پس اس میں وضو ہونا مستحب ہوگا جیسے قرآن پڑھنے میں ہے

باوضو اذان اور اقامت کہنا مستحب ہے

تشریح: مستحب یہ ہے کہ اذان و اقامت باوضو دی جائے لیکن اگر بغیر وضو اذان دی تو ظاہر الروایہ کے مطابق بلا کراہت جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اذان ذکر اللہ ہے نہ کہ نماز اور ذکر کرنے کیلئے وضو مستحب ہے ہوتا ہے نہ کہ واجب اس لئے اذان دینے کے لئے وضو کرنا مستحب ہے ہوگا جیسا کہ قرآن پڑھنے کے لئے باوضو ہونا مستحب ہے۔

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اذان کے لئے وضو کرنا شرط ہے کیونکہ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤَذِّنُ اِلَّا مُتَوَضِّئٌ یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اذان وہی دے جو باوضو ہو۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس سے استحباب ہی مراد ہوگا۔

وَيُكْرَهُ اَنْ يُقِيْمَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْفَصْلِ بَيْنَ الْاِقَامَةِ وَالصَّلٰوةِ وَيُرْوٰى
اور بے وضو اقامت کہنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں اقامت اور نماز کے درمیان فصل لازم آتا ہے اور روایت کیا گیا کہ
اَنَّهٗ لَا تُكْرَهُ الْاِقَامَةُ اَيْضًا لِاَنَّهٗ اَحَدُ الْاَذَانَيْنِ وَيُرْوٰى اَنَّهٗ يُكْرَهُ الْاَذَانُ اَيْضًا
اقامت بھی مکروہ نہیں ہے کیونکہ وہ بھی دو اذانوں میں سے ایک اذان ہے۔ اور مروی ہے کہ اذان بھی مکروہ ہے
لِاَنَّهٗ يَصِيْرُ دَاعِيًا اِلٰى مَا لَا يُجِيْبُ بِنَفْسِهٖ
کیونکہ وہ ایسی چیز کی طرف دعوت دینے والا ہوگا جس کو وہ خود قبول نہیں کرتا

بے وضو اقامت کہنا مکروہ ہے

تشریح: مسئلہ، بے وضو اقامت کہنا مکروہ ہے کیونکہ اس صورت میں مؤذن کی اقامت اور نماز کے درمیان فصل لازم آتا ہے حالانکہ اقامت نماز سے متصلاً مشروع کی گئی ہے امام کرخیؒ نے روایت کی ہے کہ اقامت بھی بے وضو مکروہ نہیں ہے کیونکہ اقامت

دو اذانوں میں سے ایک ہے اور اذان بلا وضو مکروہ نہیں ہے لہذا اقامت بھی بلا وضو مکروہ نہیں ہوگی۔

اور امام کرخیؒ نے یہ بھی روایت کی ہے کہ بے وضو اذان بھی مکروہ ہے کیونکہ مؤذن اذان کے ذریعہ لوگوں کو نماز کی تیاری کی دعوت دیتا ہے اور خود اس نے تیاری نہیں کی ہے لہذا یہ لوگوں کو ایسی چیز کی طرف دعوت دینے والا قرار پائے گا جس کو خود قبول نہیں کرتا پس یہ باری تعالیٰ کے قول أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ کے تحت داخل ہوگا اس وجہ سے کہا گیا کہ بے وضو اذان بھی مکروہ ہے۔

وَيُكْرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ وَهُوَ جُنُبٌ رِوَايَةً وَاحِدَةً وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلٰى إِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ هُوَ أَنَّ لِلْأَذَانِ شَبَهًا بِالصَّلٰوةِ
اور جنبی ہونے کی حالت میں اذان دینا مکروہ ہے روایت واحدہ ہے۔ اور دو روایتوں میں سے ایک پر وجہ فرق یہ ہے کہ اذان نماز کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے
فَتُشْتَرَطُ الطَّهَارَةُ عَنْ أَغْلَظِ الْحَدَثَيْنِ دُوْنَ أَخَفِّهِمَا عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ
لہذا دونوں مشابہتوں پر عمل کرتے ہوئے اغلظ حدثین سے طہارت شرط ہے نہ کہ اخف حدثین سے اور جامع صغیر میں ہے
إِذَا أَذَّنَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ وَأَقَامَ لَا يُعِيْدُ وَالْجُنُبُ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُعِيْدَ
کہ جب بے وضو اذان دے اور اقامت کہے تو اعادہ نہ کرے۔ اور جنبی (اگر ایسا کرے) تو میرے نزدیک اعادہ کرنا پسندیدہ ہے
وَإِنْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِخِفَّةِ الْحَدَثِ وَأَمَّا الثَّانِيْ فَفِي الْإِعَادَةِ بِسَبَبِ الْجَنَابَةِ
اور اگر اعادہ نہ کرے تو بھی اسے کافی ہے۔ بہر حال اول تو حدث کے خفیف ہونے کی وجہ سے ہے اور رہا ثانی تو جنابت کی وجہ سے
رِوَايَتَانِ وَالْأَشْبَهُ أَنْ يُعَادَ الْأَذَانُ دُوْنَ الْإِقَامَةِ لِأَنَّ تَكْرَارَ الْأَذَانِ مَشْرُوْعٌ
اس کے اعادہ میں دو روایتیں ہیں اور اشبہ بالحق یہ ہے کہ اذان کا اعادہ کیا جائے نہ کہ اقامت کا اس لئے کہ اذان کا تکرار مشروع ہے
دُوْنَ الْإِقَامَةِ وَقَوْلُهُ إِنْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ يَعْنِي الصَّلٰوةَ لِأَنَّهَا جَائِزَةٌ بِدُوْنِ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ
نہ کہ اقامت کا۔ اور امام محمدؒ کا قول إِنْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ یعنی نماز کیونکہ نماز بغیر اذان اور اقامت کے جائز ہے

جنبی کی اذان مکروہ ہے اور اعادہ مستحب ہے

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ بحالت جنابت اذان دینا مکروہ ہے اور اس میں فقط ایک ہی روایت ہے یعنی کراہت کی روایت اور عدم کراہت کی کوئی روایت نہیں ہے اور سابق میں گذر چکا کہ مُحْدِث کی اذان میں کراہت اور عدم کراہت کی دونوں روایتیں ہیں۔ پس جنبی کی اذان اور عدم کراہت کی روایت پر محدث کی اذان کے درمیان وجہ فرق یہ ہے کہ اذان نماز کے مشابہ ہے اس طور پر کہ دونوں کو تکبیر کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے دونوں استقبال قبلہ کے ساتھ ادا ہوتے ہیں اور کلمات اذان اسی طرح مرتب ہیں جس طرح ارکان نماز مرتب ہیں دونوں وقت کے ساتھ خاص ہیں اور دونوں کے درمیان کلام کرنا ممنوع ہے پس اس اعتبار سے اذان

نماز کے مشابہ ہوئی لیکن اذان حقیقۃً نماز نہیں ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ اذان من وجہ نماز کے مشابہ ہے اور من وجہ مشابہ نہیں ہے پس اگر مشابہت کا اعتبار کیا جائے تو اذان حدث کے ساتھ بھی ناجائز ہونی چاہیے اور جنابت کے ساتھ بھی۔

اور اگر عدم مشابہت کا اعتبار کیا جائے تو دونوں صورتوں میں اذان بلا کراہت جائز ہونی چاہیے پس ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کیا چنانچہ جنابت کی صورت میں نماز کے ساتھ مشابہت کا اعتبار کرتے ہوئے کہا کہ اذان کیلئے طہارت شرط ہے لہٰذا بحالت جنابت اذان دینا مکروہ ہوا۔

اور حدث کی صورت میں نماز کے ساتھ عدم مشابہت کا اعتبار کرتے ہوئے کہا کہ اذان کے لئے طہارت شرط نہیں ہے لہٰذا بحالت حدث اذان دینا مکروہ نہیں ہوگا۔

امام محمدؒ نے جامع صغیر میں کہا کہ اگر بغیر وضو اذان دی اور اقامت کہی تو اذان واقامت کا اعادہ نہ کرے، اور اگر جنبی نے اذان دی اور اقامت کہی تو میرے نزدیک اعادہ کرنا مستحب ہے۔

شرح طحاوی میں مذکور ہے کہ چار آدمیوں کی اذان کا اعادہ کرنا مستحب ہے (۱) جنبی (۲) عورت (۳) نشہ میں مست (۴) دیوانہ، لیکن اگر جنبی کی اقامت واذان کا اعادہ نہیں کیا تو بھی کافی ہے۔ بہر حال محدث کی اذان اور اس کی اقامت کا اعادہ نہ کرنا اس لئے ہے کہ حدث خفیف نجاست ہے۔ اور رہا ثانی یعنی جنبی کی اذان واقامت تو اس میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ اعادہ کرے اور دوم یہ کہ اعادہ نہ کرے اشبہ بالفقہ یہ ہے کہ جنبی کے اذان کا اعادہ کیا جائے اور اقامت کا اعادہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اذان کے اندر فی الجملہ تکرار مشروع ہے جیسے جمعہ میں اذان دو بار دی جاتی ہے لیکن اقامت کا تکرار مشروع نہیں۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام محمدؒ کا قول اِنْ لَّمْ یُعِدْ اَجْزَاَہٗ اس کی مراد یہ ہے کہ نماز کافی ہے کیونکہ نماز تو بغیر اذان اور اقامت کے جائز ہے لہٰذا بغیر اعادہ کے بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔

قَالَ وَكَذٰلِكَ الْمَرْاَةُ تُؤَذِّنُ مَعْنَاهُ يُسْتَحَبُّ اَنْ يُّعَادَ لِيَقَعَ عَلٰى وَجْهِ السُّنَّةِ
مصنفؒ نے کہا کہ یہی حکم عورت کی اذان کا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ عورت کی اذان کا اعادہ کرنا مستحب ہے تاکہ سنت کے طریق پر واقع ہو

عورت کی اذان بدعت ہے اور اس کا اعادہ مستحب ہے

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح جنبی کی اذان کا اعادہ کرنا مستحب ہے اسی طرح اگر عورت نے اذان دی ہے تو اس کا اعادہ بھی مستحب ہے تاکہ اذان مسنون طریقہ پر واقع ہو کیونکہ مسنون یہ ہے کہ مؤذن مرد ہو۔

اور عورت کا اذان دینا مسنون نہیں بدعت ہے کیونکہ اگر عورت نے بآواز بلند اذان دی تو اس نے فعل حرام کا ارتکاب کیا

اس لئے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہوتی ہے یعنی جس طرح عورت واجب الستر ہے اسی طرح اس کی آواز بھی واجب الستر ہے اور اگر اس نے آواز بلند نہیں کی تو مقصود اذان فوت ہو گیا اس لئے مستحب یہ ہے کہ اس کی اذان کا اعادہ کیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عورتوں پر نہ اذان ہے اور نہ اقامت کیونکہ یہ دونوں نماز باجماعت کی سنتیں ہیں اور عورتوں کی جماعت منسوخ ہو گئی۔ ہاں اگر وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیں تو بغیر اذان اور بغیر اقامت کے پڑھیں۔ حدیث رائطہؒ دلیل ہے قَالَتْ کُنَّا جَمَاعَةً مِنَ النِّسَاءِ اَمَّتْنَا عَائِشَةُ بِلَا اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ رائطہ کہتی ہیں کہ ہم عورتوں کی جماعت کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بلا اذان اور بلا اقامت امامت کرتی تھیں۔

وَلَا يُؤَذَّنُ لِصَلٰوةٍ قَبْلَ دُخُوْلِ وَقْتِهَا وَيُعَادُ فِي الْوَقْتِ لِاَنَّ الْاَذَانَ
اور کسی نماز کے لئے اس کے وقت کے داخل ہونے سے پہلے اذان نہ دی جائے اور وقت کے اندر لوٹائی جائے کیونکہ اذان تو
لِلْاِعْلَامِ وَقَبْلَ الْوَقْتِ تَجْهِيْلٌ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَؒ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّؒ
(دخول وقت کی) خبر دینے کے لئے ہے اور وقت سے پہلے (اذان دینا) لوگوں کو جہالت میں ڈالنا ہے۔ اور ابو یوسفؒ نے کہا اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے
يَجُوْزُ لِلْفَجْرِ فِي النِّصْفِ الْاَخِيْرِ مِنَ اللَّيْلِ لِتَوَارُثِ اَهْلِ الْحَرَمَيْنِ وَالْحُجَّةُ عَلَى الْكُلِّ
کہ فجر کے واسطے رات کے نصف اخیر میں (اذان دینا) جائز ہے کیونکہ اہل حرمین سے توارثاً منقول ہے اور سب کے خلاف حجت
قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِبِلَالٍؓ لَا تُؤَذِّنْ حَتّٰى يَسْتَبِيْنَ لَکَ الْفَجْرُ هٰکَذَا وَمَدَّ يَدَهٗ عَرْضًا
حضرت بلالؓ سے حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ تو اذان مت دے یہاں تک کہ تیرے لئے فجر اس طرح ظاہر ہو جائے اور اپنے اپنے دونوں ہاتھ چوڑان میں پھیلائے

نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے اذان معتبر نہیں

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے اذان معتبر نہیں ہوگی چنانچہ اگر کسی نے وقت سے پہلے اذان کہدی ہو تو وقت کے اندر اس کا اعادہ کیا جائے...... دلیل یہ ہے کہ اذان سے مقصود لوگوں کو دخول وقت نماز کی خبر دینا ہے اور وقت سے پہلے اذان دینا لوگوں کو جہالت میں ڈالنا ہے اس لئے وقت سے پہلے اذان شرعاً معتبر نہیں ہوگی۔ حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے کہ فجر کے واسطے رات کے نصف اخیر میں اذان دینا جائز ہے۔ ان حضرات سے ایک روایت یہ ہے کہ تمام رات فجر کی اذان کا وقت ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اہل مکہ اور اہل مدینہ کے نزدیک یہ بات متوارثاً چلی آرہی ہے کہ فجر کے واسطے رات کے نصف اخیر میں اذان دیتے ہیں اور حضور ﷺ نے فرمایا اِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى تَسْمَعُوْا اَذَانَ

ابْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ یعنی بلالؓ رات میں اذان دیتے ہیں سو تم کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ کی اذان سنو۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلالؓ فجر سے پہلے ہی رات میں اذان دے دیا کرتے تھے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ حدیث ہمارے لئے حجت ہے نہ کہ ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے لئے، کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ اذان نماز تہجد اور سحری کھانے کے لئے تھی نہ کہ نماز فجر کیلئے نماز فجر کے لئے حضرت ابن ام مکتوم کی اذان تھی جو دخول وقت فجر کے بعد ہوتی تھی۔ ورنہ حَتّٰى تَسْمَعُوْا اَذَانَ ابْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ کا کیا مطلب ہوگا۔ ان حضرات کے خلاف یہ حدیث بھی حجت ہوگی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو اذان مت دے یہاں تک کہ فجر ظاہر ہو جائے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ چوڑان میں پھیلا کر اشارہ کیا جس سے صبح صادق کی طرف اشارہ تھا۔

اور ابن عبد البرؒ نے ابراہیمؒ سے روایت کی قَالَ كَانُوْا اِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ قَالُوْا لَهٗ اِتَّقِ اللّٰهَ وَ عُدْ اَذَانَكَ ابراہیم تابعی کہتے ہیں کہ صحابہؓ کی یہ شان تھی کہ جب کوئی مؤذن رات میں اذان دے دیتا تو اس سے فرماتے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور اپنی اذان کا اعادہ کر۔

لیکن اگر اعتراض کیا جائے کہ حدیث میں آیا ہے لَا يَغُرَّنَّكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ بلال کی اذان تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقت سے پہلے اذان دے دیا کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ہمارے لئے حجت ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے بلالؓ کی اذان کا اعتبار نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ سحری کھانے اور اس کا اعتبار کرنے سے منع کیا ہے۔

وَالْمُسَافِرُ يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِابْنَيْ اَبِيْ مُلَيْكَةَ اِذَا سَافَرْتُمَا
اور مسافر اذان دے اور اقامت کہے کیونکہ حضور ﷺ نے ابو ملیکہ کے دو بیٹوں سے فرمایا جب تم سفر کرو تو
فَاَذِّنَا وَاَقِيْمَا فَاِنْ تَرَكَهُمَا جَمِيْعًا يُكْرَهُ وَلَوِ اكْتَفٰى بِالْاِقَامَةِ جَازَ لِاَنَّ الْاَذَانَ
اذان دو اور اقامت کہو پس اگر دونوں کو ترک کرے تو مکروہ ہے اور اگر اقامت پر اکتفاء کرے تو جائز ہے کیونکہ اذان تو
لِاسْتِحْضَارِ الْغَائِبِيْنَ وَالرُّفْقَةُ حَاضِرُوْنَ وَالْاِقَامَةُ لِاِعْلَامِ الْاِفْتِتَاحِ
غائب لوگوں کو حاضر کرنے کیلئے ہوتی ہے اور سفر کے ساتھی سب حاضر ہیں اور اقامت نماز شروع کرنے کی خبر دینے کے لئے ہوتی ہے
وَهُمْ اِلَيْهِ مُحْتَاجُوْنَ فَاِنْ صَلّٰى فِيْ بَيْتِهٖ فِي الْمِصْرِ يُصَلِّيْ بِاَذَانٍ وَاِقَامَةٍ
اور وہ سب اس کے محتاج ہیں۔ پھر اگر وہ اپنے گھر میں شہر کے اندر نماز پڑھے تو بھی اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھے

لِيَكُوْنَ الْاَدَاءُ عَلٰى هَيْأَةِ الْجَمَاعَةِ وَاِنْ تَرَكَهُمَا جَازَ
تاکہ ادائے نماز جماعت کی صورت میں ہو۔ اور اگر وہ اذان واقامت دونوں کو چھوڑ دے تو بھی جائز ہے
لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَذَانُ الْحَيِّ يَكْفِيْنَا
کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ محلہ کی اذان ہمیں کافی ہے

مسافر کیلئے اذان اور اقامت کا حکم

تشریح: مسئلہ ہے کہ مسافر کو اذان واقامت دونوں کہنا چاہیے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ابو ملیکہ کے دو صاحبزادوں کو فرمایا تھا اِذَا سَافَرْتُمَا فَاَذِّنَا وَاَقِيْمَا.

صاحب نہایہؒ نے لکھا ہے کہ مبسوط میں یہ حدیث ابو ملیکہ کے بیٹوں کے علاوہ کے خطاب کے ساتھ مذکور ہے وَقَالَ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ لِمَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ وَابْنِ عَمٍّ لَهُ اِذَا سَافَرْتُمَا فَاَذِّنَا وَاَقِيْمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا اَكْثَرُكُمَا قُرْآنًا وَرَوٰى فَخْرُ الْاِسْلَامِ وَلْيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا سِنًّا. حضور ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مالک بن الحویرث اور ان کے چچازاد بھائی سے کہا جب تم دونوں سفر کرو تو اذان دو اقامت کہو اور تم دونوں میں سے امامت وہ کرے جو تم میں سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہو۔ اور فخر الاسلام نے روایت کیا کہ امامت وہ کرے جو تم میں عمر میں بڑا ہو۔

ابوداؤد اور نسائی میں ہے کہ يَعْجَبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِيْ غَنَمٍ فِيْ رَأْسِ شَظِيَّةٍ يُؤَذِّنُ بِالصَّلَاةِ وَيُصَلِّيْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ لِلصَّلَاةِ يَخَافُ مِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ وَاَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ یعنی تیرا رب پسند کرتا ہے اس بکریوں کے چرواہے کو جو پہاڑ کی چوٹی پر اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندہ کو دیکھو کہ اذان دیتا ہے اور نماز کیلئے اقامت کہتا ہے مجھ سے ڈرتا ہے، میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا اور اُسے جنت میں داخل کروں گا۔

اور حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ بِاَرْضِ فَلَاةٍ فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَلْيَتَوَضَّأْ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ مَاءً فَلْيَتَيَمَّمْ فَاِنْ اَقَامَ صَلّٰى مَعَهُ مَلَكَانِ وَاِنْ اَذَّنَ وَاَقَامَ صَلّٰى خَلْفَهُ مِنْ جُنُوْدِ اللّٰهِ مَالَا يُرٰى طَرَفَاهُ (رواہ عبدالرزاق)

یعنی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ جب آدمی کسی میدان میں تنہا ہو پس نماز کا وقت آیا تو

وضو کرے اور اگر پانی نہ پاوے تو تیمم کرے۔ پھر اگر اس نے اقامت کہی تو دو فرشتے اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اگر اس نے اذان دی اور اقامت کہی تو اس کے پیچھے اللہ کے لشکروں سے اس قدر نماز پڑھتے ہیں کہ جن کے کناروں کو وہ دیکھ نہیں سکتا۔

ان احادیث سے معلوم ہو گیا کہ اذان کا مقصود صرف یہی نہیں کہ مؤذن لوگوں کا حاضری کا اعلان کرے بلکہ یہ بھی ہے کہ اللہ کا نام اور اس کا دین اس کی زمین پر بلند ہو اور جنگلوں میں اس کے بندوں میں سے جنات اور انسان وغیرہ کو یاد دلائے جن کو مؤذن اپنی نظر سے نہیں دیکھتا۔ (فتح القدیر)

مصنفؒ نے کہا کہ اگر مسافر نے اذان اور اقامت دونوں کو چھوڑ دیا تو یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ حضرت مالک بن الحویرثؓ کی حدیث کے مخالف ہے۔ اور اگر اقامت کہی اور اذان کو چھوڑ دیا تو یہ جائز ہے دلیل یہ ہے کہ اذان کا مقصد غائب لوگوں کو نماز کا وقت داخل ہونے کی خبر دینا ہے تاکہ وہ تیار ہو کر نماز کیلئے آجائیں اور یہاں حال یہ ہے کہ رفقاء سفر سب موجود ہیں اس لئے اس صورت میں اذان کی چنداں ضرورت نہیں رہی اور اقامت کہی جاتی ہے نماز شروع ہونے کی اطلاع دینے کے واسطے اور ظاہر ہے کہ وہ سب اس کے محتاج ہیں۔

پھر اگر شہر کے اندر اپنے گھر میں نماز پڑھنا چاہے تو بھی اذان و اقامت کے ساتھ پڑھے، خواہ تنہا پڑھے یا جماعت کے ساتھ پڑھے تاکہ ادائے نماز بصورت جماعت ہو۔

اور اگر دونوں کو ترک کر دیا تو بھی جائز ہے دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ نے علقمہؒ اور اسودؒ کو بغیر اذان اور بغیر اقامت کے نماز پڑھائی، کسی نے عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ آپ نے نہ اذان دی اور نہ اقامت کہی تو فرمایا **اَذَانُ الْحَيِّ يَكْفِيْنَا** ہم کو محلہ کی اذان کافی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ مؤذن اذان اور اقامت میں اہل محلہ کا نائب ہوتا ہے کیونکہ اہل محلہ نے اس کو اس کام کے لئے مقرر کیا ہے۔ پس جو شخص محلہ میں حقیقۃً بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھے گا تو وہ حکماً ان دونوں کے ساتھ نماز پڑھنے والا ہوگا۔ اس وجہ سے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ اس کے برخلاف مسافر کہ جب اس نے بغیر اذان و اقامت کے تنہا نماز پڑھی تو وہ ان دونوں کو چھوڑنے والا حقیقۃً بھی ہوگا اور حکماً بھی پس یہ حقیقۃً بھی تارک جماعت ہوا اور تَشَبُّهاً بھی اور نماز باجماعت کو ترک کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح تَشَابُهَۃً بالجماعت کو ترک کرنا بھی مکروہ ہے۔ جمیل احمد غفرلہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بَابُ شُرُوْطِ الصَّلٰوۃِ الَّتِیْ تَتَقَدَّمُھَا

(یہ) باب نماز کی ان شرطوں کے (بیان میں) ہے جو نماز پر مقدم ہوتی ہیں

اس موقع کیلئے تین لفظ بولے جاتے ہیں (۱) شروط (۲) شرائط (۳) اشراط۔ عامۃ الکتب میں پہلا لفظ مذکورہ ہے۔ شروط، شرط بسکون الراء کی جمع ہے۔ لغوی معنی علامت کے ہیں اور اصطلاحی معنی وہ چیز جس پر کسی چیز کا پایا جانا موقوف ہو اور یہ اس چیز میں داخل نہ ہو، شروط نماز تین قسم پر ہیں۔ اول شرط انعقاد، جیسے نیت، تحریمہ، وقت، جمعہ کا خطبہ، دوم شرط دوام جیسے طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ، سوم شرط بقاء جیسے قراءت، کفایہ، گزشتہ صفحات میں نماز کے اسباب یعنی اوقات کا ذکر ہوا پھر علامت اوقات یعنی اذان کا ذکر ہوا۔ اب اس باب میں نماز کی ان شرطوں کو بیان کریں گے جو نماز پر مقدم ہوتی ہیں۔

یَجِبُ عَلَی الْمُصَلِّیْ اَنْ یُّقَدِّمَ الطَّھَارَۃَ مِنَ الْاَحْدَاثِ وَالْاَنْجَاسِ عَلٰی مَا قَدَّمْنَاہُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی
مصلی پر واجب ہے کہ احداث اور انجاس سے طہارت کو مقدم کرے اسی کے مطابق جو ہم نے بیان کیا ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا
وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا وَیَسْتُرُ عَوْرَتَہٗ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی
وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا اور اپنے ستر کو چھپائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ اَیْ مَا یُوَارِیْ عَوْرَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ
کہ اپنی زینت کو ہر مسجد کے نزدیک لے لو یعنی ہر نماز کے وقت وہ چیز لے لو جو تمہارے ستر کو چھپا دے
وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَا صَلٰوۃَ لِحَائِضٍ اِلَّا بِخِمَارٍ اَیْ لِبَالِغَۃٍ
اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی حائضہ یعنی بالغہ کی نماز نہیں ہوتی مگر اوڑھنی کے ساتھ

نمازی کیلئے احداث وانجاس سے طہارت حاصل کرنا ضروری ہے

تشریح: یہاں واجب بمعنی فرض ہے۔ یعنی نمازی پر فرض ہے کہ وہ ہر قسم کے حدث سے طہارت کو مقدم کرے۔ حدث خواہ موجب وضو ہو یا غسل ہو اور طہارت کو مقدم کرے نجاستوں سے یہ طہارت اسی طریقہ پر ہوگی جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں دلیل باری تعالیٰ کا قول وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ اور وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا ہے۔

اور دوسری شرط اپنی عورت کو چھپانا ہے۔ یعنی اپنے اس قدر بدن کو چھپانا شرط ہے کہ جس کا کھلنا قبیح اور بے حیائی شمار ہوتا ہے۔ یہ ہمارے نزدیک اور امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اور عامۃ الفقہاء کے نزدیک شرط ہے۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ یعنی لو اپنی زینت کو نزدیک ہر مسجد کے۔ آیت میں زینت سے مراد ساتر عورت چیز ہے۔ اور مسجد سے

نماز مراد ہے اب ترجمہ ہوگا لو وہ چیز جو چھپائے تمہاری عورت کو ہر نماز کے نزدیک پس اس آیت سے نماز کے اندر ستر عورت کا فرض ہونا ثابت ہوگیا۔ لیکن ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت ننگے ہوکر طواف کرنے والوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ نہ کہ نماز کے حق میں لہٰذا اس آیت سے نماز میں ستر عورت کی فرضیت کس طرح ثابت ہوسکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے۔ نہ کہ خصوص سبب کا اور عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ عام ہے مسجد حرام کی تخصیص نہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ تَعَالٰى صَلٰوةَ حَائِضٍ اِلَّا بِخِمَارٍ حائض سے مراد بالغہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ بالغہ کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتا۔

یہاں یہ اشکال ہوگا کہ ستر عورت کی فرضیت پر جو آیت اور حدیث صاحب ہدایہؒ نے پیش کی ہے اس سے ستر عورت کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ آیت خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ الآیہ طواف کے حق میں مفید وجوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برہنہ ہوکر طواف کرنا شرعاً معتبر ہے اگرچہ گناہ گار ہوگا۔ پس اگر نماز کے حق میں فرضیت کا فائدہ دے تو لفظ خُذُوْا وجوب اور فرض دونوں معنی میں مستعمل ہوگا اور یہ ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں جمع بین الحقیقت والمجاز لازم آئے گا۔ اور رہی حدیث تو وہ خبر واحد ہے۔ اور خبر واحد فرضیت کا فائدہ نہیں دیتی اس وجہ سے یہ حدیث مفید فرضیت نہیں ہوگی۔

جواب یہ ہے کہ آیت خُذُوْا الآیہ اگرچہ قطعی الدلالت نہیں لیکن قطعی الثبوت ہے۔ اور حدیث خبر واحد ہونے کی وجہ سے اگرچہ ظنی الثبوت ہے لیکن اداۃ حصر کی وجہ سے قطعی الدلالت ہے پس ان دونوں کے مجموعہ کی وجہ سے فرضیت ثابت ہوجائے گی۔

وَعَوْرَةُ الرَّجُلِ مَا تَحْتَ السُّرَّةِ اِلَى الرُّكْبَةِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَوْرَةُ الرَّجُلِ

اور مرد کا ستر (یعنی واجب الستر جسم) اس کی ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مرد کا ستر

مَا بَيْنَ سُرَّتِهٖ اِلٰى رُكْبَتِهٖ وَيُرْوٰى مَا دُوْنَ سُرَّتِهٖ حَتّٰى تُجَاوِزَ رُكْبَتَهٗ

ناف اور اس کے گھٹنے کے مابین ہے۔ اور مروی ہے کہ اس کی ناف کے نیچے سے یہاں تک کہ اس کے گھٹنے سے تجاوز کر جائے

وَبِهٰذَا يَتَبَيَّنُ اَنَّ السُّرَّةَ لَيْسَتْ مِنَ الْعَوْرَةِ خِلَافًا لِمَا يَقُوْلُهُ الشَّافِعِيُّ وَالرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ خِلَافًا لَهٗ اَيْضًا

اور اس سے ظاہر ہوگیا کہ ناف ستر سے نہیں ہے۔ بخلاف اس کے جو امام شافعیؒ نے فرمایا۔ اور گھٹنا ستر سے ہے یہ بھی امام شافعیؒ کے خلاف ہے

وَكَلِمَةُ اِلٰى نَحْمِلُهَا عَلٰى كَلِمَةِ مَعَ عَمَلًا بِكَلِمَةِ حَتّٰى وَعَمَلًا بِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ الرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ

اور کلمہ الی کو ہم مع کے معنی پر محمول کرتے ہیں۔ کلمہ حتّٰی پر عمل کرتے ہوئے اور حضور ﷺ کے قول الرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ پر عمل کرتے ہوئے

مرد کا ستر، گھٹنا ستر میں داخل ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

تشریح: اس عبارت میں مرد کے جسم عورت یعنی واجب الستر جسم کی تحدید کی گئی ہے چنانچہ ہمارے علمائے ثلاثہؒ کے

نزدیک مرد کا جسم عورت ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے۔ یعنی ناف عورت نہیں البتہ گھٹنا عورت ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا برعکس ہے۔ یعنی ناف عورت ہے اور گھٹنہ عورت نہیں۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول عَوْرَةُ الرَّجُلِ مَابَيْنَ سُرَّتِهٖ اِلٰى رُكْبَتِهٖ اور ایک روایت ہے کہ مَادُوْنَ سُرَّتِهٖ حَتّٰى تَجَاوَزَ رُكْبَتَهٗ یعنی مرد کا جسم عورت ناف اور اس کے گھٹنے کے مابین ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ ناف کے نیچے سے ہے حتی کہ گھٹنے سے تجاوز کر جائے۔

ان دونوں حدیثوں سے ظاہر ہو گیا کہ ناف داخل عورت نہیں ہے البتہ گھٹنہ داخل عورت ہے۔ لیکن اگر اشکال کیا جائے کہ روایت اولی میں کلمہ الی غایت کے لئے ہے اور غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی لہذا گھٹنہ مرد کے جسم عورت میں داخل نہیں ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کلمہ اِلٰى کو مَعَ کے معنی پر محمول کرلیں گے جیسے باری تعالیٰ کا قول وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ میں اِلٰى مَعَ کے معنی میں ہے اور اس پر قرینہ ایک تو وہ حدیث ہے جس میں حَتّٰى تَجَاوَزَ رُكْبَتَهٗ ہے اور دوسرے حضور ﷺ کا قول اَلرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ ہے حاصل یہ کہ ان تینوں روایات میں تطبیق اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ کلمہ الی کو مع کے معنی پر محمول کیا جائے۔

وَبَدَنُ الْحُرَّةِ كُلُّهَا عَوْرَةٌ اِلَّا وَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ
اور آزاد عورت کا پورا بدن ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور اس کی دونوں ہتھیلیوں کے اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے
اَلْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ مَسْتُوْرَةٌ وَاسْتِثْنَاءُ الْعُضْوَيْنِ لِلْاِبْتِلَاءِ بِاِبْدَائِهِمَا قَالَ وَهٰذَا
اَلْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ مَسْتُوْرَةٌ اور دونوں عضو کا استثناء ان دونوں کے ظاہر کرنے کے ابتلاء کی وجہ سے ہے۔ مصنفؒ نے کہا کہ یہ (یعنی قدوری کا متن)
تَنْصِيْصٌ عَلٰى اَنَّ الْقَدَمَ عَوْرَةٌ وَيُرْوٰى اَنَّهَا لَيْسَتْ بِعَوْرَةٍ وَهُوَ الْاَصَحُّ
اس بات پر نص ہے کہ عورت کا قدم بھی ستر ہے اور روایت کیا جاتا ہے کہ قدم عورت نہیں ہے اور یہی اصح ہے

چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا آزاد عورت کا سارا بدن ستر ہے

تشریح: آزاد عورت کا پورا بدن عورت ہے سوائے اس کے چہرے کے اور اس کی ہتھیلیوں کے۔ دلیل عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ اِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اَلْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ عورت عورت ہے یعنی واجب الستر ہے پس جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اسکو نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ صاحب ہدایہؒ نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اَلْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ مَسْتُوْرَةٌ۔ مولانا عبدالحیؒ نے کہا کہ لفظ مستورۃ میں نے کسی روایت میں نہیں پایا۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت کا حق یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو چھپائے اور چہرے اور کفین کا استثناء

اس لئے کیا ہے کہ بالعموم ضرورت میں ان دونوں عضو کو ظاہر کرنے میں مبتلا کرنا پڑتا ہے کیونکہ کام کاج اور لین دین میں ان کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اس کی تائید ابوداؤد کی حدیث مرسل سے بھی ہوتی ہے۔ إِنَّ الْجَارِيَةَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ يَصْلُحْ أَنْ يُرٰى مِنْهَا إِلَّا وَجْهُهَا وَيَدَاهَا إِلَى الْمِفْصَلِ یعنی لڑکی جب بالغہ ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اس سے کچھ دیکھا جائے سوائے اس کے چہرے کے اس کے ہاتھوں کے پہونچے تک۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ قدوریؒ کا متن اس بات پر بصراحت دلالت کرتا ہے کہ عورت کا قدم بھی عورت ہے کیونکہ تمام بدن سے صرف چہرے اور ہتھیلیوں کا استثناء کیا ہے۔

اور امام حسنؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا کہ دونوں قدم بھی عورت نہیں ہیں اور یہی اصح ہے امام کرخیؒ بھی اسی کے قائل ہیں قول اصح کی دلیل یہ ہے کہ عورت کے قدم کو دیکھ کر اس درجہ اشتہاء حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ اس کے چہرے کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ پس جب کثرت اشتہاء کے باوجود چہرہ عورت نہیں تو قدم بدرجہ اولیٰ عورت نہیں ہوگا۔

فوائد: خیال رہے کہ چہرے کے عورت نہ ہونے اور اس کو دیکھنے کے جائز ہونے میں تلازم نہیں ہے کیونکہ نظر کا حلال ہونا شہوت کا خوف نہ ہونے کے ساتھ متعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کے چہرے اور امرد کے چہرے کو دیکھنا حرام ہے۔ حالانکہ یہ عورت نہیں ہے۔ کیونکہ شہوت کا احتمال قوی ہے۔

فَإِنْ صَلَّتْ وَرُبُعُ سَاقِهَا مَكْشُوفٌ أَوْ ثُلُثُهَا تُعِيدُ الصَّلٰوةَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَؒ وَ مُحَمَّدٍؒ
پھر اگر آزاد عورت نماز پڑھے اس حال میں کہ اس کی چوتھائی پنڈلی یا تہائی پنڈلی کھلی ہوئی ہو تو وہ طرفینؒ کے ہاں نماز کا اعادہ کرے
وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنَ الرُّبُعِ لَا تُعِيدُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَؒ لَا تُعِيدُ
اور اگر چوتھائی سے کم کھلی ہو تو اعادہ نہ کرے۔ اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ (نماز کا) اعادہ نہ کرے۔
إِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنَ النِّصْفِ لِأَنَّ الشَّيْءَ إِنَّمَا يُوصَفُ بِالْكَثْرَةِ إِذَا كَانَ مَا يُقَابِلُهُ أَقَلَّ مِنْهُ
اگر نصف سے کم (کھلی) ہو اس لئے کہ شئی کثرت کے ساتھ جب ہی متصف ہوتی ہے جبکہ اس کا مقابل اس سے کمتر ہو۔
إِذْ هُمَا مِنْ أَسْمَاءِ الْمُقَابَلَةِ وَفِي النِّصْفِ عَنْهُ رِوَايَتَانِ فَاعْتَبَرَ الْخُرُوجَ
اس لئے کہ وہ دونوں اسماء مقابلہ میں سے ہیں اور نصف (کی صورت) میں ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں پس آپ نے حد قلت سے نکلنے
عَنْ حَدِّ الْقِلَّةِ أَوْ عَدَمَ الدُّخُولِ فِي ضِدِّهِ وَلَهُمَا أَنَّ الرُّبُعَ يَحْكِي حِكَايَةَ الْكَمَالِ
یا اس کی ضد میں داخل نہ ہونے کا اعتبار کیا۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ چوتھائی بھی پوری کی حکایت کرتا ہے
كَمَا فِي مَسْحِ الرَّأْسِ وَالْحَلْقِ فِي الْإِحْرَامِ وَمَنْ رَأَى وَجْهَ غَيْرِهِ
جیسے سر کے مسح میں اور احرام کی حالت میں چوتھائی سر منڈوانے میں اور جس نے دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھا

يُخْبِرُ عَنْ رُؤْيَتِهٖ وَإِنْ لَمْ يَرَ إِلَّا أَحَدَ جَوَانِبِهِ الْأَرْبَعَةِ
تو وہ اس کو دیکھنے کی خبر دیتا ہے۔ اگرچہ اس نے چاروں طرف میں سے ایک ہی طرف دیکھا ہو

آزاد عورت کتنی پنڈلی کھلنے پر نماز کا اعادہ کرے؟، اقوال فقہاء

تشریح۔ عبارت میں رُبع کے ذکر کے بعد ثلث کا ذکر ہے بے فائدہ ہے۔ کیونکہ رُبع کے ذکر کے بعد ثلث کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ امام محمدؒ کی کتاب میں ثلث کا ذکر کاتب کا سہو ہے اسی وجہ سے علامہ فخرالاسلامؒ اور عامۃ المشائخ نے اس کو نقل نہیں کیا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ امام محمد کے شاگردوں میں سے راوی کو شبہ ہوا کہ رُبع فرمایا یا ثلث۔

بہر حال حاصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر آزاد عورت نے نماز پڑھی اس حال میں کہ اس کی چوتھائی پنڈلی کھلی ہے تو اس پر نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے۔ اور اگر چوتھائی سے کم کھلی ہو تو اعادہ واجب نہیں۔ یہ حکم طرفینؒ کے مذہب کے مطابق ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر نصف سے کم کھلی ہو تو نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے اور نصف پنڈلی کھلنے کی صورت میں امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اس صورت میں بھی اعادہ واجب نہیں ہے دوم یہ کہ اعادہ واجب ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے علماء کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ عضو کے قلیل حصہ کا کھلنا معاف ہے اور کثیر کا کھلنا معاف نہیں ہے البتہ قلیل و کثیر کی حد فاصل میں اختلاف ہے چنانچہ طرفینؒ نے کہا کہ چوتھائی کی مقدار کثیر ہے۔ اور اس سے کم قلیل ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ نصف سے کم قلیل ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ کوئی شئی کثرت کے ساتھ اسی وقت متصف ہو سکتی ہے۔ جبکہ اس کے مقابلہ میں اس سے کم ہو۔ کیونکہ قلیل و کثیر کے درمیان تقابلِ تضایف کا علاقہ ہے۔

حاصل یہ کہ نصف سے کم کثیر نہیں ہے بلکہ قلیل ہے اور مقدار قلیل کے کھلنے سے نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوتا۔ اسلئے کہا گیا کہ اگر نصف پنڈلی سے کم کھلی ہو تو نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوگا۔ اور نصف کی صورت میں دونوں روایتوں کی دلیل یہ ہے کہ نصف جب حد قلت سے نکل گیا کیونکہ اس کے مقابلے میں اس سے زائد نہیں تو وہ حد کثرت میں داخل ہو گیا اور چونکہ مقدار کثیر کے کھل جانے سے نماز کا اعادہ واجب ہو جاتا ہے اس لئے اس صورت میں نماز وَاجِبُ الْإِعَادَةِ ہوگی اور اگر یوں کہا جائے کہ نصف قلیل کی ضد یعنی کثیر میں داخل نہیں ہوا کیونکہ اس کے مقابلہ میں نصف آخر ہے جو اس سے کم نہیں ہے پس نصف کثرت کی حد میں داخل نہیں ہوا اور جب کثرت کی حد میں داخل نہیں ہوا تو نصف مقدار قلیل ہوگا اور قلیل مقدار کے کھلنے سے نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوتا اس لئے اس صورت میں نماز وَاجِبُ الْإِعَادَةِ نہیں ہوگی۔

طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے احکام اور کلام کے استعمال کے مواقع میں چوتھائی کل کے قائم مقام ہوتا ہے مثلاً سر

کے مسح میں چوتھائی سر پورے سر کے قائم مقام ہے۔ اسی طرح اگر محرم نے احرام کی حالت میں سر منڈایا تو قربانی واجب ہوتی ہے اور اگر چوتھائی سر منڈایا تب بھی اس کے مثل قربانی واجب ہوگی پس معلوم ہوا کہ چوتھائی سر پورے سر کے قائم مقام ہے۔ محاورات میں بھی یہی حال ہے چنانچہ اگر کسی نے کسی کے رخ کی چار جانبوں میں سے ایک کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں نے اس کو دیکھا تو صحیح ہے پس جب چوتھائی کو کل کا حکم حاصل ہے تو چوتھائی پنڈلی کھلنے سے کہا جائے گا کہ پوری پنڈلی کھل گئی ہے اور پوری پنڈلی کھلنے سے نماز کا اعادہ واجب ہے لہٰذا چوتھائی کھلنے سے بھی نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔

وَالشَّعْرُ وَالْبَطْنُ وَالْفَخِذُ كَذٰلِكَ يَعْنِيْ عَلٰى هٰذَا الْاِخْتِلَافِ لِاَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ عُضْوٌ عَلٰى حِدَةٍ
اور بال پیٹ اور ران بھی (حکم میں) اسی طرح ہیں یعنی اسی اختلاف پر ہیں کیونکہ ہر ایک علیحدہ عضو ہے
وَالْمُرَادُ بِهِ النَّازِلُ مِنَ الرَّاْسِ هُوَ الصَّحِيْحُ وَاِنَّمَا وُضِعَ غَسْلُهُ فِي الْجَنَابَةِ لِمَكَانِ الْحَرَجِ
اور مراد بالوں سے وہ ہیں جو سر سے نیچے لٹکے ہوئے ہیں یہی صحیح ہے۔ اور غسل جنابت میں ان کا دھونا حرج کی وجہ سے ساقط کیا گیا ہے
وَالْعَوْرَةُ الْغَلِيْظَةُ عَلٰى هٰذَا الْاِخْتِلَافِ وَالذَّكَرُ يُعْتَبَرُ بِانْفِرَادِهٖ وَكَذَا الْاُنْثَيَانِ وَهٰذَا هُوَ الصَّحِيْحُ دُوْنَ الضَّمِّ
اور عورت غلیظہ بھی اسی اختلاف پر ہے اور ذکر تنہا معتبر ہے اور دونوں خصیے (بھی) اسی طرح (علیحدہ معتبر) ہیں اور یہی صحیح ہے نہ کہ دونوں کو ملا کر (ایک عضو اعتبار کیا جائے)

آزاد عورت کے بال، پیٹ اور ران سے کتنی مقدار ستر کھل جائے کہ نماز کا اعادہ واجب ہے؟

تشریح: مسئلہ بال، پیٹ اور ران کا یہی حکم ہے یعنی اسی اختلاف پر ہے جو ابھی گذرا یعنی طرفینؒ کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کا چوتھائی کھل جانا جواز صلوٰۃ کے لئے مانع ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک روایت میں نصف کا کھلنا مانع صلوٰۃ ہے اور نصف سے زائد کا کھلنا تمام روایات میں مانع صلوٰۃ ہے۔

دلیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ عضو ہے لہٰذا پنڈلی کے مانند ہر ایک میں اختلاف جاری ہوگا اور یہاں بالوں سے مراد وہ ہیں جو سر سے نیچے لٹکے ہوئے ہیں یہی صحیح ہے وہ مراد نہیں جو سر سے ملحق ہیں کیونکہ وہ بالاتفاق ستر ہیں۔

وَاِنَّمَا وُضِعَ غَسْلُهُ الخ سے ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ سر سے نیچے لٹکے ہوئے بال اگر عورت ہیں تو وہ اس کا بدن ہونے کی وجہ سے عورت ہوں گے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ غسل جنابت میں ان کا دھونا لازم نہیں ہے۔ حالانکہ بدن کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس کا غسل جنابت میں دھونا لازم نہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ سر سے نیچے لٹکے ہوئے بال عورت کا بدن نہیں ہیں اور جب بدن نہیں تو عورت بھی نہیں ہوں گے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ غسل جنابت میں لٹکے ہوئے بالوں کو دھونا لازم نہ ہونا اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس کے بدن سے نہیں بلکہ خلقۃً اس کے بدن کا جز ہیں کیونکہ اس کے ساتھ متصل ہیں لیکن ان کا دھونا حرج کی وجہ سے ساقط ہوگیا۔

بھی پندرہ دن ہوں گے۔ اسی وجہ سے اقل مدت سفر پر قیاس کرتے ہوئے اقل مدت حیض تین دن کے ساتھ مقدر کی گئی ہے اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نماز اور روزے میں مؤثر ہے۔

اور اکثر طہر کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے لہٰذا جب تک وہ طہر دیکھے تو نماز و روزہ ادا کرتی رہے خواہ یہ طہر اس کی پوری زندگی گھیر لے کیونکہ بسا اوقات طہر ایک ایک دو دو سال تک دراز ہو جاتا ہے بلکہ اس سے بھی زائد ہو جاتا ہے اس لئے اکثر طہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی جاسکتی، ہاں اگر عورت کو خون آنا مستمر ہو جائے تو اس صورت میں عامۃ العلماء کے نزدیک کوئی نہ کوئی مقدار ضرور مقرر کی جائے گی۔ چنانچہ اگر عورت کو ابتداء خون آنا شروع ہوا اور وہ بند نہ ہوا تو یہ عورت استحاضہ کے ساتھ بالغ ہوئی پس اس عورت کے واسطے ہر ماہ میں سے دس روز حیض کے قرار دیئے جائیں گے اور باقی ایام طہر ہیں پس اگر مہینہ تیس دن کا ہو تو طہر کے بیس روز ہوں گے اور اگر مہینہ انتیس کا ہو تو طہر کے انیس دن ہوں گے۔

اور اگر عورت بالغ ہوئی اور اس نے تین روز خون دیکھا اور ایک سال یا دو سال پاک رہی پھر مسلسل خون آتا رہا تو اس صورت میں اول کے تین دن حیض کے ہوں گے اور پھر ایک سال یا دو سال طہر کے ہوں گے۔ چنانچہ اگر اس کے شوہر نے اس کو طلاق دیدی تو اس کی عدت تین سال یا چھ سال اور نو دن ہوں گے۔

اور محمد بن شجاعؒ نے کہا کہ اس عورت کا طہر انیس دن کا ہوگا کیونکہ ہر مہینہ میں حیض کی اکثر مدت دس دن ہیں اور باقی طہر ہیں اور دس دن حیض کے نکال کر انیس دن یقینی ہیں اور محمد بن سلمہؒ نے کہا کہ اس کا طہر ۲۷ دن ہیں کیونکہ حیض کی ادنیٰ مدت تین دن ہیں اور باقی ۲۷ دن طہر کے ہوں گے۔

اور محمد بن ابراہیم المیدانیؒ نے کہا کہ اس کا طہر ایک ساعت کم چھ ماہ ہیں کیونکہ اقل مدت جس میں حیض نہیں آتا چھ ماہ ہیں یعنی ادنیٰ مدت حمل اور اصل یہ ہے کہ مدت طہر مدت حمل سے کم ہوتی ہے اس لئے ہم نے ایک ساعت کم کر دی لہٰذا اس قول کی بنا پر اس عورت کی عدت تین ساعت کم ۱۹ ماہ ہوں گے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ عورت کو حالت حیض میں طلاق دی گئی پس اس کی عدت تین طہر اور تین حیض ہوں گے۔ اور ایک طہر ایک ساعت کم چھ ماہ کا ہے اور ایک حیض دس دن کا ہے پس سب مل کر تین ساعت کم ۱۹ ماہ ہوں گے۔

اور حاکم شہیدؒ نے کہا کہ اس عورت کا طہر دو ماہ کا ہوگا۔ اور بعض حضرات ایک طہر کی مدت ایک ساعت کم چار ماہ کے قائل ہیں۔ صاحب عنایہ اور کفایہ اور فتح القدیر نے لکھا ہے کہ فتویٰ حاکمؒ کے قول پر ہے۔

وَدَمُ الْاِسْتِحَاضَةِ كَالرُّعَافِ لَا يَمْنَعُ الصَّوْمَ وَ لَا الصَّلٰوةَ وَ لَا الْوَطْيَ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَوَضَّئِيْ
اور استحاضہ کا خون نکسیر کے خون کی طرح نہ روزے کو روکتا ہے اور نہ نماز کو اور نہ وطی کو، کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے
وَصَلِّيْ وَاِنْ قَطَرَ الدَّمُ عَلَى الْحَصِيْرِ وَلَمَّا عُرِفَ حُكْمُ الصَّلٰوةِ ثَبَتَ حُكْمُ الصَّوْمِ وَالْوَطْيِ بِنَتِيْجَةِ الْاِجْمَاعِ
کہ تو وضو کر اور نماز پڑھ اگرچہ خون چٹائی پر ٹپکے۔ اور جب نماز کا حکم معلوم ہو گیا تو روزے اور وطی کا حکم بہ نتیجۂ اجماع ثابت ہو گیا

مرد سے واجب ہے۔

قَالَ وَلَوْ لَمْ يَجِدْ مَا يُزِيْلُ بِهِ النَّجَاسَةَ صَلّٰى مَعَهَا وَلَمْ يُعِدْ
کہا اور اگر نمازی نے ایسی چیز نہ پائی جس سے نجاست کو زائل کرے تو اسی نجس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے اور اعادہ نہ کرے
وَهٰذَا عَلٰى وَجْهَيْنِ اِنْ كَانَ رُبْعُ الثَّوْبِ اَوْ اَكْثَرُ مِنْهُ طَاهِرًا يُصَلِّيْ فِيْهِ وَلَوْ صَلّٰى عُرْيَانًا لَا يُجْزِئُهُ
اور یہ دو صورتوں پر ہے۔ اگر چوتھائی یا اس سے زائد کپڑا پاک ہو تو اسی میں نماز پڑھے، اور اگر ننگے پڑھی تو جائز نہ ہوگی
لِاَنَّ رُبْعَ الشَّيْءِ يَقُوْمُ مَقَامَ كُلِّهٖ وَاِنْ كَانَ الطَّاهِرُ اَقَلَّ مِنَ الرُّبْعِ فَكَذٰلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ اَحَدُ
کیونکہ شیء کا چوتھائی کل کے قائم مقام ہوتا ہے اور اگر چوتھائی سے کم کپڑا پاک ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک یہی حکم ہے اور یہی امام شافعیؒ کے دو قولوں
قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ لِاَنَّ فِي الصَّلٰوةِ فِيْهِ تَرْكَ فَرْضٍ وَاحِدٍ وَفِي الصَّلٰوةِ عُرْيَانًا تَرْكَ الْفُرُوْضِ
میں سے ایک قول ہے کیونکہ نجس کپڑے میں نماز پڑھنے میں ایک فرض کا چھوڑنا ہے اور ننگے نماز پڑھنے میں چند فرضوں کا ترک کرنا لازم آتا ہے
وَعِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ يَتَخَيَّرُ بَيْنَ اَنْ يُصَلِّيَ عُرْيَانًا وَبَيْنَ اَنْ يُصَلِّيَ فِيْهِ وَهُوَ الْاَفْضَلُ
اور شیخینؒ کے نزدیک اس کو ننگے نماز پڑھنے اور نجس کپڑے میں نماز پڑھنے کے درمیان اختیار ہے اور یہی افضل ہے
لِاَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَانِعُ جَوَازِ الصَّلٰوةِ حَالَةَ الْاِخْتِيَارِ وَيَسْتَوِيَانِ فِيْ حَقِّ الْمِقْدَارِ فَيَسْتَوِيَانِ فِيْ
کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک حالتِ اختیار میں مانع جوازِ صلوٰۃ ہے اور مقدار کے حق میں دونوں برابر ہیں لہٰذا نماز کے حکم میں بھی
حُكْمِ الصَّلٰوةِ وَتَرْكُ الشَّيْءِ اِلٰى خَلَفٍ لَا يَكُوْنُ تَرْكًا وَالْاَفْضَلِيَّةُ لِعَدَمِ
دونوں برابر ہوں گے۔ اور کسی شیء کا ترک (اس طرح کہ) خلیفہ موجود ہے ترک نہیں ہے اور افضلیت ستر کا
اِخْتِصَاصِ السَّتْرِ بِالصَّلٰوةِ وَاِخْتِصَاصِ الطَّهَارَةِ بِهَا
نماز کے ساتھ خاص نہ ہونے اور طہارت کا نماز کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے ہے

اگر صرف ناپاک کپڑا میسر ہو تو اسی کپڑے میں نماز پڑھنے کا حکم

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس نجس کپڑوں کے علاوہ کوئی دوسرا کپڑا نہ ہو اور ایسی چیز بھی موجود نہیں جس سے نجاست کو زائل کرے تو اسی نجس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے اور پھر اس نماز کا اعادہ بھی نہ کرے۔

اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر چوتھائی کپڑا یا اس سے زائد پاک ہو تو لازماً اسی کپڑے میں نماز پڑھے اور اگر ننگے ہو کر پڑھی تو جائز نہ ہوگی کیونکہ چوتھائی کل کے مرتبہ میں ہوتا ہے پس چوتھائی کپڑے کا پاک ہونا گویا کل کا پاک ہونا ہے اور پاک کپڑے کو چھوڑ کر ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اس لئے اسی کپڑے میں نماز پڑھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر چوتھائی کپڑے سے کم پاک ہو تو اس میں اختلاف ہے چنانچہ امام محمدؒ کے نزدیک اسی نجس کپڑے میں نماز پڑھنا واجب ہے اور ننگے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ یہی امام مالکؒ کا قول ہے اور یہی امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ننگے پڑھے۔

امام محمدؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ نجس کپڑے میں نماز پڑھنے سے ایک فرض کو ترک کرنا لازم آتا ہے یعنی طہارت ثوب کو ترک کرنا لازم آئے گا۔ اور اگر ننگے ہو کر نماز پڑھی تو کئی فرضوں کا ترک کرنا لازم آئے گا، مثلاً ستر عورت، قیام، رکوع اور سجود کیونکہ ننگا آدمی بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھتا ہے تو ستر عورت کے علاوہ قیام، رکوع، اور سجود کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایک فرض کو ترک کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت چند فرض ترک کرنے کے اس لئے اسی نجس کپڑے میں نماز پڑھنا واجب ہے۔

اور شیخینؒ کے نزدیک اس کو اختیار دیا گیا کہ چاہے ننگے نماز پڑھے اور چاہے اسی کپڑے میں پڑھے البتہ اسی نجس کپڑے میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

دلیل یہ ہے کہ کشف عورت اور نجاست ان دونوں میں سے ہر ایک حالت اختیار میں مانع جواز صلوٰۃ ہے یعنی اگر بدن کا ڈھکنا ممکن ہو اور دھونا میسر ہو تو جسم عورت کا کھلنا اور کپڑے کا نجس ہونا دونوں میں سے ہر ایک مانع جواز صلوٰۃ ہے۔

اور مقدار کے حق میں دونوں برابر ہیں یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے اندر قلیل معاف ہے اور کثیر معاف نہیں۔ پس جب دونوں مقدار کے حق میں برابر ہیں تو نماز کے حق میں بھی برابر ہوں گے۔ یعنی جس طرح اس نجس کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے اسی طرح ننگے پڑھنا بھی جائز ہے۔

رہا امام محمدؒ کا یہ کہنا کہ ننگے نماز پڑھنے کی صورت میں چند فرضوں کا ترک کرنا لازم آتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح چھوڑنا کہ اس کا خلیفہ موجود ہے اسکو چھوڑنا نہیں کہا جاتا اور یہاں یہی بات ہے کیونکہ ننگے نماز پڑھنے کی صورت میں اگر قیام، رکوع، سجود ترک ہو گیا مگر اس کا خلیفہ یعنی اشارہ موجود ہے رہی یہ بات کہ ننگے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں اسی نجس کپڑے میں نماز پڑھنا کیوں افضل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ستر یعنی بدن چھپانا نماز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں واجب ہے اور طہارت نماز کی حالت کے ساتھ مخصوص ہے۔

حاصل یہ کہ ستر کا فرض ہونا اقوی ہے بہ نسبت فرضیت طہارت کے اس لئے ہم نے کہا کہ ننگے ہو کر نماز پڑھنے کے مقابلہ میں نجس کپڑے میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ ثَوْبًا صَلّٰى عُرْيَانًا قَاعِدًا يُوْمِئُ بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ هٰكَذَا فَعَلَهُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ
اور جس نے کپڑا نہ پایا تو نماز ننگے بیٹھ کر پڑھے درآنحالیکہ رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرے (کیونکہ) رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اسی طرح کیا ہے
فَاِنْ صَلّٰى قَائِمًا اَجْزَاَهُ لِاَنَّ فِي الْقُعُوْدِ سَتْرَ الْعَوْرَةِ الْغَلِيْظَةِ وَفِي الْقِيَامِ
پھر اگر ننگا کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو اس کو جائز ہے کیونکہ بیٹھ کر پڑھنے میں عورت غلیظہ (شرمگاہ) کی پردہ پوشی ہے اور کھڑے ہو کر

اَدَاءُ هٰذِهِ الْاَرْكَانِ فَيَمِيْلُ اِلٰى اَيِّهِمَا شَاءَ اِلَّا اَنَّ الْاَوَّلَ اَفْضَلُ لِاَنَّ السَّتْرَ وَجَبَ لِحَقِّ الصَّلٰوةِ
پڑھنے میں ان ارکان کو ادا کرنا ہے پس ان میں سے جس کی طرف چاہے مائل ہو مگر اول افضل ہے کیونکہ ستر حق نماز اور لوگوں کے حق
وَحَقِّ النَّاسِ وَلِاَنَّهُ لَا خَلَفَ لَهُ وَالْاِيْمَاءُ خَلَفٌ عَنِ الْاَرْكَانِ
کی وجہ سے واجب ہے اور اس لئے کہ ستر کا کوئی خلیفہ نہیں اور اشارہ ارکان کا خلیفہ ہے

اگر کپڑا میسر نہ ہو تو بیٹھ کر ننگے نماز پڑھے

تشریح: ۔مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس کپڑا موجود نہ ہو نہ پاک اور نہ ناپاک۔ تو یہ شخص بیٹھ کر ننگے نماز پڑھے اور رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہؓ نے یوں ہی کیا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے **اِنَّهُ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَكِبُوْا فِيْ سَفِيْنَةٍ فَانْكَسَرَتْ بِهِمُ السَّفِيْنَةُ فَخَرَجُوْا مِنَ الْبَحْرِ عُرَاةً فَصَلَّوْا قُعُوْدًا۔**

حضرت انس بن مالکؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ ایک کشتی میں سوار ہوئے پھر کشتی ٹوٹ گئی پس وہ حضرات دریا سے برہنہ نکلے اور بیٹھ کر نماز پڑھی۔

اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ **اِنَّهُمَا قَالَا الْعَارِيْ يُصَلِّيْ قَاعِدًا بِالْاِيْمَاءِ**

حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ ننگا آدمی بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔ یہاں ایک اشکال ہو سکتا ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ نے عمران بن الحصینؓ سے فرمایا **صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا** یعنی نماز کھڑے ہو کر پڑھو اور اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو، یہ حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ننگے کیلئے بیٹھ کر فرض ادا کرنا جائز نہ ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ننگا حکماً قیام پر قادر نہیں ہے کیونکہ اس کیلئے اس کا چھپانا (عورت غلیظہ) جس کے چھپانے پر قادر ہے بغیر رکوع، سجود اور قیام کو ترک کیے ممکن نہیں پس یہ شخص حکماً قیام سے عاجز ہو گیا اور جب قیام سے عاجز ہو گیا تو بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہو گا۔

اور اگر ننگے نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں عورت غلیظہ کا ستر ہے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں یہ ارکان یعنی رکوع، سجود اور قیام ادا ہو جائیں گے پس دونوں صورتوں میں سے جس طرف چاہے مائل ہو جائے مگر اول یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ پردہ کرنا نماز کے حق اور لوگوں کے حق دونوں کی وجہ سے واجب ہے اور طہارت صرف نماز کے حق کی وجہ سے واجب ہے۔ نیز ستر عورت کی فرضیت زیادہ مؤکد ہے بہ نسبت رکوع اور سجود کی فرضیت کے دلیل یہ ہے کہ نفل نماز سواری پر سوار ہو کر اشارہ سے پڑھ سکتا ہے۔ لیکن بحالت قدرت بغیر ستر عورت کے نماز کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے اور چونکہ ننگے کے حق میں بیٹھ کر نماز پڑھنے میں ستر ہے بہ نسبت کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے اس لئے ہم نے کہا کہ ننگے کے حق میں بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ستر کا کوئی خلیفہ نہیں۔ اور ارکان یعنی رکوع سجود وغیرہ کا خلیفہ اشارہ ہے اور قاعدہ ہے کہ **ترک الی خلف** اولیٰ ہے۔ بہ نسبت **ترک لا الی خلف** کے پس اگر ننگے نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو رکوع، سجود کا **ترک الی خلف** ہوگا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو ستر کا **ترک لا الی خلف** ہوگا۔ اور ابھی گزر چکا کہ **ترک الی خلف** اولیٰ ہے **ترک لا الی خلف** سے۔ اس لئے ننگے کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے بہ نسبت کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے۔

قَالَ وَيَنْوِیْ الصَّلٰوةَ الَّتِیْ يَدْخُلُ فِيْهَا بِنِيَّةٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ التَّحْرِيْمَةِ بِعَمَلٍ
فرمایا اور نیت کرے اس نماز کی جس میں داخل ہوتا ہے ایسی نیت کے ساتھ کہ اس نیت اور تحریمہ کے درمیان کسی کام سے فصل نہ کرے
وَالْاَصْلُ فِيْهِ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَلِاَنَّ اِبْتِدَاءَ الصَّلٰوةِ بِالْقِيَامِ وَهُوَ مُتَرَدِّدٌ
اور اصل اس میں حضور ﷺ کا قول اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ہے اور اس لئے کہ نماز کی ابتدا قیام سے ہے اور قیام عادت اور عبادت
بَيْنَ الْعَادَةِ وَالْعِبَادَةِ وَلَا يَقَعُ التَّمْيِيْزُ اِلَّا بِالنِّيَّةِ وَالْمُتَقَدِّمُ عَلَى التَّكْبِيْرِ كَالْقَائِمِ عِنْدَهٗ اِذَا لَمْ يُوْجَدْ
کے درمیان متردد ہے اور تمیز واقع نہ ہوگی مگر نیت کے ساتھ اور جو نیت تکبیر سے پہلے کرلی وہ گویا تکبیر کے وقت قائم ہے بشرطیکہ ایسا عمل
مَا يَقْطَعُهٗ وَهُوَ عَمَلٌ لَا يَلِيْقُ بِالصَّلٰوةِ وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْمُتَاَخِّرَةِ مِنْهَا عَنْهُ
(درمیان میں) نہ پایا جائے جو اس کو قطع کردے اور یہ ایسا عمل ہے جو نماز کے لائق نہ ہو اور جو نیت تکبیر سے پیچھے ہو وہ معتبر نہیں ہے
لِاَنَّ مَا مَضٰى لَا يَقَعُ عِبَادَةً لِعَدَمِ النِّيَّةِ وَفِی الصَّوْمِ جُوِّزَتْ لِلضَّرُوْرَةِ
کیونکہ جو عبادت (نیت سے پہلے) گزری وہ نیت نہ ہونے کی وجہ سے عبادت واقع نہ ہوگی۔ اور روزہ میں ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دی گئی
وَالنِّيَّةُ هِیَ الْاِرَادَةُ وَالشَّرْطُ اَنْ يَعْلَمَ بِقَلْبِهٖ اَیَّ صَلٰوةٍ يُصَلِّیْ اَمَّا الذِّكْرُ بِاللِّسَانِ فَلَا
اور نیت ارادہ کا نام ہے اور شرط نیت یہ ہے کہ اپنے قلب کے ساتھ جانے کہ کون سی نماز پڑھتا ہے۔ رہا زبان سے ذکر کرنا تو اس کا
مُعْتَبَرَ بِهٖ وَيَحْسُنُ ذٰلِكَ لِاجْتِمَاعِ عَزِيْمَتِهٖ ثُمَّ اِنْ كَانَتِ الصَّلٰوةُ نَفْلًا يَكْفِيْهِ مُطْلَقُ النِّيَّةِ وَكَذَا اِذَا
کچھ اعتبار نہیں ہے اور یہ اچھا ہے اس کے عزم قلبی کے مجتمع ہونے کی وجہ سے پھر اگر نماز نفل ہو تو اس کو مطلق نیت کافی ہے اور اسی طرح صحیح
كَانَتْ سُنَّةً فِی الصَّحِيْحِ وَاِنْ كَانَتْ فَرْضًا فَلَا بُدَّ مِنْ تَعْيِيْنِ فَرْضٍ كَالظُّهْرِ مَثَلًا لِاخْتِلَافِ الْفُرُوْضِ
قول میں ہے اگر نماز سنت ہو۔ اور اگر نماز فرض ہو تو فروض کے مختلف ہونے کی وجہ سے فرض کا متعین کرنا ضروری ہے۔ جیسے ظہر مثلاً

نماز کی نیت کب اور کیسے کرے

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جس نماز میں داخل ہوتا ہے اس کی نیت کرے بشرطیکہ نیت اور تحریمہ کے درمیان کوئی منافی

صلوٰۃ عمل نہ پایا جائے۔ مثلاً نیت کے بعد کھانے پینے یا باتوں میں مشغول ہو گیا پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کی تو یہ نیت معتبر نہ ہوگی۔ مصنف ہدایہؒ یہاں چند چیزوں میں کلام کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) نفس نیت (۲) وہ اصل اور دلیل جس کی وجہ سے نیت واجب ہوئی ہے (۳) نیت کا وقت (۴) نیت کی کیفیت۔

فاضل مصنف نے اولاً اس اصل کو بیان فرمایا ہے جس سے نیت ثابت ہوئی۔ چنانچہ فرمایا کہ نیت کی شرط لگانے میں اصل حضور ﷺ کا قول اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ ہے۔ تقریر یوں کی جائے گی کہ نماز ایک عمل ہے اور اعمال متعلق ہیں نیتوں کے ساتھ لہٰذا نماز بھی نیت کے ساتھ متعلق ہوگی اور جو نماز بغیر نیت پڑھی جائے گی وہ در حقیقت نماز ہی نہیں ہوگی۔

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ حدیث میں اعمال سے پہلے لفظ حکم مقدر ہے اور حکم سے مراد حکم آخروی یعنی ثواب ہے۔ تو اب مطلب یہ ہوگا کہ اعمال کا حکم اخروی یعنی ثواب نیتوں پر موقوف ہے نہ کہ نفس عمل نیت پر موقوف ہے تو اب حاصل یہ ہوا کہ بغیر نیت کے نفس نماز درست ہو جائے گی اگرچہ اس پر ثواب مرتب نہیں ہوگا۔

اور بعض کا خیال ہے کہ اعمال سے پہلے لفظ ثواب مقدر ہے یعنی ثَوَابُ الْاَعْمَالِ بِالنِّیَاتِ اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے نہ کہ نفسِ اعمال نیت پر موقوف ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حکم سے مراد عام ہے دنیوی ہو یا اخروی کیونکہ حکم اخروی امر ہونے پر کوئی وجہ تخصیص نہیں ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیں کہ اخروی حکم یعنی ثواب مراد ہے یا لفظ ثواب ہی مقدر مانا جائے تو بھی بغیر نیت کے عدم صحت عبادات ثابت ہو جائے گا کیونکہ عبادات محضہ میں ثواب ہی مقصود ہے اور قاعدہ ہے کہ مقصود شی کے باطل ہونے سے شی وہی باطل ہو جاتی ہے پس جب نیت کے نہ ہونے کی وجہ سے ثواب کا ترتب نہیں ہوا تو گویا نماز ہی نہیں ہوئی اس وجہ سے صحت نماز کیلئے نیت شرط قرار دی گئی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ نماز کی ابتدا قیام سے ہوتی ہے اور قیام عادت اور عبادت کے درمیان دائر ہے۔ یعنی آدمی کبھی عادۃً کھڑا ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ پس چونکہ دونوں قیام صورت میں ایک ہی طرح کے ہیں اس لئے دونوں کے درمیان مَابِہِ الْاِمْتِیَاز نیت ہوگی۔ اس وجہ سے نماز کے واسطے نیت شرط قرار دی گئی۔

وَالْمُتَقَدِّمُ عَلَی التَّکْبِیْرِ الخ سے نیت کے وقت میں کلام ہے چنانچہ فرمایا کہ اگر تکبیر سے پہلے نیت کر لی تو وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے تکبیر کے وقت نیت کی ہے۔ حاصل یہ کہ اصل تو یہ ہے کہ نیت تکبیر کے مقارن اور متصل ہو۔ لیکن اگر تکبیر تحریمہ سے پہلے کر لی اور نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کوئی منافی نماز اور قاطع نماز عمل نہیں پایا گیا تو بھی درست ہے۔ مثلاً امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر وضو کے وقت نیت کی کہ ظہر کی نماز امام کے ساتھ پڑھوں گا اور وضو کے بعد کسی منافی صلوٰۃ کام میں مشغول نہیں ہوا اور مسجد چلا گیا اور جس وقت نماز شروع کی اس وقت اس کے دل میں نیت موجود نہیں تھی تو اسی نیت سے اس کی یہ نماز جائز ہو جائے گی ایسا ہی شیخینؒ سے مروی ہے۔

اور اگر نیت اور تحریمہ کے درمیان منافی نماز اور قاطع نماز عمل پایا گیا تو یہ نیت کافی نہیں ہوگی۔ مثلاً وضو کے وقت امام کے

ساتھ ظہر کی نماز پڑھنے کی نیت کی پھر کھانے یا پینے میں لگ گیا تو اب اس کو ازسرنو نماز کی نیت کرنی ضروری ہوگی۔ پہلی نیت کافی نہ ہوگی۔

اور اگر نیت تکبیر تحریمہ کے بعد کی تو وہ شرعاً معتبر نہ ہوگی کیونکہ جو اجزاء تکبیر کے بعد اور نیت سے پہلے گزر گئے وہ نیت نہ ہونے کی وجہ سے عبادت نہیں ہوں گے۔ اور چونکہ باقی اجزاء انہیں اجزاء پر موقوف ہیں اس لئے وہ بھی عبادت واقع نہ ہوں گے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ تحریمہ کے بعد اگر نیت کی گئی تو وہ نماز جائز نہیں ہوگی۔

حضرت امام کرخیؒ نے کہا کہ تحریمہ کے بعد بھی نیت معتبر ہے رہی یہ بات کہ تحریمہ کے بعد کب تک معتبر ہوگی تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ ثناء کے ختم ہونے تک نیت کرسکتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ تعوذ تک نیت معتبر ہے۔ اور بعض نے کہا کہ رکوع سے سر اٹھانے تک نیت کرسکتا ہے اس کے برخلاف روزے کی نیت کہ اس کا اول جز میں پایا جانا شرط نہیں بلکہ صبح صادق کے بعد بھی اگر نیت کرلی جائے تو جائز ہوگا کیونکہ طلوع فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہے پس اگر اول وقت میں نیت کی شرط لگادی جائے تو لوگ تنگی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اور تنگی لوگوں سے دور کی گئی ہے اس لئے اول وقت میں روزہ کی نیت شرط قرار نہیں دی گئی اور رہی نماز تو وہ بیداری کے وقت شروع کی جاتی ہے لہٰذا اول وقت نماز یعنی تحریمہ کے وقت نیت کو شرط قرار دینے میں کوئی تنگی نہیں۔

وَالنِّيَّةُ هِيَ الْاِرَادَةُ الخ سے نفس نیت کا بیان ہے۔ فرمایا کہ نیت ارادہ کا نام ہے یعنی ارادہ خاص کا نام نیت ہے اور وہ اللہ کے واسطے نماز کا ارادہ ہے اور نیت کی شرط یہ ہے کہ اپنے دل کے ساتھ جانے کہ کون سی نماز پڑھتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ جب اس سے دریافت کیا جائے تو اس کیلئے بلا البدیہہ جواب دینا ممکن ہو کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہوں اور اگر اس نے جواب میں توقف کیا تو سمجھا جائے گا اس کو اس کا علم نہیں کہ کونسی نماز پڑھتا ہے۔ اور رہا زبان سے ذکر کرنا تو جواز کے حق میں اسکا اعتبار نہیں ہے لیکن زبان سے ذکر کرنا اچھا ہے تاکہ اس کا عزم قلبی مجتمع ہو جائے۔

ثُمَّ اِنْ كَانَتِ الصَّلٰوةُ نَفْلًا الخ سے نیت کی کیفیت کا بیان ہے۔ حاصل یہ کہ جس نماز کو شروع کرنا چاہتا ہے وہ فرض ہوگی یا غیر فرض۔ اگر غیر فرض ہے تو اس میں مطلق نیت کافی ہے نفل ہو یا سنت صحیح قول یہی ہے کیونکہ نیت عادت اور عبادت کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اور یہ مقصد مطلق نیت سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لئے مطلق نیت کافی ہوگی۔

اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اگر سنتیں پڑھنا چاہتا ہے تو سنت رسول ﷺ کی نیت کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ سنتوں میں نفل مطلق پر ایک زائد صفت ہے اس لئے اس صفِ زائد کی نیت کرنا ضروری ہوگا مطلق نیت کافی نہیں ہے۔

اور اگر وہ نماز فرض ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کو منفرداً ادا کرے دوم یہ کہ امام کی اقتداء میں ادا کرے پس اگر وہ منفرد ہے تو جس نماز میں داخل ہوتا ہے اس کو متعین کرنا ضروری ہے مثلاً ظہر پڑھنا چاہتا ہے تو ظہر کو متعین کرنا ضروری ہے صرف یہ کہنا کافی نہیں ہوگا کہ میں نے فرض کی نیت کی کیونکہ فرض مختلف ہیں اس لئے ان میں امتیاز کرنا ضروری ہوگا۔

وَاِنْ كَانَ مُقْتَدِيًا بِغَيْرِهٖ يَنْوِي الصَّلٰوةَ وَمُتَابَعَتَهٗ
اور اگر نمازی اپنے غیر کی اقتداء کرنے والا ہو تو وہ نماز کی اور غیر کی متابعت کی (بھی) نیت کرے
لِاَنَّهٗ يَلْزَمُهٗ فَسَادُ الصَّلٰوةِ مِنْ جِهَتِهٖ فَلَا بُدَّ مِنَ الْتِزَامِهٖ
کیونکہ مقتدی کو امام کی جانت سے فساد نماز لازم آتا ہے۔ پس متابعت کا التزام ضروری ہے

مقتدی اقتداء کی نیت بھی کرے

تشریح: اس عبارت میں دوسری صورت کا بیان ہے۔ یعنی اگر فرض نماز دوسرے کی اقتداء میں ادا کرے تو مذکورہ بالا نیت کے علاوہ اقتداء کی نیت بھی کرے۔ کیونکہ مقتدی کو امام کی جانب سے فساد نماز لازم آتا ہے۔ یعنی اگر امام کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے متابعت کی نیت کرنا ضروری ہوا تاکہ جو فساد لازم آیا اس کا ضرر اس پر اس کے قبول کرنے و لازم کرنے سے ہو۔

قَالَ وَ يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ثُمَّ مَنْ كَانَ بِمَكَّةَ
فرمایا اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "سو تم پھیر دو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف"۔ پھر جو شخص مکہ میں ہو
فَفَرْضُهٗ اِصَابَةُ عَيْنِهَا وَمَنْ كَانَ غَائِبًا فَفَرْضُهٗ اِصَابَةُ جِهَتِهَا هُوَ الصَّحِيْحُ
تو اس کا فرض عین کعبہ کو پانا ہے۔ اور جو کوئی مکہ سے غائب ہو تو اسکا فرض جہت کعبہ کو پانا ہے یہی صحیح ہے
لِاَنَّ التَّكْلِيْفَ بِحَسْبِ الْوُسْعِ
کیونکہ تکلیف طاقت کے مطابق ہوتی ہے

استقبال قبلہ نماز کی شرط ہے

تشریح: استقبال قبلہ بھی نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے دلیل باری تعالیٰ کا قول فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ اَیْ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ہم آپ کو آپ کے پسند کردہ قبلہ کی طرف پھیر دیں گے پھر مسجد حرام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم کیا ہے۔ پھر نمازی کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ مکۃ المکرمہ میں نماز ادا کرے گا یا مکہ مکرمہ سے غائب ہو کر دوسری جگہ ادا کرے گا۔ پس پہلی صورت میں عین کعبہ کی طرف رخ کرنا فرض ہے کیونکہ حضور ﷺ جب مسجد حرام میں نماز پڑھتے تو کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر پڑھتے یہی معمول صحابہؓ اور تابعینؒ کا رہا گویا اس پر اجماع ہو گیا۔

اور دوسری صورت میں جہت کعبہ کو قبلہ بنانا فرض ہے دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ اور مسلمان مدینہ منورہ میں تھے اور اللہ

تعالیٰ نے ان کو مسجد حرام کی طرف توجہ کرنے کا حکم فرمایا ہے نہ کہ کعبہ کی طرف اس سے واضح ہوا کہ جو شخص مکہ سے غائب ہو اس کو عین کعبہ کو قبلہ گاہ بنانا لازم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو بقدر طاقت ہی مکلف بناتے ہیں ارشاد ہے۔ لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔

وَمَنْ كَانَ خَائِفًا يُصَلِّيْ اِلٰى اَيِّ جِهَةٍ قَدَرَ لِتَحَقُّقِ الْعُذْرِ فَاَشْبَهَ حَالَةَ الْاِشْتِبَاهِ
اور جو شخص خوف زدہ ہو تو وہ جس جہت کی طرف قادر ہو نماز پڑھے عذر کے متحقق ہونے کی وجہ سے پس حالت اشتباہ کے مانند ہو گیا

خوف زدہ شخص جس جہت پر قادر ہو اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خوف کی وجہ سے استقبال قبلہ پر قدرت نہ رکھتا ہو تو جس طرف قادر ہو اس طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے خوف جانی ہو یا مالی دشمن کا ہو یا درندہ یا رہزن کا۔ مثلاً اگر کسی کو اس کا خوف ہے کہ میں نے اگر حرکت کی اور استقبال قبلہ کیا تو دشمن محسوس کر لے گا تو اس کیلئے بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارہ سے جس طرف ممکن ہو رخ کر کے نماز پڑھ لے۔

یہی حکم اس بیمار کا ہے جو قبلہ کی طرف گھومنے پر قادر نہ ہو اور کوئی شخص موجود بھی نہیں جو اس کو گھما دے۔ اسی طرح اگر کشتی ٹوٹ گئی اور ایک شخص کشتی کے تختہ پر بیٹھا رہا اور اس کو اندیشہ ہے کہ اگر استقبال قبلہ کیا تو پانی میں گر پڑے گا۔ تو اس کو جائز ہے کہ جس طرف ممکن ہو متوجہ ہو کر نماز پڑھ لے۔ دلیل یہ ہے کہ حالت اشتباہ کے مانند اس کا عذر بھی متحقق ہو گیا لہٰذا اس کے واسطے حقیقۃً استقبال قبلہ شرط نہیں ہوگا۔

فَاِنِ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهٖ مَنْ يَّسْاَلُهٗ عَنْهَا اِجْتَهَدَ لِاَنَّ الصَّحَابَةَ تَحَرَّوْا
پھر اگر نمازی پر قبلہ مشتبہ ہو جائے درانحالیکہ اس کے پاس کوئی موجود بھی نہیں کہ جس سے قبلہ کا رخ پوچھے تو اجتہاد کرے کیونکہ صحابہؓ تحری کی
وَصَلَّوْا وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلِاَنَّ الْعَمَلَ بِالدَّلِيْلِ الظَّاهِرِ وَاجِبٌ
اور نماز پڑھی اور حضور ﷺ نے ان پر انکار نہیں فرمایا اور اس لئے کہ دلیل ظاہر پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے
عِنْدَ انْعِدَامِ دَلِيْلٍ فَوْقَهٗ وَالْاِسْتِخْبَارُ فَوْقَ التَّحَرِّيْ
اس سے بڑھ کر دلیل کے نہ ہونے کے وقت اور دریافت کرنا تحری سے بڑھ کر ہے

قبلہ مشتبہ ہو جائے اور کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو اجتہاد کا حکم

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر جہت قبلہ مشتبہ ہو جائے اور سامنے کوئی شخص (جو جہت قبلہ سے واقف ہو) موجود نہیں جس سے جہت قبلہ دریافت کرے تو اس شخص کو اجتہاد (تحری) کرنی چاہیے۔ پس جس طرح جہت قبلہ ہونے کا

غالب گمان ہو اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔

مصنفؒ نے فرمایا وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهِ مَنْ يَسْأَلُهُ عَنْهَا اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص جہت قبلہ بتلانے والا موجود ہو تو اس سے دریافت کرے اس صورت میں تحری جائز نہ ہوگی اور فرمایا اِجْتَهَدَ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر تحری کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ جواز تحری پر دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر قبلہ مشتبہ ہو گیا تو صحابہ کرامؓ نے تحری کر کے نماز ادا کی پھر اس واقعہ کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ان پر انکار نہیں فرمایا۔

اور اگر کوئی شخص بتلانے والا موجود ہو تو تحری اس لئے جائز نہیں کہ دلیل ظاہر پر عمل اسی وقت واجب ہوتا ہے۔ جب کہ اس سے بڑھ کر دلیل موجود نہ ہو۔ اور دریافت کرنا تحری سے بڑھ کر ہے لہٰذا جب تک دریافت کرنا ممکن ہو اس وقت تک تحری کرنا جائز نہیں ہوگا۔

فَإِنْ عَلِمَ اَنَّهُ اَخْطَأَ بَعْدَ مَا صَلّٰى لَا يُعِيْدُهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُعِيْدُهَا اِذَا اسْتَدْبَرَ
پھر اگر نماز پڑھنے کے بعد اسے معلوم ہو کہ اس نے خطا کی ہے تو نماز کا اعادہ نہ کرے اور امام شافعیؒ نے کہا کہ جب قبلہ کی طرف پیٹھ کرے تو اعادہ کرے
لِتَيَقُّنِهِ بِالْخَطَاءِ وَنَحْنُ نَقُوْلُ لَيْسَ فِيْ وُسْعِهِ اِلَّا التَّوَجُّهُ اِلٰى جِهَةِ التَّحَرِّيْ وَالتَّكْلِيْفُ مُقَيَّدٌ بِالْوُسْعِ
کیونکہ اسکو خطا کا یقین ہو گیا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اس کی وسعت میں جہت تحری کی طرف توجہ کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے اور تکلیف وسعت کے ساتھ مقید ہے

متحری کو نماز کے بعد جہت قبلہ میں خطا معلوم ہوئی تو نماز نہ لوٹائے

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ قبلہ کی سمت مشتبہ ہونے کی وجہ سے اگر کسی نے تحری کر کے نماز پڑھی پھر معلوم ہوا کہ وہ قبلہ کی سمت میں چوک گیا یعنی قبلہ کے علاوہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے تو ایسی صورت میں اس شخص پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ اس وقت اس کا قبلہ شرعاً وہی جہت تحری تھی تو اس نے شرعی حکم پر نماز پوری کی۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب تحری سے نماز پڑھنے میں یہ ثابت ہوا کہ پیٹھ قبلہ کی طرف پڑی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے کیونکہ اس صورت میں خطا کا یقین ہو گیا ہے۔

لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ اس کی وسعت میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ جہت تحری کا استقبال کرے اور تکلیف بقدر وسعت ہوتی ہے لہٰذا جہاں تک اس کی وسعت میں تھا بجالایا اس لئے اعادہ واجب نہیں ہوگا۔

وَاِنْ عَلِمَ ذٰلِكَ فِي الصَّلٰوةِ اِسْتَدَارَ اِلَى الْقِبْلَةِ لِاَنَّ اَهْلَ قُبَاءَ لَمَّا سَمِعُوْا بِتَحَوُّلِ الْقِبْلَةِ
اور اگر متحری کو جہت قبلہ میں خطا ہونا نماز کے اندر معلوم ہو جائے تو قبلہ کی طرف گھوم جائے کیونکہ اہل قبا نے جب تحول قبلہ کو

اِسْتَدَارُوْا كَهَيْئَتِهِمْ فِي الصَّلٰوةِ وَاسْتَحْسَنَهَا النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَكَذَا اِذَا تَحَوَّلَ رَأْيُهُ اِلٰى جِهَةٍ اُخْرٰى
سنا تو وہ نمازی میں جس ہیئت پر تھے گھوم گئے اور حضور ﷺ نے اس فعل کو مستحسن قرار دیا۔ اور اسی طرح اگر نماز میں اس کی رائے کسی
تَوَجَّهَ اِلَيْهَا لِوُجُوْبِ الْعَمَلِ بِالْاِجْتِهَادِ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ مِنْ غَيْرِ نَقْضِ الْمُؤَدّٰى قَبْلَهُ
دوسری طرف بدل جائے تو اسی طرف پھر جائے کیونکہ آئندہ حصہ نماز میں اس پر اجتہاد کے مطابق عمل کرنا واجب ہے اس حصہ کو توڑے بغیر جسے پہلے ادا کیا ہے

دورانِ نماز جہت قبلہ کی غلطی معلوم ہو جائے تو قبلہ رخ ہو جائے

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص نے تحری کر کے نماز شروع کی اس کو نماز کے دوران معلوم ہوا کہ میں نے جہت قبلہ میں خطا کی ہے تو یہ شخص نماز ہی میں قبلہ کی طرف گھوم جائے۔ دلیل یہ ہے کہ اہل قباء کو نماز کے دوران جب یہ معلوم ہوا کہ تحویل قبلہ ہو گیا یعنی بجائے بیت المقدس کے خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہو گیا تو نماز ہی میں رکوع کی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے اور پھر جب حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی تحسین فرمائی، انکار نہیں فرمایا اور یہی حکم اس وقت ہے جب کہ نماز میں اس کی رائے کسی دوسری طرف بدل گئی یعنی جم گئی تو اسی طرف پھر جائے حتی کہ اگر پھرنے میں عمداً کچھ تاخیر کی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ آئندہ حصہ نماز میں اس پر اجتہاد کے مطابق عمل کرنا واجب ہے بغیر اس حصہ کو توڑے جسکو پہلے ادا کیا ہے۔

وَمَنْ اَمَّ قَوْمًا فِيْ لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ فَتَحَرَّى الْقِبْلَةَ وَصَلّٰى اِلَى الْمَشْرِقِ
اور جس شخص نے ایک قوم کی اندھیری رات میں امامت کی پس امام نے قبلہ کی تحری کی اور مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی
وَتَحَرّٰى مَنْ خَلْفَهُ فَصَلّٰى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ اِلٰى جِهَةٍ وَكُلُّهُمْ خَلْفَهُ
اور ان لوگوں نے تحری کی جو اس (امام) کے پیچھے ہیں پس ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک جہت کی طرف نماز پڑھی اور حال یہ کہ یہ سب امام کے پیچھے ہیں
وَلَا يَعْلَمُوْنَ مَا صَنَعَ الْاِمَامُ اَجْزَاهُمْ لِوُجُوْدِ التَّوَجُّهِ اِلٰى جِهَةِ التَّحَرِّيْ وَهٰذِهِ الْمُخَالَفَةُ غَيْرُ مَانِعَةٍ
اور یہ نہیں جانتے کہ امام نے کیا کیا ہے تو ان کی نماز جائز ہے کیونکہ تحری کے رخ پر ان کی توجہ پائی گئی اور یہ مخالفت مانع نہیں ہے
كَمَا فِيْ جَوْفِ الْكَعْبَةِ وَمَنْ عَلِمَ مِنْهُمْ بِحَالِ اِمَامِهِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ
جیسے جوف کعبہ کے مسئلہ میں ہے اور ان مقتدیوں میں سے جس نے اپنے امام کا حال جان لیا ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی
لِاَنَّهُ اِعْتَقَدَ اِمَامَهُ عَلَى الْخَطَاءِ وَكَذَا لَوْ كَانَ مُتَقَدِّمًا عَلَى الْاِمَامِ لِتَرْكِهِ فَرْضَ الْمَقَامِ
کیونکہ اس نے اپنے امام کو خطاء پر اعتقاد کیا ہے اور اسی طرح اگر وہ امام سے آگے ہو (تو بھی اس کی نماز فاسد ہو جائے گی) کیونکہ اس نے فرض مقام ترک کیا ہے

اندھیری رات میں امام اور مقتدیوں میں سے ہر ایک نے تحری کر کے اپنی اپنی جہت کی طرف نماز پڑھی تو کیا حکم ہے؟

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اندھیری رات میں ایک قوم کی امامت کی خواہ کسی مکان میں کی ہو۔ یا جنگل میں یا بغیر کسی ایسے حاضر کے جس سے جہت قبلہ دریافت کریں۔ پس امام نے تحری کر کے جہت قبلہ متعین کی اور مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور جو لوگ امام کے پیچھے ہیں انہوں نے بھی تحری کی پس ان میں سے ہر ایک نے ایک طرف نماز پڑھی یعنی جس طرف اس کی تحری واقع ہوئی ہے اور حال یہ ہے کہ یہ سب امام کے پیچھے ہیں کوئی امام کے آگے نہیں ہوا ہے خواہ جانیں یا نہ جانیں مگر اتنا جانتے ہیں کہ امام آگے ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ امام نے کیا کیا ہے یعنی کسی طرف رخ کیا ہے۔ یہاں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نماز تو رات کی ہے پھر آواز جہر سے کیوں نہیں جانتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ شاید قضا نماز ہو یا جہر کرنا بھول گیا ہو یا آواز سے صرف اس قدر معلوم ہوا کہ امام آگے ہے اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ رخ کدھر ہے۔ یا دشمن کی وجہ سے یا رہزنوں کے خوف کی وجہ سے امام نے جہر نہیں کیا اور سب نے اخفاء کی کوشش کی، بہر حال اس صورت میں ان کی یہ نماز جائز ہے کیونکہ تحری کے رخ پر ان کی توجہ پائی گئی اور یہی ضروری تھی۔

اور رہی یہ مخالفت کہ امام کا رخ کسی طرف اور قوم کا کسی طرف ہے تو یہ مانع نہیں ہے۔ جیسے جوف کعبہ کے مسئلہ میں ہے کیونکہ ہمارے نزدیک فرض و نفل کعبہ کے اندر جائز ہے پس جب لوگوں نے کعبہ کے اندر نماز با جماعت پڑھی اور امام کے گرد اقتداء کی پس جس نے اپنی پیٹھ کو امام کی پیٹھ کی طرف کیا ہے یا اپنا منہ امام کی پیٹھ کی طرف کیا ہے اس کی نماز جائز ہے۔ اور جس نے اپنا منہ امام کے منہ کی طرف کیا ہے تو بھی جائز ہے مگر کراہت ہے جبکہ اس کے اور امام کے درمیان کوئی سترہ نہ ہو۔ مگر جس نے اپنی پیٹھ کو امام کے منہ کی طرف رکھا اس کی نماز جائز نہیں ہے، اور جو امام کے دائیں یا بائیں ہے اس کی نماز جائز ہے بشرطیکہ جس دیوار کی طرف امام کا رخ ہے۔ ادھر کی صف میں سے کوئی شخص امام کی بہ نسبت دیوار سے زیادہ نزدیک نہ ہو۔

اور ان مقتدیوں میں سے جس نے اپنے امام کا حال جان لیا ہو تو اس کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ جس رخ پر تحری کی اسی کو صحیح جانا اور باقی کو غلط تو امام کے ساتھ اقتداء درست نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اپنے امام کو خطاء پر اعتقاد کیا اور اسی طرح اگر وہ امام سے آگے ہوا ہو تو بھی نماز فاسد ہے، کیونکہ اس نے فرض مقام یعنی اپنی جگہ کھڑے ہونے کا فرض چھوڑ دیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى نَبِيِّهٖ

جمیل احمد سکروڈھوی

۸ا/رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ یوم شنبہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆